شعاعِ مہر

مُصنّفہ

پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر

باہتمام

علی بھائی شرف علی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی بمبئی ۳

MOHAMADI.F.&.L.WORKS.BOM.10.

Edited

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

زبان کا جادو بیان کا سحر

سحرِ مہر

شعاعِ مہر

مصنفہ

عمدۃ الشعرا ناثر الملک و افضل الشعرا جانشین استاد السلطان بلبلِ ہندوستان
جہاں استاد دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر ملک الشعرا فصیح الملک عالیجناب
نواب میرزا خاں داغ دہلوی ؒ پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر
ممبر خصوصی تنقیدی انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ و آنریری متعین سول مجسٹریٹ شہر لشکر ریاست گوالیار

مصنف

ترانۂ مہر زمزمۂ مہر نغمۂ مہر سفید جوگن نثر ثریا رہبرِ مضمون نگاری وغیرہ و مترجم رہنمایانِ ہند

بہ حسن اہتمام و انتظامِ مالا کلام
منشی علی بھائی شرفعلی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳
بعد اخذ حقوقِ دائمی طباعت و اشاعت
مطبع محمدی واقع بمبئی میں چھپا

MOHAMADI, F, A, LITHO WORKS BOM 10.

سندِ جانشینیِ حضرتِ داغ

خطابِ عُمدۃ الشُعرا

عطیۂ عالیجناب طوطیِ ہند ثانیِ داغ نوّاب ابوالمعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نبیرۂ جاگیردارِ لوہارو و نوّاب ضیاءالدین احمد خاں بہادر نیّر رخشاں و دامادِ فصیح الملک نوّاب میرزا خاں داغ دہلوی

اعتضادی "عُمدۃ الشُعرا" بابو نارائن شاد صاحب ماہر تخلص سلمہ اللہ تعالےٰ۔ آپ کی فنّی قابلیت اور پایۂ سخنوری کے اعتراف میں مجھے کوئی شبہہ و شک نہیں۔ ان خوبیوں کے باوجود کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کو حضرتِ جہاں اُستاد بلبلِ ہندوستان ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم کا جانشین نہ کہوں۔ اگر آپ میری حاضر کی ہوئی سند کی وقعت اور منزلت کرتے ہیں تو بسم اللہ یہ مُہری سند حاضر ہے۔ اور ساتھ ہی اسکے میری جانب سے اپنے مایۂ فخر خطاب و جانشینی کی مبارکباد قبول فرمائیے۔ امید ہے کہ آیندہ بھی آپ اردو زبان کی ایسی ہی پُرلطف خدمت کرکے اپنے اُستاد مغفور کی رُوح کو شاد کرتے رہیں گے۔ مجھ سے مشورۂ سخن کرنے والے جس قدر ہیں وہ آج سے بجائے میرے آپ کو سمجھیں گے۔ فقط۔

۴ر ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء پنجشنبہ

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی

سائل

حیراں ہیں مہر جلوۂ دیدار دیکھکر
تصویر بن گئے ہیں رُخِ یار دیکھکر



عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا پروفیسر نارائن پرشاد
ورما مہر جانشین فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی و ممبر خصوصی و
تنقیدی انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ دعاگوئے دولتِ سندھیا گوالیا
آنریری مجسٹریٹ میونسپلٹی لشکر

سندِ خطابِ ناثر الملک

عطیۂ عالیجناب ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوؔح رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد جانشینِ فصیح الملک حضرتِ داؔغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ
و خلف الرشید عالیجناب مولوی محمد عبد المجید صاحب جج مرحوم

بھائی تہر صاحب تسلیم۔ آپ کو سندِ خطابِ عمدۃ الشعرا و جانشینی حضرتِ داؔغ دہلوی دہلی سے ملی ہے۔ میں یہ دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور سچے دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ شاعری کے ساتھ آپ نثر نگاری میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ میں پہلے بھی آپ کی نثر بہت پسند کر چکا ہوں۔ اب آپکا ناول "سفیدِ جوگن" میں نے پڑھنے کی طرح پڑھا۔ دیکھنے کی طرح دیکھا۔ زبان پر لحاظ کروں۔ یا خیالات کو دیکھوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے بڑی جگر کا دی کی ہے۔ اور اس کے دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ہے۔ زبان۔ بیان۔ محاورہ مضمون۔ پلاٹ ہر اعتبار سے یہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اور اسکی تعریف میرے امکان سے باہر ہے۔ میرے خیال میں آپ ملک کے بہترین نثاروں میں ہیں۔ لہذا یہ مُہری سندِ خطابِ "ناثر الملک" حاضر ہے۔ المرقوم ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء از نارہ ضلع الہ آباد۔

الراقم

محمد نوح۔ نوؔح

ناخدائے سخن تاج الشعرا
نوؔح ناروی
جانشین حضرتِ داؔغ دہلوی

سندِ خطابِ افضلُ الشعرا

عطیۂ انجمنِ نہالِ سخن بابنِ بریلی

مکرم بندہ حضرتِ مہر دام عنایتکم. آداب نیاز۔ آپکا معتدبہ کلام وقتاً فوقتاً اراکینِ انجمن نہالِ سخن کی نظر سے گزرا جس میں دہلی اور لکھنؤ کے مشاہیر شعرا شامل ہیں۔ بیشک آپ کا پایۂ سخنوری افضل ہے۔ لہٰذا یہہ ناچیز کمیٹی خطابِ "افضل الشعرا"، کی یہہ مہری سند پیش کرتی ہے۔ قبول فرمائیے۔ فقط۔ المرقوم ۴ر جون ۱۹۱۸ء

راقم حکیم فصیح الزّماں آثر
ایڈیٹر و سکرٹری نہالِ سخن

سکرٹری نہال سخن

ممبرئ انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ

(ماخوذ از اخبارِ ہمدم لکھنؤ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء)

"بخدمت ایڈیٹر صاحب ہمدم۔ جناب من۔ اِس انجمن کی مجلس انتظامی کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۱ جنوری بر مکان سید محمد ابراہیم صاحب ڈرسیر باغِ قاضی زیرِ صدارت جناب مولٰنا محمد احمد صاحب بیخود موہانی منعقد ہوا اور مندرجۂ ذیل حضرات باتفاق رائے ممبر منتخب کیے گئے۔

ممبرانِ اعزازی۔ (۱) جناب محمد ابراہیم صاحب اوورسیر باغِ قاضی لکھنؤ (۲) جناب مولٰنا سید شرف الدین صاحب موحن ٹونکی ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ (۳) جناب کنور جمشید علی خاں صاحب رئیس اعظم و آنریری مجسٹریٹ باغپت ضلع میرٹھ (۴) جناب چودھری اعزاز علی خانصاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ باغپت ضلع میرٹھ (۵) جناب کنور مسعود علی خاں صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ (۶) جناب فضل الرحمٰن خاں صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ (۷) جناب کنور مشکور حسین خاں صاحب قیسؔ۔ ریاست مینڈھو ضلع علی گڈھ (۸) جناب کنور عبدالحمید صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ۔ (۹) جناب کنور لطافت علی خاں صاحب رئیس باغپت۔ ضلع میرٹھ۔ (۱۰) جناب حافظ جلیل الرحمٰن خاں صاحب باغِ قاضی لکھنؤ۔

ممبرانِ خصوصی۔ (۱) جناب مولٰنا سید محمد نوح صاحب شہیر مچھلی شہری رئیس و آنریری مجسٹریٹ مچھلی شہر ضلع جونپور۔ (۲) جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا منشی نارائن پرشاد صاحب ورما مہر تخلص جانشین حضرتِ داغ دہلوی گوالیار۔

ممبرانِ تنقیدی جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہاں پوری سب ایڈیٹر "ہمدم" لکھنؤ (۲) جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا منشی نارائن پرشاد صاحب ورما۔ مہر تخلص جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی۔

ممبرانِ امدادی جناب سید محمد وجیہہ صاحب رہا سیتا پوری۔

لکھنؤ باغ قاضی ۲۲ جنوری ۱۹۲۰ء — راقم مرزا یاس عظیم آبادی سکریٹری انجمن خاصانِ ادب"

ایجوکیشن ویک گوالیار

(۲۹-اپریل تا ۵-مئی سنہ ۱۹۲۶ء)

وکٹوریہ کالج لشکر

سندِ درجۂ اعلیٰ

بہ صلہ و قدر دانی بہترین اردو شاعری پیش کردہ یہ اعلیٰ درجے کی سند عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی بابو نارائن پرشاد ورما مہر کو دی گئی۔

دستخط

راؤ صاحب ایل۔ بی۔ ٹلے۔ بی۔ اے
ممبر محکمۂ تعلیم گوالیار گورنمنٹ
پریسیڈنٹ ویک

مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۶ء

دستخط

بی۔ ایل واجپئی بھیم پوری ایم۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ایف۔ ای۔ ایس۔ ویدیا بھوشن۔
آرگنائزنگ سکریٹری ویک۔

سری مادھو جینتی

یعنی

سالانہ بتقریب یادگارِ روزِ پیدایش ہز ہائی نس مہاراجہ مادھو راؤ سندھیا
آنجہانی والیِ ریاست گوالیار



سَنَد درجۂ اعلیٰ

بہ صلہ پیش کرنے بہترین کلامِ نظم و نثر یہ اعلیٰ درجے کی سَند مع ایک اوّل درجے کے سیمیں تمغے کے عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا جانشینِ حضرت داغ دہلوی بابو نارائن پرشاد ورما مہر کو دی گئی۔

مورخہ ۱۸۔ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء
دستخط
پنڈت کنہیا لال رازدان ایم اے
آرگنائزنگ سکریٹری جینتی

EDUCATION & MUNICIPAL DEPTS. * GWALIOR GOVERT. *

دستخط
راؤ صاحب ایل بی ٹلے
بی۔ اے
پریسیڈنٹ جینتی

دی آل گوالیار اسٹیٹ ایجوکیشنل نمایش

دسمبر ۱۹۳۶ء

(جو بموقعہ بارھویں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس گوالیار کے متعلق کی گئی)

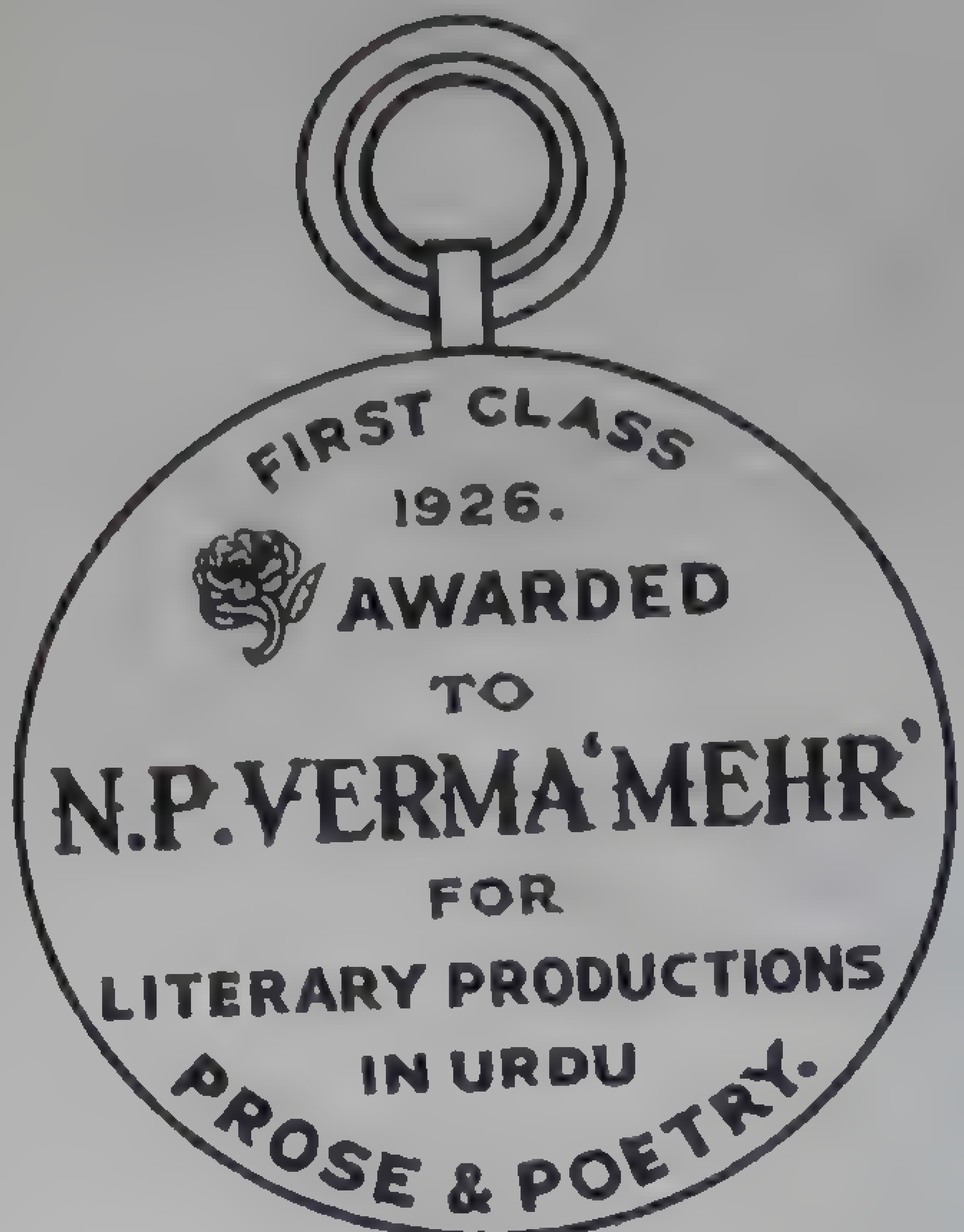
انعام درجۂ اوّل

دیوانِ "شعاعِ مہر" پر مصنّفِ دیوان عمدۃ الشعرا۔
ناثر الملک افضل الشعرا۔ جانشین فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی
منشی نارائن پرشاد ورما مہر فقیمی۔ دانا اولی لشکر۔
کو دیا گیا

دستخط	دستخط	دستخط
راؤ بہادر۔ ایل۔ بی ٹُلے	کنھیالال ایم اے	بدری نارائن ایم اے
پریسیڈنٹ	چیرمین	سکریٹری

لشکر۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

GWALIOR GOVERNMENT MEDAL.





COLLEGE MEDAL.





خطوطِ مبارکباد

(از چند مشاہیر شعرائے گرامی)

جناب منشی عبدالمجید صاحب انہر زل اسسٹنٹ چیف انجنیئر انہار لاہور و تلمیذِ خاص حضرت داغ دہلوی

(۱) بھائی جان۔ آداب عرض کرتا ہوں۔ رات حضرت جامی سے پتا چلا کہ آپ کو حضرت سائل دہلوی مدظلہ نے سندِ جانشینی حضرت داغ دہلوی و خطابِ عمدۃ الشعرا عطا کی ہے۔ لہٰذا تہِ دل سے مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ دل بہت خوش ہوا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

(۲) بھائی صاحب تسلیم۔ یہ پڑھکر کہ آپ کو اور بھی خطابات ملے ہیں دل بہت خوش ہوا۔ خدا مبارک کرے۔ لاہور ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب ناخدائے سخن تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوح ناروی جانشینِ حضرت داغ دہلوی

بھائی مہر صاحب۔ آداب نیاز۔ آپکی جانشینیِ حضرت داغ دہلوی کی سند کی نقل میں نے "آفتاب" لاہور میں دیکھی۔ خدا مبارک کرے میں سچے دل سے آپکی اِس کامیابی پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں۔ اِس خطاب کی وقعت آپکے دل میں شاید کچھ بھی نہو لیکن میں اِسے بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ از نارہ ضلع الہ آباد ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب چودھری بھگوت سہائے صاحب سہا رئیس و زمیندار گڈھی مرگانواں ضلع فرخ آباد

جناب قبلہ ام۔ آداب۔ دہلی سے مجھے یہ معلوم ہو کر کہ جناب کو سندِ جانشینی فصیح الملک حضرت داغ دہلوی اور خطاب عمدۃ الشعرا ملے ہیں از حد خوشی حاصل ہوئی۔ میں انکے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔ از گڈھی مرگانواں۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب مولوی اے ایم عبدالباسط صاحب برق ایڈیٹر "پیکرِ خیال" و اخبار المسلم بنگلور

بعالی خدمت عالیجناب معلی القاب عمدۃ الشعرا نائب الملک و فضل الشعرا حضرت مہر دام اقبالہ جانشین حضرت داغ دہلوی تسلیم بصد تعظیم۔ مزاج وہاج۔ کل شب کو انجمن ترقی اردو متعلقہ دفتر پیکرِ خیال کے ممبران نے ایک غیر معمولی جلسہ کرکے یہ رزولیوشن پاس کیا ہے کہ جنابِ والا کو خطاباتِ عمدۃ الشعرا و جانشین حضرت داغ دہلوی کی جو مہری دستخطی سند دہلی سے عطا ہوئی ہے اُسکے متعلق اظہارِ مسرت و شکریہ کا مضمون جنابِ والا کے فوٹو کے ساتھ "پیکرِ خیال" میں شایع کیا جائے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ جہانتک جلد ممکن ہو آپ اپنا فوٹو عنایت فرماکر رہینِ منت فرمائیں۔۔

از مسلم پریس کنٹونمنٹ بنگلور ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب حاجی حافظ سید علی احسن صاحب احسن رئیس مارہرہ ضلع ایٹہ خاص تلمیذ حضرت داغ دہلوی

برادرم سراپا مہر و کرم زاد لطفکم تسلیم۔ میں "آفتاب" لاہور کے مضامین اکثر پڑھتا رہتا ہوں۔ اُس میں آپ کے

خطابات کی سند نظر سے گزر کر بحد مسرت ہوئی۔ آپ کے عمدۃ الشعرا ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور صحیح طور پر حضرتِ داغ دہلوی غفرلہٗ کی جانشینی کے استحقاق میں آپ کسی سے کم نہیں۔ اللہ مبارک کرے۔ والتسلیم۔ از مارہرہ ۲۷۔ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب حکیم مولوی فصیح الزماں صاحب آثرؔ مرادآبادی ایڈیٹر نہالِ سخن بریلی

مکرم و محترم حضرتِ قمرؔ دام نوازشکم۔ بعد آداب و نیاز التماس ہے کہ حضرتِ سائلؔ دہلوی نے آپ کو جو سند خطابات عمدۃ الشعرا و جانشینِ حضرتِ داغؔ دہلویؒ عطا فرمائی ہے اُسکو دیکھ کر اس ہمخیالی سے حضرتِ موصوف کی ممنونی اور کمال مسرت ہوئی کہ انجمنِ "نہالِ سخن" کی تائید فرمائی اور اُسکا پسندیدہ خطاب "افضل الشعرا النعیعت" نہ رہا۔ خدا آپکو مبارک کرے۔

از بانس بریلی ۲۰۔ ستمبر ۱۹۱۹ء۔

جناب ناظم الملک مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہرؔ ہاپوڑی وکیل و حال منصف جے پور

مکرم بندہ حضرتِ قمرؔ تسلیم۔ مجھے اس سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ آپ کو عمدۃ الشعرا و جانشینِ حضرتِ داغؔ دہلویؒ مغفور کے خطابات خاص دارالسلطنت دہلی سے ملے۔ خدا مُبارک کرے۔ جے پور ریاست ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

جناب منشی حُب لال صاحب رعنؔا خاص تلمیذ حضرتِ داغؔ دہلویؒ و صاحبِ دیوانِ چراغِ سخن و آنریری مجسٹریٹ بھنڈ

میرے مکرم بھائی قمرؔ صاحب ادلطفہٗ۔ آداب نیاز۔ آپ کو جو خطابات عمدۃ الشعرا و جانشینِ حضرتِ داغؔ دہلویؒ ملے ہیں اُنکو پڑھکر میں نہایت محظوظ ہُوا۔ آپکو ان خطابات پر تہِ دل سے مُبارکباد دیتا ہُوں۔ آپکی خداداد قابلیت آپکو اس سے بھی زیادہ مستحق بناتی ہے۔ مجھے نہایت خوشی حاصل ہُوئی۔ اور اس امر کا افتخار ہے کہ میرے ایک کرمفرما اُستاد بھائی کے ایسے اعزاز بڑھائے گئے۔ از مقام بھنڈ ریاست گوالیار ۱۸۔ جنوری ۱۹۲۰ء۔

جناب بیگم حجاب صاحبہ حجابؔ شاہجہانپوری ارشد تلمیذہ حضرتِ جلالؔ لکھنوی

عزیزی قمرؔ صاحب السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ سچ تو یہ ہے کہ۔ "بعد مدت کے تمھیں یاد ہماری آئی"۔ مارگزیدگی کے بعد در اصل یہ میری دُوسری زندگی ہے۔ پہلی زندگی میں جو چیز (فوٹو بے قمر) مانگی تھی وہ دوسری حیات میں ملی میں اس عنایت کی نہایت شکرگزار ہُوں۔ ہاں جناب عمدۃ الشعرا۔ ناثر الملک جانشینِ داغؔ صاحب یہ خطاب پانے کی مٹھائی کہاں ہے؟۔ اللہ مُبارک کرے۔ زیادہ والسلام از شاہجہاں پور۔ ۱۰۔ فروری ۱۹۲۰ء

جناب سُلطان الشعرا حضرت مولٰنا محمد ابراہیم صاحب دبیرؔ یادگارِ حضرتِ ظہیرؔ دہلویؒ

شفیق مکرم زادلطفہٗ۔ آداب عرض۔ میرے اُستاد زادے سید اشتیاق حسین دہلوی بہ تقریب عُرس "پیران کلیر" رُڑکی تشریف لائے تھے۔ اُنھوں نے نہایت مسرت سے فرمایا کہ "میرے سامنے حضرتِ اعلیٰ المعظم نواب سراج الدین احمد خانصاحب

سائل دہلوی نے جناب قہر کو اپنی دستخطی مُہری سندِ جانشینی جناب قبلہ داغ مرحوم مرحمت فرمائی ہے"۔ اِس پر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ اور میں نے فوراً مولوی عبدالباسط صاحب کو لکھدیا کہ آئندہ سے جناب قہر کے نام نامی کے ساتھ جانشینِ حضرت داغ ضرور لکھدیا کیجئے۔ فقط۔ از رُڑکی ۱۰۔ اگست سنہ ۱۹۲۰ع

جناب سید تصدُق حسین صاحب قرار شاہجہانپوری خاص تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی

مُحبِ کرم گستر حضرتِ قہر زاد عنایتہٗ تسلیم و نیاز۔ آپ کو دہلی سے جانشینی حضرت داغ دہلویؒ اور خطابِ عُمدۃ الشُعَرا کی سَندِ لِی۔ اِسپر میں تہِ دل سے مُبارکباد دیتا ہُوں۔ قبول فرمالے۔ میرا آپکا ہندوستان کے بیشتر عظیم الشان مشاعروں میں ساتھ ہُوا ہے۔ اسلئے آپ کے کلام سُننے کا اکثر اتفاق ہُوا ہے۔ نیز میری فرمایش پر جو محاورات آپ نے میرے قرار اللغات طبع ثانی کے لئے رنگِ تغزل میں نظم فرماکر عنایت فرمائے ہیں اُنسے بھی میرزا داغ کا رنگ ٹپکتا ہے۔ بیشک آپ حضرت داغ مغفور کے سچّے اور صحیح جانشین ہیں۔ از مُسلم ہوٹل امین آباد لکھنؤ۔ ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۲۲ع

ے مدیر اخبار "المُسلِم" و رسالہ "پیکرِ خیال" "مسلم پریس" بنگلور ٹلک میسور

دیباچہ

تراوید ٔہ خامۂ سحر کار بدیع نگار ناثر یگانہ ناظم فرزانہ منبع فہم و ذکا فسانہ نگار یکتا صاحبِ جوہرِ طبعِ نقاد مولوی سید احمد شاد کاکوروی تلمیذِ رشید حضرتِ امیر مینائی لکھنوی

خدا کا شکر کیونکر ادا ہو۔ اُس نے ہمیں مختلف قُوتیں عطا کیں۔ اُن میں چند ایسی ہیں جن سے ہم اشرف المخلوقات کہلائے۔ اِدراک سے ہم نئی نئی چیزیں دریافت کرتے ہیں۔ طرح طرح کے ایجاد عجیب و غریب تحقیقاتیں کرتے ہیں۔ اور عُلوم و فُنون کے مُوجد بنتے ہیں۔ احساس سے وارِدات اور واقعات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نطق سے معلومات خیالات۔ تاثرات۔ اور جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

شعر کی تعریف غم۔ خوشی۔ حیرت۔ تعجب۔ یا اور کوئی قوی جذبہ ہم پر طاری ہوتا ہے تو اُس کے بیساختہ۔ موثر بیان کو شعر کہتے ہیں۔ یا جذبات جو الفاظ سے ادا کئے جاتے ہیں شعر ہیں۔ اور چونکہ یہہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں پر بھی وُہی اثر ڈالتے ہیں جو صاحبِ جذبہ پر طاری ہوتا ہے اِس لئے جو کلام انسانی جذبات کو جوش میں لائے یا اُن میں تحریک پیدا کرے شعر ہے۔ مگر اہلِ فن نے شعر کے لئے جذبات کے بیان کرنے میں قصد اور وزن کی قید بھی لگائی ہے۔

خُصوصیاتِ شاعری موسیقی۔ مصوری۔ واقعہ نگاری۔ اور خُطابت میں بھی انسانی جذبات کو اُبھارنے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ پھر بھی اِنکے اور شاعری کے مُحرکات میں بڑا فرق ہے۔ نغمے سے متاثر ہونے کے لئے قوتِ سامعہ اور تصویر سے اثر پذیر ہونے کو قوتِ باصرہ کی ضُرورت ہے۔ مگر شاعری کسی شے کے پیشِ نظر نہ ہونے پر بھی اُسکے بیان ہی سے جملہ حواسِ خمسہ کو محظوظ کرتی ہے۔ کسی کی نیند بھری آنکھوں کو جو نگاہ ہونکے دُیرو

نہوں شاعر نرگس نیمخواب سے تعبیر کرتا ہے تو اُنکا موثر منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ واقعہ نگاری زندگی کی تصویر اور خارجی واقعات تک فسانہ رہتی ہے۔ مگر جہاں سے اُس میں اندرونی جذبات اور احساسات شروع ہو جاتے ہیں شاعری اپنا رنگ جمالیتی ہے خطیب سامعین کے مذاق اور میلانِ طبع کے موافق اپنی تقریر کا پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن شاعر کو دُوسروں کے خیالات اور معتقدات سے کچھ بحث نہیں ہوتی۔ اسکے دل پر جو جذبات طاری ہوتے ہیں یہہ اُنھیں کو بے اختیار موثر اور موزوں الفاظ میں بیان کرتا ہے اور جو اُنکو سُنتا ہے تڑپ جاتا ہے۔ پس اصلی شاعر وُہی ہے جسکو سامعین سے کچھ غرض نہو۔

عناصرِ شاعری شاعری کے اصلی عنصر مُحاکات اور تخئیل ہیں۔ مُحاکات کسی چیز۔ کسی واقعہ۔ یا کسی حال کا الفاظ میں اِس طرح ادا کرنا ہے کہ اُسکی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تصویر اور مُحاکات میں یہہ فرق ہے کہ تصویر مادّی اشیا کے علاوہ کبھی بعض حالات اور جذبات کی بھی ہوتی ہے۔ تاہم سیکڑوں گوناگوں واقعات۔ حالات۔ اور وارِدات ایسے بھی ہیں جو تصویر کی دسترس سے باہر ہیں۔ مگر مُحاکات اُنکا بھی فوٹو اُتار دیتی ہے۔ مصور جب تک کسی شے کے ایک ایک جُزو کی تصویر نہ کھینچے تصویر مکمل نہیں ہوتی۔ لیکن شاعرانہ مُحاکات صرف اُنھیں جزو وں کو لیتی اور نمایاں کرتی ہے جن سے ہمارے جذبات پر اثر پڑے باقی کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

مُحاکات کی تکمیل کے لئے موزوں کلام میں پہلے وزن کا تناسُب شرط ہے۔ درد۔ غم۔ رنج۔ خوشی۔ غیظ۔ غضب۔ جوش۔ اِشتعال۔ وغیرہ کے اظہار کے لئے جس جذبے کی مُحاکات ہو شعر کا وزن بھی اُسی کے مناسب ہونا چاہئے۔ جیسے۔ رزم کے بیان کے لئے بحرِ متقارب موزوں ہے۔ دُوسرے مُحاکات اصل کے مطابق ہونی چاہئے۔ تیسرے جزئیات کا اِستقصا اس طرح کیا جائے کہ پُوری شے کی تصویر نظر کے سامنے آجاے۔ چوتھے اُسکے الفاظ اُسکی خصوصیت پر دلالت کرتے ہوں۔ جب کسی مُلک۔ کسی قوم۔ کسی مرد۔ کسی عورت۔ یا کسی بچّے کی کیفیت بیان کی جائے تو اُسکی تمام خصوصیات کا لحاظ رکھا جاے۔ پانچویں عالمِ کائنات کی ہر قسم کی چیزوں کا مطالعہ کیا جائے۔ چھٹے مُحاکات میں بیحد فرقِ مراتب ہوتا ہے۔ اور اِسی فرقِ مراتب سے شاعری کے مدارج میں نہایت تفاوُت ہوتا ہے۔ اِس لئے اوّل اِسے محسوسات کے ذریعے سے ذہن نشین کیا جاے۔ ساتویں بعض جگہ صرف جزئیات ہی کو ادا کیا جائے۔ مگر اِس میں بہت احتیاط لازم ہے کیونکہ ایسے موقعوں پر سخت غلطیاں ہوتی ہیں اور اشعار پیچیدہ و ناقابلِ فہم ہو جاتے ہیں۔ مضمون کے بعض حصّے اِس خیال سے چھوڑ دئے جاتے ہیں کہ گرد و پیش کا مصالحہ اُس خلو کو بھر دے گا۔ مگر وہ نہیں

بھرتا۔ اور اشعار مُہمل ہو جاتے ہیں۔ جو نا واقفانِ فن ایسے غلو کا نام بلاغت یا گہری تخئیل۔ یا جذباتِ عالیہ رکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ بعض اوقات دو مختلف پہلو دکھانے یا ضدین کے بیان کرنے سے بھی مُحاکات کی تکمیل ہوتی ہے۔ تشبیہ بھی مُحاکات کا ایک بڑا آلہ ہے۔ کسی چیز کی اصلی تصویر جس طرح تشبیہ سے کھینچی جاتی ہے دُوسری طرح دکھائی نہیں جاسکتی۔ اور بعض جگہ یہ بات بھی مُحاکات کے مؤثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تصویر ایسی دھندلی کھینچی جائے کہ اُس کے اکثر حصّے نظر نہ آئیں اور اکثر نمایاں رہیں۔

تخئیل محض خیالی اور سیمیاوی صورتوں ہی کا نام نہیں ہے جو جذبات کے طاری ہوتے وقت نظر آتی ہیں۔ تخئیل نے اکثر وہ راز بھی کھولے ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظروں سے بھی مخفی تھے۔ مُحاکات اور تخئیل دونوں شاعری کے عُنصر ہیں۔ تاہم شاعرانہ مُحاکات کی جان تخئیل ہی ہے۔ فنِ شعر کی اصطلاح میں تخئیل اور قوتِ اختراع مترادف ہیں۔ مُحاکات جو دیکھی یا سُنی ہوئی چیزوں کو الفاظ کے ذریعے سے ادا کرتی ہے اُن میں خاص ترتیب کا پیدا کرنا تناسب اور توافق کو کام میں لانا۔ اور اُن پر آب و رنگ چڑھانا قوتِ تخئیل ہی کا کام ہے۔ شاعر کی نظر میں عالمِ کائنات تخئیل کی قوت سے ایک اور ہی عَالَم بن جاتا ہے۔ اور اِس عالم میں شاعر کی تاریخِ زندگی عجیب دلچسپیوں سے بھری ہوتی ہے۔

تخئیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ گو ایک قسم کا منطقی مغالطہ ہوتا ہے۔ یا خطابیات پر مبنی ہوتا ہے۔ تاہم تخئیل کے عالم میں شاعر اسکو اس انداز سے بیاں کرتا ہے کہ سامع اُسکی صحت و غلطی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُسکی دلفریبی سے مسحُور ہو کر بیساختہ آمنّا وصدّقنا کہہ اُٹھتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تخئیل کی بے اعتدالی یا خیال کے بیان کی غلطی کو تخئیل کی بلندی یا خیال کا حُسن قرار دیا جائے۔ یا لغو اور بیہودہ گوئی کو حُسنِ کلام سمجھا جائے۔ آجکل کے اکثر مُتشاعر صحتِ خیال اور صفائی بیان سے مطلق غرض نہیں رکھتے۔ اور بیشتر بے اُصول نکتہ آفرینیاں کر کے تخئیل کا بیجا طور سے استعمال کرتے ہیں۔ جو مضمون غلطیِ بیان کے باعث سمجھ میں نہ آئے اُسکا نام گہری تخئیل رکھتے ہیں۔ اور جس قدر بعید الفہم یا مُہمل شعر ہو اُسکو اُسی قدر اعلیٰ درجے کا بلند اور مستحسن خیال کرتے ہیں۔ یہ اُنکی سخت غلطی اور نادانی ہے۔ تخئیل بر وزنِ تفعیل کسی کو کسی بات کا خیال دلانا ہے نہ کہ بے معنی بات کہنا۔

مُحسّناتِ شاعری | مُحاکات اور تخئیل شاعری کے اعلیٰ عُنصر تو ضرور ہیں۔ پھر بھی شعر کہنے میں جب تک کُل محاسنِ

شاعری کو مدِّنظر نہ رکھا جائے شعر شعر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک منظوم گورکھ دھندا ہوتا ہے۔ جن محسنات اور خوبیوں سے شعر میں لطافت۔ دلاویزی۔ اور دلنشینی پیدا ہوتی ہے وہ تشبیہ و استعارہ۔ جدت و لطفِ ادا۔ حسنِ الفاظ۔ سلاست۔ فصاحت۔ بلاغت۔ سادگی جملوں کے اجزا کی ترکیب و ترتیب۔ مبالغہ۔ واقعیت۔ اور تاثیر ہیں۔

تشبیہ و استعارہ تشبیہ و استعارہ شاعری ہی نہیں عام زباں آوری کے خط و خال ہیں۔ انکے بغیر انشا پردازی کا حسن و جمال ظاہر نہیں ہو سکتا۔ تشبیہ و استعارہ سے کلام میں جو وسعت اور زور پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی اور صورت سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہنا کہ "اُسکے ہونٹھ نازک ہیں" ایک معمولی بات ہے۔ اس کو اس طرح کہا جائے کہ "اُسکے لب گلاب کی پتیوں کی طرح نازک ہیں" تو پہلے بیان کے مقابلے میں کلام میں کچھ زور بڑھ جائے گا۔ اور اسی کو یوں کہہ دیا جائے کہ "اُسکے ہونٹھ گلاب کی پتیاں ہیں" تو یہ لطیف استعارہ بیان کو بہت ہی بلند کر دے گا لیکن اکثر حضرات کی طرح تشبیہ و استعارہ کو رنگِ شاعری قرار دینا۔ یا اُنکے استعمال کو بے اعتدالی سے تکلف کے درجے تک پہونچانا سخت معیوب ہے۔

جدت و لطفِ ادا شاعری کے لئے جدت و لطفِ ادا سب سے زیادہ مقدم چیز ہے۔ بلکہ اہلِ فن کے نزدیک جدتِ ادا ہی کا نام شاعری ہے۔ کسی بات کو جدید انداز اور نئے اسلوب سے لطیف پیرائے میں بیان کرنا شاعری ہے۔ جیسے

قہر ہے ان بُتوں کا جو مجھے شیوۂ بیداد آئے | یوں انھیں میں بھی ستاؤں کہ خدا یاد آئے |

معشوق عاشقوں پر اس طرح ظلم کرتے ہیں کہ عشاق اُسکے سہنے کی تاب نہیں لا سکتے اور معشوقوں کو اپنی اس بیحد آزار دہی کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس مضمون کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے کہ عاشق معشوق پر گو ظلم کرنا پسند نہیں کر سکتے پھر بھی اگر مجھے ان معشوقوں کا طریقِ ستمگری آجائے تو میں بھی انکو اتنا ستاؤں کہ یہ اپنے ظلم کی تکلیف معلوم کر کے بیداد کرنی چھوڑ دیں۔ اس طرزِ بیاں میں معشوقوں کو اپنے مظالم کی تکلیف کا احساس ہونے کی غرض سے خلافِ وضعِ عشاق عمل کرنے کی تمنا ایک نہایت لطف انگیز ندرت ہے۔

حسنِ الفاظ سخنوروں کے دو گروہ ہیں۔ ایک لفظ کو ترجیح دیتا ہے۔ دوسرا مضمون کی دھن میں زبان اور بیان کی پروا نہیں کرتا۔ مگر زیادہ تر اہلِ فن کا یہی مذہب ہے کہ لفظ کو مضمون پر ترجیح ہے۔ مضمون تو کچھ نہ کچھ سبھی پیدا کر سکتے ہیں لیکن شاعری کا معیارِ کمال یہی ہے کہ مضمون کن لفظوں میں اور کس طرح ادا کیا گیا ہے شاعری اور انشا پردازی کا مدار زیادہ تر خوبیِ الفاظ پر ہی ہے۔ بعض مشہور شعرا کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ اُنکے کلام میں خامی ہے تو یہ اسی بنا پر کہا جاتا

ہے کہ اُنکے یہاں الفاظ کی خوبی شُستگی ۔ اور بندش کی دُرستی میں کمی ہے ۔

الفاظ متعدد اقسام کے ہوتے ہیں ۔ اور مختلف اثرات رکھتے ہیں بعض نازک ۔ لطیف ۔ شستہ ۔ صاف ۔ رواں ۔ اور شیریں ۔ بعض پُرشوکت متین ۔ بلند ۔ اور دقیق ہوتے ہیں ۔ عشق و محبت کے جذبات و مضامین ادا کرنے کے لئے پہلی قسم کے الفاظ موزوں ہیں عشق و محبت انسان کے نازک اور لطیف جذبات ہیں اِنکے ادا کرنے کے لئے لفظ بھی اسی قسم کے ہونے چاہئیں ۔ اِس لئے غزل کی شاعری میں تو اہلِ زباں کا روزمرّہ ۔ کان میں رچے ہوئے الفاظ ۔ دلنشین محاورے ۔ اور پسندیدہ ترکیبیں ہی استعمال کرنی مناسب ہیں ۔ آجکل اکثر حضرات عربی فارسی کے مُغلق الفاظ ۔ ناہموار ترکیبیں ۔ غیر مانوس بندشوں سے اپنی غزل کا حُسن خاک میں ملا دیتے ہیں ۔ اس طرزِ ادا کا نام جذباتِ عالیہ رکھتے ہیں ۔ اور اس شاعری کو اعلیٰ طبقے کی جدید شاعری کہتے ہیں ۔ اِسکے برخلاف فصیح اور شُستہ اُردو میں ادا کئے ہوئے لطیف مضامین اور نازک جذبات کو ساہنے کے مضمون اور شوقیانہ شاعری تصور کرتے ہیں لیکن یہ اُنکی ناواقفیت اور بدمذاقی ہے ۔

سلاست | ترکیب الفاظ کی صفائی ۔ ہمواری ۔ اور روانی کا نام سلاست ہے جو علمِ نحو کی کامل واقفیت اور اُس میں اعلیٰ درجے کی مشاقی سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جو الفاظ کلام میں ایک ساتھ آئیں وہ سب کے سب مِل جُلکر ایک ہی جسم کے اعضا بن جائیں ۔ یہی وصف شعر میں ترنّم پیدا کردیتا ہے اور شاعری موسیقی بن کر بجید اثر کرتی ہے ۔

فصاحت | فصاحت کے لُغوی معنی خوشگوئی کے ہیں ۔ اصطلاحِ علمِ معانی میں مشکل و ثقیل الفاظ اور غیر مانوس ، ترکیبوں سے کلام کا پاک اور خالی ہونا ہے ۔ اور اہلِ فن نے فصاحت کی تعریف منطقی طور پر جنس و فصل سے کی ہے ۔ بہرحال فصیح کلام لفظی معنوی ۔ اور ترکیبی عیوب سے پاک ہونا چاہیے اُس میں تنافر ۔ اتقال ۔ توالی اضافات ۔ حروف مُشدّد الآخر بغیر عطف و اضافت ضعفِ تالیف ۔ غرابت ۔ اور مخالفتِ قیاس نہوں ۔ اِخلال ۔ تکلف ۔ تکرار ۔ تجنیع ۔ تضمین ۔ ابتذال ۔ تغیر نہ آئیں ۔ حشو ۔ تناقض ۔ صفاتِ خلافِ واقعہ ۔ تقدیم و تاخیر ۔ تعقید ۔ سرقہ ۔ اور عُدول از جادۂ صواب نہ آنے پائیں ۔ اِسی طرح شُتر گربہ ۔ بے تکے پن ۔ حروف کے گرنے دبنے ۔ اِعلانِ نُون بعدِ الف ۔ تخفیفِ حروف ۔ تبدیلِ ہیئتِ الفاظ ۔ قُربِ حروفِ ہمجنس ۔ حروفِ زائد ۔ الفاظِ غیر مانوس ۔ اُردو میں استعمال مصادرِ فارسی ۔ اور پہلوے ذم سے بچا جائے ۔ تبادلہ ۔ اختصارِ لفظ ۔ اضافۂ الفاظ ۔ غلط صیغۂ جمع ۔ الفاظِ بیموقع ۔ محاورۂ مذموم ۔ توابعاتِ مُہمل ۔ قوافیِ ہائے ہوز و الف ۔ اضافتِ فارسی و ہندی

الفاظ۔ اعلانِ آخر نوُن بہ صورت عطف و اضافت۔ الفاظِ غیر مرکب سے پرہیز کیا جائے۔ اور تقابُل ردیفین و قافتین۔ تعقیب غیرِ جائز۔ عربی فارسی الفاظ کے آخر حروفِ علّت کے گرنے دبنے۔ ہندی الفاظ میں اصلی الفِ آخر کا سُقُوط۔ غلط الفاظ۔ قافیۂ معروف و مجہول۔ حذفِ روابط۔ فصلِ توابع۔ متروکات۔ ہندی جمع کے علاوہ ہندی الفاظ کے آخر الف د نوُن کے گرنے دبنے۔ شعر میں مصرعین کے حروفِ آخر کے ہم قافیہ ہونے سے اجتناب کیا جاے۔

بلاغت | حسبِ موقعہ گفتگو کرنا بلاغت ہے۔ جیسا موقعہ ہو ویسی ہی عبارت ہو جسکے لفظوں سے اصل مطلب بے کم و کاست ادا ہو سکے۔ اس لئے انتہائے فصاحت بلاغت ہے۔ بعض کے نزدیک علمِ معانی علمِ بیان۔ اور علمِ بدیع کا نام بلاغت ہے۔ مگر دُور از قیاس مضمون کو بلیغ کہنا جہالت ہے۔

سادگی | سادگی سے یہ مراد ہے کہ جو مضمون شعر میں ادا کیا جائے وہ بلا تکلف سمجھ میں آجائے۔ اس کے لئے جملوں کی اصلی نحوی ترتیب قائم رکھی جائے یعنی بحر و قافیہ کی ضرورت سے اجزائے کلام اپنی مقررہ جگہوں سے زیادہ نہ ہٹنے پائیں۔ اجزائے مضمون کا کوئی ضروری جزو نہ چھوڑ دیا جائے جسکی وجہ سے خلوُرہ جائے۔ اہلِ زبان کے روزمرّے کا پورا خیال رکھا جائے۔ وہ کلام سادہ ہے جسے عام و خاص دونوں بلا تکلف سمجھ سکیں عوام شعر کا ظاہری اور سرسری مطلب سمجھ لیں تو خواص کی نظر میں اُسکے لطائف و دقایق اور نکات بھی آجائیں۔ سادگی کلام کی بہت بڑی خوبی ہے۔

جملوں کے اجزا کی ترکیب و ترتیب | یہ شعر کی خوبی کا بڑا ضروری جزو ہے۔ ہر زبان میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی ایک علیحدہ خاص ترتیب ہوتی ہے۔ اُسی ترتیب سے اجزا کلام میں آتے ہیں تو مضمون میں گنجلک پیدا نہیں ہوتی اور مطلب بے تکلف سمجھ میں آجاتا ہے جب یہ اجزا اپنی اصلی جگہوں سے بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں تو معانی میں پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شعر میں وزن۔ بحر۔ اور قافیہ کی ضرورت سے اصلی نحوی ترکیب قائم نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ جہانتک ممکن ہو سکے کُل کے سارے جُزوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے۔ جس قدر یہ وصف شاعر کے کلام میں زیادہ ہوگا اُسی قدر سلاست اور روانی پیدا ہو کر شعر کی تاثیر کو بڑھائینگی

مُبالغہ | بعض آئمۂ فن نے کِذب اور مبالغے کو شاعری کا حُسن قرار دیا ہے لیکن زیادہ تر اہلِ سُخن اس کے خلاف ہیں۔ مبالغے میں کوئی لطف پیدا ہوتا ہے۔ تو تخیل ہی کی بنا پر ہوتا ہے لیکن نہ صرف اِس لئے کہ وہ جھُوٹ ہے بعض مبالغوں میں تخیل کے عوض کوئی اور بھی حُسن ہوتا ہے۔

واقعیت | کلام میں واقعیت بھی ایسی ضروری چیز ہے کہ بلاغت کے بہت سے اسالیب میں صرف اِسی کی وجہ سے حُسن اور اثر پیدا ہوتا ہے تخیّل کے لئے بظاہر واقعیت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن حقیقت میں تخیّل بھی اُسی وقت پُرلُطف اور پُراثر ہوتی ہے جب اُسکی تہ میں اصلیت ہوتی ہے۔ ورنہ وہ مضمون خیالی طوطا مینا بنانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

تاثیر | مُحاکات لطیف تخیّل۔ الفاظ کی شُستگی۔ بندش کی چستی۔ ترکیب کی دُرستی مضمون کی دلنشینی۔ جدّت اور لُطفِ ادا۔ بچوں کے پیار۔ ماں کی ممتا۔ محبت کے جوش حُسن کے نظارے عشق کے راز و نیاز غم کے ہنگامے۔ موت کے رنج۔ ولادت کی خوشی۔ بہادری کے کارنامے۔ سلاست۔ ہم آہنگی اور موسیقیت سے شعر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اور اِن سب پر طرزِ ادا میں تیکھا پن اُسکے جذب کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ مصرع۔

"پھر بھی تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا"

شاعری کا مصرف | شاعری ایک ذوقی اور جذباتی چیز ہے۔ اور عالَمِ احساسات میں اگر کوئی سب سے ممتاز کار فرما ہے تو یہی ہے عملی دُنیا کا اصلی فلسفہ خودغرضی ہے۔ والدین کی اطاعت۔ اولاد کی غور و پرداخت۔ دُوسروں کے ساتھ سُلوک کا برتاؤ۔ یہ جملہ اُمور معاوضے کے اُصول پر مبنی ہیں۔ اِس فلسفے سے عمل کی قوت تو بڑھ جاتی ہے۔ تجارت کو ترقی۔ کاروبار میں وسعت۔ دولت کی بُہتات ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی لطیف جذبات اور نازک احساسات فنا ہو جاتے ہیں۔ دل مُردہ ہو جاتا ہے انسانی زندگی حیوانی زندگی بن جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی چہل پہل۔ رنگینی اور دلآویزی کچھ سائنس اور فلسفہ کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ انسانی جذبات کی بدولت ہے جس وقت خودغرضانہ زندگی بسر کرنے سے یہ جذبات دب جاتے ہیں تو شاعری اِنکو اُبھارتی ہے۔ اور پژمردہ دلوں کو کنول کی طرح کِھلا کر ہرا کر دیتی ہے۔

اَقسامِ شاعری | شاعری کی کئی قسمیں ہیں۔ اخلاقی شاعری۔ تاریخی شاعری۔ نیچرل شاعری۔ رزمیہ شاعری۔ فلسفیانہ شاعری۔ صوفیانہ شاعری۔ اور عاشقانہ شاعری۔ مگر عاشقانہ شاعری کا رواج عرب فارس ہندوستان ہی میں نہیں اور مُلکوں میں بھی زیادہ رہا ہے۔ اِسکی وجہ یہی ہے کہ خوف۔ حیرت۔ تعجب۔ غضب۔ اَنانیت۔ ہمدردی۔ حسد۔ بہادری۔ نفرت۔ وغیرہ کے جذبات کے مقابلے میں عشق و محبّت کے جذبے ہی اپنی اثرانگیزی اور دلآویزی کے باعث انسانی طبایع کو بہ دل مرغوب ہُوئے ہیں۔

عاشقانہ شاعری مُخرّبِ اخلاق نہیں | مگر[1] سخت افسوس ہے شعر و سُخن کی تاثیر اور خوبیوں کی ناواقفیت کے سبب

[1] یہ پیراگراف حضرت قہر کے ایک مطبوعہ مضمون سے لیا گیا ہے۔

نئی روشنی میں زندگی بسر کرنے والوں نے شاعری کو ایک بیکار چیز سمجھ کر آجکل طرزِ معاشرت کی ضروریات ہی سے خارج کر دیا ہے۔ اور عاشقانہ شاعری کو تو محض حُسن و عشق کی داستان تصور کر کے مُخرّبِ اخلاق ٹھہرا دیا ہے۔ غالباً یہہ خیال مادّی ترقی کے اُصول پر مبنی ہے جسکو روحانی ترقی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ حقیقت میں مادّی اور روحانی دونوں طرح کی ترقیوں کے بغیر انسانی ترقی کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ انسان میں رُوح اور مادّہ دونوں موجود ہیں جس طرح مادّی ترقی سائنس کے اُصول پر منحصر ہے۔ اِسی طرح روحانی ترقی استغراق تمثیل، مشاہدۂ مناظرِ قدرت۔ اور فنونِ نفیسہ کی قدردانی پر موقوف ہے موسیقی اور مصوری کی طرح شاعری بھی ایک نفیس فن ہے۔ بلکہ اِس کا رُتبہ اُن دونوں سے برتر ہے۔ شاعر کی طبیعت قدرتی مناظر کے جذبات اور خیالات کا خزانہ ہوتی ہے۔ وہ اُنکی تصویریں اپنے جادُو کار قلم سے کھینچتا ہے جنکو دیکھ کر دُوسروں کے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں۔ اور دلی جذبات کے جوش میں آنے سے رُوح کو ترقی ہوتی ہے۔ پس انسانی ترقی کے لئے شاعری بھی ایک ضروری چیز ہے۔ عالمِ موجودات کی ہر شے میں حُسنِ قدرت جلوہ گر ہے۔ انسانی حُسن بھی قدرتی حُسن ہے جُسنِ قدرت کے مشاہدے سے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں انسان مخلوقِ اشرف ہے اِسکے حُسن و عشق کے جذبات بھی برتر ہیں۔ برتر جذبات کے برانگیختہ ہونے سے رُوح کا اوجاج متصور ہے اِس لئے عاشقانہ شاعری اِنسانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ مُخرّبِ اخلاق نہیں۔ اب رہا یہہ امر کہ انسانی حُسن و عشق کے نظّاروں سے سِفلی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں یا عُلوی۔ یہہ زیادہ تر سامع یا ناظر کی دلی تربیت پر منحصر ہے اُس کے خیالات ادنیٰ ہونگے تو ادنیٰ جذبات جوش میں آئیں گے۔ اور اعلیٰ ہونگے تو اعلیٰ جذبات برانگیختہ ہونگے۔ اِس لئے عاشقانہ شاعری ہر انسان کے دل پر یکساں اثر نہ ڈالے مگر کسی حُسن و عشق کے شاعر کا مفہوم انسانی فطرت کا حیوانی حصہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

اصنافِ شاعری شاہجہانی عہد میں اُردو ہندوستان کی زبان قرار پائی تو اور زبانوں کی طرح اس میں بھی شاعری نے جنم لیا۔ فارسی زبان کی تقلید میں فرد۔ بیت۔ رُباعی۔ قطعہ۔ تشبیب۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مثلث۔ مخمّس۔ مسدس۔ ترجیع بند۔ ترکیب بند۔ مُسمّط۔ مستزاد۔ اور غزل وغیرہ اسکے اصناف قرار پائے۔ غزل عاشقانہ شاعری کی صِنف ہے۔ اِس لئے غزل ہی کا بہت رواج ہوا اور دَور بہ دَور سُخنوروں کی غزلوں کے مجموعے دیوان کی صورت میں شائع ہوتے رہے۔

دیوانِ شعاعِ مہر ہم بھی اِس مقدمۂ شعر و شاعری کے ساتھ اپنے عزیز دوست جانشینِ فصیح المُلک حضرتِ

داغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ و ممبر خصوصی و تنقیدی انجمنِ خاصانِ ادب لکھنؤ عمدۃ الشعرا ناشر الملک افضل الشعرا پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر تخلص کا دیوانِ شعاعِ مہر ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔ نکتہ رس و سخن سنج حضرات اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اور پروفیسر صاحب نے فطری ذہانت۔ طبع سلیم۔ فنی دستگاہ اور علمی قابلیت کی بدولت اپنے کلامِ فصاحت التیام میں جس حد تک مندرجۂ بالا امور کا لحاظ رکھا ہے اور اپنے اُستاد کے مقبولِ انام رنگ اور طرزِ غزل سرائی کا تتبع کیا ہے اُس پر آپ کو مبارکباد دیں۔

ولادت۔ مزاج۔ تندرستی | حضرتِ مہر کے والد بزرگوار ابتدا ریاست گوالیار کے مشہور ضلع بُھل گڈھ میں ملازم ہوئے وہاں ۱۸۶۸ء میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ آپ ایک پاک طینت۔ نیک سیرت۔ منکسر مزاج۔ طباع۔ خوش خُلق۔ ذی مروّت۔ مرنجاں مرنج۔ پابندِ وضع۔ غیور۔ محتاط۔ بظاہر متین مگر زندہ دل بزرگ ہیں۔ اپنے اُستادِ مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے ہیں کہ فدائی کا رُتبہ حاصل ہے۔ بزرگوں کا ادب اور اہلِ فن کی قدر کرتے ہیں۔ آپ کا مسلک صُلحِ کُل ہے۔ تعصب و کینہ پروری سے مبرّا ہیں۔ ہر مذہب و ہر ملت کے لوگوں سے آپکا میل جول ہے۔ خصوصاً اہلِ اسلام سے آپکے دوستانہ مراسم ہیں۔ اپنے اُستاد بھائیوں اور دیگر قابل سخنوروں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ فنُونِ نفیسہ سے خاص ذوق رکھتے ہیں۔ نغمہ و سرود کے دلدادہ ہیں۔ قناعت۔ توکّل۔ سیر چشمی کے ساتھ امن چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایّامِ شباب میں آپکو جسمانی ورزش کا بہت شوق تھا۔ وجیہ اور تنومند تھے۔ اب عرصے سے نزلہ اور ریاحِ باشورہ کی شکایتیں رہتی ہیں۔ گو ان امراض کا ازالہ مزمن ہو جانے کے باعث قریب قریب دشوار ہو گیا ہے پھر بھی عمر کے لحاظ سے بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی صحت و تندرستی خاصی ہے۔

خاندانی حالات | آپ قوم چھتری فرقۂ کایستھ سکسینا دُوسرے کے ایک معزز رکن ہیں۔ قومی لقب ورما اور خاندانی سِٹھولے ہے جو ایک موضع سٹھولی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا نسبی سلسلہ رائے پراگ داس صاحب دہلوی دیوان بیوتات محمد شاہ بادشاہ غازی تک پہونچتا ہے۔ دلی بگڑی تو اس خاندان کے لوگ ضلعِ ایٹہ کے قصبۂ سہاور میں آکر آباد ہوئے اور وہاں کے خوش باش کہلائے۔ زاں بعد سرکار بدایوں کی چودھرات قانونگوئی اور زمینداری کے سلسلے میں آپکے بزرگ قصبۂ سہسوان کے پورۂ اکبر آباد محلہ رانی ستی میں سکونت گزیں ہوئے اور وہیں رہ پڑے۔

رائے پراگ داس صاحب کے چھ فرزند تھے۔ اِن میں گردھر لال اور جگناتھ نے کوئی اولاد اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ باقی چار یعنی چھوٹا من۔ ہنس راج۔ بلرام۔ اور بھوجراج تقریباً دو سو نفوس کے مورثِ اعلیٰ

ہوئے حضرتِ قہر کے جدِ امجد منشی ہُلاس رائے بن ہر سکھ رائے بن بھوپت رائے بن چوڑامن ابن لے پراگ داس دہلوی ۱۸۵۷ء کے غدر میں قصبۂ سہسوان ضلع بدایوں میں سکونت رکھتے تھے۔ اُس وقت وہاں قریب سوا ڈیڑھ سو کے اِس خاندان کے لوگ اپنے مختلف مقاماتِ ملازمت سے آ آ کر جمع ہوئے تھے آپکے دادا منشی چُنی لال صاحب بھی جو اُس وقت پنجاب گورمنٹ کی ملازمت میں بمقام سیالکوٹ تھے سہسوان آگئے تھے۔ اُنھیں ایام میں آپکے والد بزرگوار منشی کنہیا لال صاحب کی شادی بانس بریلی کے ایک قابلِ فخر خاندان کے معزز رکن منشی چھبّے لال صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپکے دادا چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی بُلاقی داس صاحب لکھنؤ میں سلطانِ عالم حضرت واجد علی شاہ جنت آرامگاہ کی سرکار میں ملکۂ مُخدرہ نواب خاص محل صاحبہ کے دیوان تھے۔ اُنسے چھوٹے دو بھائی منشی بھجن لال اور منشی پربھو لال گورمنٹ انگلشیہ میں تحصیلداری کے عہدوں پر ممتاز تھے

آپ اولاد کی جانب سے بھی خوش نصیب ہیں۔ آپکے چھ فرزند۔ ایک صاحبزادی پانچ پوتے چار پوتیاں ہیں۔

آپکی شادیاں دو ہوئیں پہلی شادی سہسوان کے ایک اعلیٰ خاندان میں اُونچے دروازے والوں کے یہاں ہوئی تھی۔ آپکے خُسر منشی ریوتی سہائے صاحب نواب صاحب والیِ ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے اور وہیں پیوندِ زمیں ہوئے۔ اُنکے خاندان میں ایک صاحب وہبیؔ تخلص فارسی کے قادر الکلام شاعر ہو گزرے ہیں۔

پہلی بیوی مرحومہ سے تین فرزند یادگار ہیں۔ خلفِ اکبر بابو رام سُروپ ورما عرف رام ورما سٹھولے انگریزی زبان میں نہایت اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتے ہیں دوسری آٹھویں پنجابی رجمنٹ میں جو آجکل جہلم ملک پنجاب میں مقیم ہے عہدۂ جمعداری پر بمشاہرۂ دو سو روپیہ ماہوار کمیشنڈ آفیسر ہیں۔ دوسرے صاحبزادے بابو بھگوان سُروپ ورما سٹھولے انگریزی میں عالمانہ قابلیت کے علاوہ مشہور مضمون نگار بھی ہیں اور شملہ پر ملیٹری سکریٹریٹ میں کوارٹر ماسٹر جنرل برانچ کے چار سو روپیہ ماہوار پر سُپرنٹنڈنٹ ہیں تیسرے فرزند بابو گوبند سُروپ ورما سٹھولے عرف منوہر سہائے (بی۔ اے۔ ایچ۔ پی) ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل۔ لاہور میں جرنلسٹ ہیں۔ ڈیڑھ سو ۱۵۰ روپیہ ماہوار آمدنی ہے۔ فارسی میں منشی فاضل اور اُردو کے گرانقدر شاعر ہیں۔ انورؔ تخلص کرتے ہیں۔

دُوسری بیوی بھی سہسوان ہی کے ایک معزز خاندان جوہری کے رُکن منشی برج لال صاحب مرحوم کی بیٹی ہیں۔ اِن کے بطن سے ایک صاحبزادی اور تین فرزند ہیں صاحبزادی چودھری سچدانند سہائے صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ لکھنؤ۔ زمیندار گڈھی مرگانواں ضلع فرخ آباد کو منسوب ہیں جو لکھنؤ میں وکالت سے خوش گزراں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بڑے صاحبزادے بابو بدری پرشاد ورما سٹھولے نے

یونیورسٹی کالج لکھنؤ سے۔ بی کام پاس کیا اور گوالیار گورمنٹ میں فائنانس ممبر صاحب کے خاص دفتر میں ملازم ہیں۔ منجھلے فرزند بابو جگناتھ پرشاد ورماسٹھولے محکمۂ تعلیم گوالیار میں ملازم ہیں اور بی۔اے۔ ڈگری کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اور سب سے چھوٹے لختِ جگر بابو سُورج پرشاد ورماسٹھولے ابھی نوعمر ہیں اور میٹرک کلاس کے طالب علم ہیں۔

علمی قابلیت | سات سال کی عمر میں حضرت مہر نے پڑھنا شروع کیا تھا قصبۂ سبل گڈھ میں آپکے مکان کے قریب فرخ آباد کے ایک کہن سال بزرگ منشی حکومت رائے صاحب رہتے تھے۔ فارسی کی چند ابتدائی کتابیں آپنے اُن سے پڑھیں۔ کچھ کتابیں ایک مُعلّم مُلّاجی سے اپنے ہی مکان پر پڑھیں۔ بعد کو قاضی ہدایت اللہ صاحب سے جو وہاں قلعے پر فارسی عربی کے متبحر عالم تھے اہلِ ایران اور مستشرقین کی جملہ کُتب متداولہ نظم ونثر کا درس لیا۔ زمانۂ قیامِ سہسوان میں مولوی طاہر بیگ صاحب سہسوانی اور مولوی عنایت اللہ صاحب بدایونی سے فارسی ادب کی اکثر کتب کا مطالعہ کیا۔ اپنی ننہال بانس بریلی میں بھی جہاں آپ کی جان سے عزیز چھوٹے بھائی بابو راج کنوار ورماسٹھولے نے دس برس کی عمر میں بعارضۂ ہیضہ انتقال کیا شہر کے اکثر مشہور مُعلّموں اور مولویوں سے چند فارسی کی درسی اور بعض عربی کی ابتدائی کتابوں کا درس لیا۔

۱۸۸۵ء میں ریاست گوالیار میں محکمۂ ڈاک کا انتظام انگریزی اصول پر ہوا اور بابو جے نارائن سنگھ ورما مرحوم جو منشی ہرگوپال صاحب تفتہ کے خاندان سے تھے پوسٹماسٹر مقرر ہو کر سبل گڈھ آئے۔ اُنکی صحبت میں آپ کو انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہُوا۔ پہلے کچھ دنوں چند انگریزی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ پھر بابو صاحب مذکور کے ساتھ آگرے جاکر آگرہ کالج میں داخلے کی کوشش کی۔ مگر طلبہ کی کثرت کے باعث بورڈنگ ہاؤس میں جگہ نہ ملنے پر آپ بانس بریلی چلے گئے اور وہاں کے کالج سے الہ آباد یونیورسٹی کے انٹرینس کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ فرسٹ آرٹ کے لئے کالج مذکور میں تعلیم پا رہے تھے کہ دردِ شقیقہ میں مبتلا ہو گئے اور سول سرجن بریلی کے مشورے کے موافق باخاطرِ ناخواستہ آپکو کالج چھوڑ دینا پڑا۔

انگریزی زبان میں فنِ تقریر حاصل کرنے کا آپکو بہت شوق تھا۔ صدہا انگریزی کتابیں پڑھیں۔ کاملِ فن مقرروں کی تقریریں سُنیں۔ خود بھی تقریر کرنے اور اُس میں امتیازی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر قدرتی طور پر طبیعت اِس فن کے مناسب نہ دیکھکر مادری زبان اُردو کی تکمیل کی جانب متوجہ ہو گئے اور قلم ہاتھ میں لے لیا۔ ولی گجراتی سے لے کر دَورِ حاضرہ تک کے تمام شعرائے گرانمایہ اور عالیقدر انشاپردازوں مصنفین، مولفین، مترجمین کی پوری پوری تصانیف، تالیفات، وتراجم کا کئی کئی بار بالاستیعاب مطالعہ کیا۔

مدت العمر کی سعیٔ بلیغ اور مشاقی کے بعد آج اُردو کی شاعری اور انشاپردازی میں جو ملکۂ راسخہ آپنے پیدا کرلیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپکی تصانیفِ نظم و نثر اور اسناد سے اُسکا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

سلسلۂ ملازمت آپکے نانا جناب منشی چھبلال صاحب بریلوی بدایوں کے کلکٹر صاحب کے دفتر میں ملازم تھے۔ غدر کے ہنگامے میں بیکار ہوکر اپنے پیرومُرشد پنڈت ہرناتھ صاحب نائب دیوان ریاست گوالیار کے پاس چلے آئے۔ کچھ روز دفترِ حضور دربار گوالیار میں ملازم رہکر ریاست کے اضلاع آگر۔ اور شاجاپور میں مدت تک نائب صوبہ رہے پھر اُجین میں ریاست کی قسمتِ مالوہ کے عہدۂ نائب سرصوبہ پر ممتاز ہوئے۔ اُدھر غدر فرو ہونے کے بعد آپکے دادا منشی چُنی لال صاحب کا سہسوان میں انتقال ہوگیا اور آپ کے والد ماجد منشی کنہیا لال صاحب اپنے خُسر صاحب کی تحریک پر گوالیار آکر ضلع سبل گڈھ میں ملازم ہوئے پھر ضلع شیوپور میں منصرم فوجداری اور پرگنات ڈھوڈر اور بجے پور میں تحصیلدار رہکر پنشن یاب ہوئے وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کرکے شہر لشکر پایۂ تخت گوالیار میں عرصے تک وکیل رہے اور یہیں دسمبر ۱۹۰۸ء میں دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ آپکے تایا منشی متھرا پرشاد صاحب مدت العمر گورنمنٹ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ملازم رہے اور وہیں وفات پائی۔ آپکے چچا منشی مصری لال صاحب نے ضلع سبل گڈھ کی صوبات کی سررشتہ داری سے پنشن پائی۔ ضلع بھنڈ میں اپنے صاحبزادے منشی منموہن لال کے پاس جو آجکل لشکر میں منتظم صاحب جاگیرداران کے دفتر میں ملازم ہیں رہکر راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ حضرتِ مہر ضروری تعلیم سے فارغ ہوکر ۱۳ دسمبر ۱۸۹۲ء کو انگلش مڈل اسکول شہر گوالیار میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے پھر ہائی اسکول چھاؤنی مُرار میں سیکنڈ ماسٹر رہے۔ مدت تک دفتر صاحب انسپکٹر جنرل محکمۂ تعلیم اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گوالیار میں سردفتر رہے۔ تقریباً ۱۱ سال وکٹوریہ ہائی اسکول لشکر میں بمشاہرہ ۱۰۰ روپیہ ماہوار تھرڈ ماسٹر رہکر آجکل سینئر کمشنر گوالیار کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔

فنونِ نفیسہ کا اکتساب فنونِ نفیسہ کا شوق آپ کو بدوِ شعور ہی سے تھا۔ اور شاعری کا مادّہ تو قسامِ ازل نے آپکے آب و گِل ہی میں ودیعت کیا تھا۔ سہسوان کے زمانۂ قیام میں آپنے منشی عبدالعزیز صاحب اعجاز رقم اور چند دیگر خوش قلم خوشنویسوں سے اصلاحیں لے لے کر فنِ خطّاطی میں امتیازی قابلیت بہم پہونچائی نسخ۔ نستعلیق۔ طُغرا۔ ریحاں۔ گلزار۔ ماہی۔ غبار وغیرہ خطوں کی مشق کی۔ چند طرح کے دیوانی اور شکستہ خط سیکھے۔ ہندی کی خوشخطی۔ اور متعدد انگریزی الجدیں سیکھیں مصوری میں تصویرکشی نقش و نگار۔ بیل بوٹے بنانے یاد کئے۔ فنِ موسیقی کا بھی بہت شوق رہا۔ برسوں ستار۔ الغوزہ۔ اور ہارمونیم ہاتھ میں رہے موسیقی کی نظریات کی بہت کتابیں پڑھ ڈالیں مگر عملی طور پر

کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اور فنِ شعر کے اکتساب میں تو کم و بیش تیس[۳۰] سال مصروف و منہمک رہے جسکا نتیجہ یہ آپکا دلفریب اور دلگداز کلام ہے جس سے آپکو نامی معاصرین سخنوروں میں رتبۂ یگانگی حاصل ہے اور سخن شناس آپکی نغز گوئی اور سحر بیانی کے دل سے قائل ہیں۔

فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی سے تلمذ | جب آپکی سولہ سترہ سال کی عُمر تھی اور قصبۂ سبل گڈھ میں قاضی ہدایت اللہ صاحب سے فارسی کی تحصیل جاری تھی آپ کے چچا منشی مصری لال صاحب مولوی محمد عبد الرؤف صاحب اسسٹنٹ فوجداری ضلع کے سررشتہ دار تھے اور منشی ضیاء النبی خاں ضیاؔ شاگردِ حضرتِ داغؔ دہلوی اُنکے دفتر میں ایک اہلکار تھے۔ اُس وقت حضرتِ داغؔ رام پور میں تشریف رکھتے تھے اور موصوف کا پہلا دیوان گلزارِ داغ طبع ہو کر ضیاؔ صاحب کے پاس پہونچا تھا۔ اسسٹنٹ صاحب ممدوح کے دولتکدے پر شب کو کچھ اہلِ ذوق کا مجمع ہو جاتا تھا آپ بھی اپنے چچا صاحب کے ساتھ وہاں جایا کرتے تھے۔ ضیاء النبی خاں صاحب مرحوم شعر ایسا پڑھتے تھے۔ کہ خود شعر کی تصویر بن جاتے تھے۔ ادھر ضیاؔ صاحب کا پڑھنا۔ اُدھر قادرِ سخن جہاں اُستاد حضرتِ داغؔ کا مقناطیسی جذب اور برقی حدّت رکھنے والا کلام۔ دونوں نے ملکر آپکا دل بیچین کر دیا اور آپکی وہبی شاعرانہ طبیعت میں غیر معمولی جوش پیدا کر کے آپکو شعر گوئی کی طرف متوجہ کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں ضیاؔ صاحب سے ربط ضبط بڑھا کر اُنھیں کے سفارشی خط کے ساتھ آپ نے اپنی غزل حضرتِ داغؔ کی خدمت میں رامپور بھیجی اور زانوے تلمذ تہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اُستاد نے غزل اصلاح دے کر واپس کی اور تحریر فرمایا "تمھاری طبیعت رسا ہے۔ میرا رنگِ تغزل قبول کرنے کی تم اچھی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمھارا نام رجسٹر تلامذہ میں لکھ لیا ہے۔ غزل بھیجا کرو۔ دیکھ دیا کرونگا۔" اُسی روز سے سلسلۂ اصلاح جاری ہو گیا۔ قہرؔ تخلص بھی آپ کو اُستادِ داغؔ ہی نے عطا فرمایا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اکثر ارشد تلامیذ اپنا اپنا کلام اصلاح کے لئے اُستادِ داغؔ کے پاس بھیجا کرتے تھے جیسا کہ طوطیِ ہند ثانیٔ داغؔ نواب ابو المعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی نے اپنی قابل قدر رائے میں جو حضرتِ قہرؔ کے مطبوعہ ناول "سفید جوگن" پر درج ہے تحریر فرمایا ہے۔

"میرے خواجہ تاش سفید جوگن کے مصنف و فیض نراین پرشاد ورما قہرؔ ایک شیریں کلام مقبول الانشاد سخنور ہیں اور مسلّم الثبوت طرزِ بیان۔ دلاویز معاملہ نگاری۔ اور سخن طرازی میں بلبلِ ہندوستان۔ جہاں اُستاد۔ دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک نواب میرزا خاں داغؔ دہلوی مرحوم کے جادہ کے صحیح رہرو ہیں رجسٹر تلامذۂ داغؔ میں اِنکا نام بیخودؔ دہلوی۔ حسنؔ بریلوی۔ نوحؔ ناروی۔ نسیمؔ بھرتپوری۔ شوکتؔ مرادآبادی۔ آشکؔ جلیسری۔ فیروزؔ خورجوی۔ محمودؔ رامپوری۔

احسن مارہروی ، تسا سکندر آبادی ۔ وغیرہم کے پہلوؤں میں لکھا ہے ۔ اور استاد مرحوم بھی ان پر نظرِ عنایت رکھتے تھے"۔

ہندوستان کے عظیم الشان مُشاعروں میں شرکت آپکی قابلِ حیرت دبانداتی ۔ زبان کی سلاست بیان کی خوبی خوشگوئی اور وسیع معلومات فرطِ شہرت سے محتاجِ بیان نہیں ۔ دَورِ حاضرہ کے تمام مقتدر اور باکمال اہلِ سُخن آپ سے بخوبی واقف ہیں ۔ اور آپکے کلام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ دہلی ۔ لکھنؤ ۔ بنارس ۔ مُراد آباد ۔ میرٹھ ۔ باغپت ۔ بریلی ۔ شاہجہاں پُور ۔ الہ آباد ۔ مین پوری ۔ فرخ آباد ۔ سندیلہ ۔ نارہ ۔ ہاپوڑ ۔ پیلی بھیت ۔ بدایوں ۔ کانپور ۔ غازی آباد ۔ گورکھپور ۔ لاہور ۔ آگرہ ۔ بنگلور ۔ پٹنہ ۔ عظیم آباد ۔ مارہرہ ۔ ہردوئی ۔ رام پُور ۔ بھوپال ۔ ٹونک ۔ فتح گڈھ ۔ بجنور ۔ جھانسی ۔ رُڑکی ۔ دہرہ دُون ۔ وغیرہ مقامات سے اکثر و بیشتر آپکو عظیم الشان مُشاعروں میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی اور بہت سے مقامات پر آپنے شریکِ مشاعرہ ہوکر بیحد دادِ سخن حاصل کی ۔ فرداً ۔ فرداً ہر مشاعرے کی شرکت کے حالات کا درج کرنا طوالت سمجھکر یہاں صرف دو چار ہی مُشاعروں کی شرکت کا حال ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء میں عالیجناب خاں بہادر سید التفات رُسول خاں صاحب ہاشمی مرحوم مغفور تعلقہ دار جلال پور اور آنریری منصف و مجسٹریٹ سندیلہ نبیرہ وجانشین حضرتِ واسطی مرحوم نے دو مرتبہ آپ کو عُرس شریف مولانا واسطی نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق عظیم الشان مُشاعروں میں بڑے اصرار سے سندیلے بُلایا ۔ یہ وہ مشاعرے تھے جن میں خاں صاحب مرحوم ہزاروں رُپئے صرف کیا کرتے تھے ۔ طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی ۔ حضرتِ ابر رامپوری ۔ حضراتِ احسن مارہروی و لکھنوی ۔ حضرتِ نوح ناروی ۔ حضرتِ اکبر الہ آبادی ۔ مولانا رضا فرنگی محلی ۔ مولانا تجوید موہانی ۔ حضرتِ باغ سنبھلی ۔ نواب بہادر حسین خان انجم نیشاپوری ۔ حضرتِ آرزو لکھنوی ۔ حضرتِ احسان شاہجہانپوری ۔ حضرتِ بہار لکھنوی ۔ حضرتِ دل شاہجہانپوری ۔ نواب ناظم علیخاں ہجر شاہجہانپوری ۔ بیگم حجاب شاہجہانپوری ۔ حضرتِ جادو رامپوری ۔ حضرتِ دلیر مارہروی ۔ حضرتِ صفدر مرزاپوری ۔ حضرتِ طیش شاعرِ دربارِ رامپور ۔ حضرتِ فہیم گورکھپوری ۔ حضرتِ قمر تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی ۔ حضرتِ قرار شاہجہانپوری ۔ حضرتِ وحشی شاہجہانپوری ۔ حضرتِ یاس عظیم آبادی عرف میرزا یگانہ لکھنوی ۔ جناب نواب اُمراؤ بہادر والیِ رئیس باندہ ۔ جناب راجہ درگا پرشاد صاحب قہر رئیسِ اعظم سندیلہ ۔ عالیجناب صاحبزادہ محمد مصطفےٰ علی خاں بہادر برادر ہز ہائی نس نواب صاحب رام پُور ۔ حضرتِ شوق یادگارِ حضرتِ مومن دہلوی ۔ نواب چھُٹّن صاحب تو قیر جیسے سیکڑوں مشاہیرِ اہلِ فن و شُعرائے باکمال شریک ہوتے تھے ۔ اور دو ۔ دو ۔ تین تین دن تک شبانہ روز صحبتِ مُشاعرہ گرم رہتی تھی ۔ ایسے مشاعروں میں جہاں غزل کا پڑھ دینا بھی ایک کام ہوتا تھا آپنے دہلی ۔ لکھنؤ کے بلند پایہ شعرا سے ہر ہر

شعر پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرا دیئے تھے سنہ ۱۹۱۴ء کے مُشاعرے میں جب آپنے یہہ شعر پڑھا تھا۔ ؎

جب نکلتی ہے زمانے میں کسی کی آرزو
پُوچھ لیتے ہیں وہ یہہ ارمان کس کے دل کا ہے؟

تو تقریباً دو ہزار زبانوں سے صدائے احسنت و مرحبا بلند ہُوئی تھی مُشاعرے میں وہ شور مچا تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ اور یہہ شعر کوئی بیس مرتبہ پڑھوایا گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے آپنے یہہ غزل ہی اپنے دیوان "شُعاعِ قہر" میں صرف اِس بنا پر نہیں رکھی کہ اِسکی ردیف "کا ہے" میں حرف الف کا دبنا غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اللہ اللہ آپ نے کیسے سُدھے کان پائے ہیں۔ اور کلام میں فصاحت کا کس درجے اہتمام و التزام ہے۔ تاہم یہاں ہم وہ غزل بطور ہدیہ نقل کئے دیتے ہیں۔

غزل

دم لبوں پر زخمِ تیغِ ناز سے بسمل کا ہے
موت کی ہچکی نہیں ہے شُکر اُس قاتل کا ہے

رشک کے قابل تڑپنا بھی اِسی بسمل کا ہے
بن گئے ہیں وہ تماشائی۔ تماشا دل کا ہے

میرے گھبرانے پہ کیوں ہنستے ہیں یارب اہلِ حشر
یہہ تو دیکھیں سامنا بھی کونسے قاتل کا ہے

جب نکلتی ہے زمانے میں کسی کی آرزو
پُوچھ لیتے ہیں وہ یہ ارمان کس کے دل کا ہے

کوئی خنجر پر فدا ہے۔ کوئی ناوک پر نثار
کس قدر چمکا ہُوا بازار اُس قاتل کا ہے

مجکو اُنکے وصل کی دُھن۔ اُنکو وصلِ غیر کی
ایک میرے دل کا ارماں۔ ایک اُنکے دل کا ہے

کوئی آرے۔ کوئی جائے۔ پُوچھ گچھ کچھ بھی نہیں
تیری محفل میں قرینہ کونسا محفل کا ہے

نامہ بر تجکو بتاؤں اور کیا اُنکا پتا
پانو گڑ جائیں جہاں کوچہ وُہی قاتل کا ہے

جھیلتے ہیں کس طرح راہِ عدم کی سختیاں
کاٹنا ہمکو تو مشکل پہلی ہی منزل کا ہے

ہے گرہ بندِ قبا کی۔ زلفِ پیچاں کی گرہ
کھولنا مشکل بہت اِس عقدۂ مشکل کا ہے

کون ہے اے قہر فرقت میں شریکِ رنج و غم
کیا کہیں کس سے کہیں۔ جو حال اپنے دل کا ہے

اپریل سنہ ۱۹۱۷ء میں قصبۂ ہاپوڑ میں ایک عظیم الشان جنرل مُشاعرہ منعقد ہُوا یہہ اپنی قدامت، خوش انتظامی، استقامت، اور مشاہیرِ روزگار کے اجتماع کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں ایک بے نظیر مُشاعرہ تسلیم کیا گیا تھا رؤساے قصبہ کے دستِ کرم نے زرفشانی کی۔ چودھری لچھمی نارائن سنگھ رئیس و آنریری مجسٹریٹ خان بہادر

سید مہربان علی آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ دیبی سہائے آنریری مجسٹریٹ۔ چودھری گنگا سہائے میونسپل کمشنر۔ لالہ ننھے لال ساہو و بنیکر۔ لالہ دُھر دیر شاد رئیس۔ منشی نجم الدین بی۔ اے صاحب۔ چودھری رگھبیر نارائن سنگھ رئیس آسوڑہ۔ آنریبل لالہ مدھ سُودن دیال۔ اور نواب امیر اللہ خاں سرپرست مشاعرہ تھے۔ جناب حکیم ابوالمحاسن شفیق حیدرآبادی سکریٹری تھے۔ حضرتِ قہر کو اِس مشاعرے میں دعوتِ سخن دے کر بہ اصرارِ تمام بلایا گیا تھا۔ اور لالہ دُھر دیر شاد صاحب رئیس ہاپوڑ کے عالیشان آراستہ کمرے میں جو مُشاعرے کے بالکل قریب تھا ٹھہرایا گیا تھا۔ اِس مُشاعرے میں کوئی دوسوا دوسو کے قریب بیرونی شُعرا شریک ہوئے تھے۔ مشاہیر شُعرا میں طوطیٔ ہند حضرتِ بیسمل دہلوی۔ حضرتِ آبر رامپوری۔ حضرتِ جادُو رامپوری۔ حضرتِ ندرت میرٹھی۔ حضرتِ نوح ناروی۔ حضرت یاس عظیم آبادی۔ حضرتِ بیخود موہانی۔ ناظم الملک حضرتِ اطہر ہاپوڑی۔ ممتاز الشعرا حضرتِ عطا بدایونی۔ حضرتِ باغ سنبھلی۔ حضرتِ بزم اکبرآبادی۔ حضرتِ خیال رامپوری۔ اور حضرات۔ رونق۔ شیدا۔ ساحر۔ قمر قیصری۔ خلیق۔ خلیل۔ نیر۔ ادیب۔ شمس۔ حمید۔ فدا۔ حُسن۔ محو۔ ناظم۔ ازل۔ وغیرہم رونق افروز ہوئے تھے۔ ع۔ "قیامت ہے وہ بن ٹھن کر محشر نکلتے ہیں"۔ طرحِ مُشاعرہ تھی۔ آپنے غزل پڑھی اور خوب خوب دادِ سخن پائی۔ اِس مُشاعرے میں حضرتِ آبر تلمیذِ خاص حضرتِ امیر مینائی لکھنوی و سررشتہ دار دربار رام پور آپ سے بہ کمالِ اشتیاق خاص طور پر ملے اور کلام سُنانے کی فرمایش کی۔ جب آپنے یہہ مطلع پڑھا ؎

	اللہ رے بیخودی دلِ آشفتہ حال کی		تدبیر پوچھتا ہُوں عُدُو سے وصال کی	

تو بیحد داد دی اور مطلع بیاض میں نقل کر لیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں عالیجناب صلاح الدین احمد صاحب عرف صلّن میاں۔ رئیسِ اعظم و تعلقہ دار نوادہ بدایوں نے اپنی عالیشان کوٹھی واقع نوادہ میں ایک نہایت اعلیٰ پیمانے پر مُشاعرہ کیا۔ باہر سے سیکڑوں مشاہیر شُعرا شریک ہُوئے۔ بدایوں سلف سے اہلِ ادب کا مقام ہے۔ شہر کے بھی بہت شعرا موجود تھے۔ اِس مُشاعرے کی شرکت کے لئے رئیس صاحب نے آپکو بڑی آرزو کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ آپکے ساتھ لشکر سے آپکے طالبِ علم ریاض صاحب جیوری بھی گئے تھے۔ کوٹھی کے سامنے بہت بڑے میدان میں شُعرا کے لئے خیمے استادہ کئے گئے تھے۔ ممتاز الشُعرا حضرتِ عطا بدایونی سکریٹری مُشاعرہ تھے۔ حضرت قمر بدایونی جو حضرتِ راسخ دہلوی مرحوم کی زندہ یادگار ہیں۔ اور آج بدایوں میں سب سے برتر۔ بے مثل خوشگو۔ کہنہ مشق اور اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں آپ سے بیحد مانوس ہو گئے تھے۔ ہر وقت آپکے پاس موجود رہتے تھے۔ آپکو بھی اُن کا سُلجھا ہوا پُر اثر کلام سُنکر اُن سے

بڑی محبت ہو گئی تھی۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ "فی زمانہ بدایوں میں قمر صاحب کا کلام دلّی کے اندازِ غزل سرائی کا نمونہ ہے"۔ اس مشاعرے میں بڑے بڑے قادر الکلام شعرا شریک ہوئے تھے۔ دو روز میں مشاعرہ ختم ہوا تھا۔ خوب خوب غزلیں پڑھی گئی تھیں۔ دوسری شب کو جب آپکا نمبر آیا تو وہیں طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی۔ حضرتِ احسن مارہروی۔ حضرتِ دلّبر۔ حضرتِ قمر۔ حضرتِ طپش۔ حضرتِ حافظ پیلی بھیتی۔ حضرتِ حیرت بدایونی۔ حضرتِ عطا۔ حضرتِ زلالی۔ حضرتِ امیر بدایونی۔ حضرتِ جامی۔ حضرتِ خلیل حتیٰ کہ عالیجناب صلّن میاں صاحب بھی ممبر کے قریب ہو بیٹھے۔ جب آپنے یہ شعر پڑھا۔ ے

وہ مراسم بھی تمھیں یاد ہیں یا بھول گئے	کبھی پہاں مجھے کرنا کبھی پہاں ہونا

تو حضرتِ سائل دہلوی نے فرمایا "میں مانونگا یہ شعر آپنے حضرتِ داغ کے دیوان سے چرالیا ہے"۔ اور جب یہ شعر پڑھے ے

میں پشیمان ہوا اُسکی پشیمانی سے	مجھ سے دیکھا نہ گیا اُسکا پشیماں ہونا
کسی صورت سے نظر دشت کی صورت آئے	اپنے گھر کا مجھے منظور ہے ویراں ہونا

تو ہر سمت سے "سبحان اللہ"، "مرحبا"، "صلِّ علیٰ" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مشاعرہ دیر تک گونجتا رہا۔ اور ایک ایک شعر کئی کئی مرتبہ پڑھوایا گیا۔

اپریل ۱۹۱۹ء میں آپ نارے کے مشاعرے میں شریک ہوئے۔ یہ عالیشان مشاعرہ آپکے اُستاد بھائی ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعرا جانشین حضرتِ داغ دہلوی حضرتِ نوح ناروی رئیس اعظم و تعلقہ دار نارہ ضلع الٰہ آباد نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں اپنے دولت خانے پر منعقد فرمایا تھا۔ حضرتِ نوح نے بکمالِ محبتِ برادرانہ آپ کو شادی اور مشاعرے کی شرکت کے لئے مدعو کیا تھا۔ لشکر سے آپ کے ہمراہ جناب ریاض۔ جنابِ دریا۔ جنابِ موج۔ جنابِ بحر بھی گئے تھے۔ اس مشاعرے میں بہت سے مشاہیر شعرائے ہند جمع ہوئے تھے۔ حضرتِ نوح نے ہزاروں روپیہ صرف کیا تھا۔ تواضع و آسایشِ شعرا کا انتظام بھی بڑی دریادلی سے کیا تھا۔ ہر شاعر کے لئے مکان الگ۔ خدمتگار الگ۔ لوٹا الگ۔ سیلابچی الگ۔ پلنگ الگ۔ حقہ الگ۔ چار روز تک ہر روز صبح و شام مشاعرے کی دو دو صحبتیں ہوتی تھیں۔ اور داد کی صدائیں ہر وقت چرخِ چارم پر پہونچتی تھیں۔ اس پر بھی جہاں دس پندرہ شاعر جمع ہو جاتے غیر طرح غزلخوانی شروع ہو جاتی تھی۔ اور مرحبا۔ سبحان اللہ کی آوازیں ہوا میں گونجنے لگتی تھیں۔ رات کو ہر روز الٰہ آباد سے ایک نیا بڑھیا طائفہ آتا تھا اور رقص و سرود کی امیرانہ محفل گرم رہتی تھی۔ غرض چار پانچ روز عجب چہل پہل اور دل بستگی رہی۔ ع۔

"خوشی کے وقت اظہارِ خوشی مخلوق کرتی ہے" مصرعِ طرح تھا۔ آپ نے سہرا پیش کیا اور غزل پڑھی۔ ہر طرف سے بیحد دادیں ملیں۔ جب یہہ شعر پڑھا ؎

کھلایا ہے کبھی بادِ صبا نے غنچۂ دل بھی	چمن میں گُل کھلاتی ہو تو وہ کیا گُل کترتی ہے

تو طوطیٔ ہندستانی داغ حضرتِ سائل دہلوی صدر نشین مشاعرہ نے فرمایا کہ "گُل کترنے" کا محاورہ اِس دلآویزی۔ برجستگی خوبی۔ اور تازگی کے ساتھ کسی کے ہاں نہیں بندھا ہے۔ آفریں۔ صد آفریں" ماشاء اللہ بیدا لیا نکھرا ہُوا مشاعرہ تھا جسکی یاد دلوں میں ابتک باقی ہے۔

۱۹۲۰ء میں عالیجناب نواب جمشید علی خانصاحب رئیسِ اعظم و تعلقہ دار باغپت نے اپنے دولت سرا پر ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا تھا۔ شعرا کی خاطر تواضع اور آرام آسایش کا جو انتظام کیا تھا اُسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔ جناب نواب صاحب موصوف خود بہ نفسِ نفیس حضرتِ سائل کے پاس دہلی تشریف لے گئے اور حضرت کے بھانجے منشی مشتاق احمد صاحب مشتاق دہلوی کو حضرتِ قہر کے لانے کے لئے لشکر بھجوایا۔ اُن ایّام میں آپکی والدہ محترمہ کا انتقال ہوچکا تھا اور آپ مرحومہ کے سوگ میں تھے۔ اِس لئے نواب صاحب کے دعوتِ سخن دینے پر اپنی عدم حاضری کی عُذر خواہی کر چکے تھے۔ مگر جب حضرتِ سائل کے فرستادہ مشتاق صاحب آپکے پاس پہونچے تو آپ کو طوعاً و کرہاً باغپت جانا پڑا۔ رسمِ عزاداری سے فارغ ہوکر رات کو غزل کہی اور دوسری شام کو دلی پہونچ گئے۔ نواب سائل آپکے منتظر تھے۔ دُوسرے دن آپ کو لے کر باغپت پہونچے۔ وہاں اعلیٰ طبقے کے جلہ مشاہیر شعرا و سخنگو حضرات جمع تھے۔ دو روز تک بڑی دھوم دھام سے مشاعرہ ہوتا رہا۔ حضرتِ بیخود موہانی کچھ علیل ہوگئے تھے۔ شب کو بزمِ مشاعرہ میں لیٹے لیٹے کلام سُن رہے تھے۔ آپ نے غزل پڑھی تو بے اختیار اُٹھ اُٹھ کر داد دینے لگے! اور اس شعر پر

اگر ہی بعدِ اسیری کہ چرخ سے کیوں ٹوٹکر بجلی	کوئی پر رکھ گیا تھا کیا مرا شاخِ نشیمن پر؟

تو مشاعرہ اُلٹ گیا۔ خاص کر حضرتِ ندرت میرٹھی سکریٹری مشاعرہ اس شعر کو بار بار پڑھواتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ غزل ختم ہوئی تو اکثر مشاہیر شعرا نے کہا "آپکے کلام سے حضرتِ داغ دہلوی کا رنگ ٹپکتا ہے" اُس طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی صدر نشین انجمن نے فرمایا "حضرتِ داغ کے جانشین کیا آپ یونہیں بنائے گئے ہیں!"

دن کو بھی نواب جمشید علی خاں صاحب کے ڈرائینگ رُوم میں خاص خاص شعرا کی صحبتیں ہوتی تھیں ایک صحبت میں آپ حضرتِ راز رامپوری کے قریب کُرسی پر بیٹھے تھے۔ آپ کی غزل ؎

پُوچھ کر اس لئے ہم پر وہ جفا کرتے ہیں	لوگ جانیں کہ یہہ انکا ہی کہا کرتے ہیں

پڑھی گئی تو حضرتِ بیاک شاہجہانپوری نے بزم میں ایستادہ ہوکر فرمایا "آپکے کلام سے جنابِ داغ کے کلام کا رنگ مِن وعن نمایاں ہوتا ہے۔ آپ حضرتِ داغ کے صحیح اور سچے جانشین ہیں"۔

اعزازی خطابات۔ سندیں۔ تمغے۔ اور انعامات | شاہجہانی اُردو کی آپنے مدت العمر خدمت کی ہے اور آپکی علمی قابلیت کی قدردانی میں سرکاری محکمجات۔ ادبی انجمنوں۔ اور مُلک کے نکتہ رس سخن سنجوں نے مختلف موقعوں پر آپ کو حسبِ ذیل اعزازی خطابات۔ اسناد۔ تمغے۔ اور انعامات عطا فرمائے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں بریلی کالج سے الہ آباد یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس اوّل درجے میں پاس کرنے پر بریلی کے رئیسِ اعظم رائے بہادر جناب لے صاحبنے آپ کو ایک چاندی سونے کا تمغہ دیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں بریلی کی ادبی انجمن نہالِ سخن نے جس میں دہلی لکھنؤ کے مشاہیر شعرا شامل تھے آپکو خطاب "افضل الشعرا" دے کر آپکی خوش بیانی اور نغز گوئی کی داد دی۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں دہلی شاہجہان آباد سے طوطیِ ہندستانی داغ۔ دامادِ فصیح الملک نواب میرزا خاں داغ دہلوی و نبیرۂ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیّر رخشاں جاگیردار لوہارو نواب میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نے مُطلّا حاشیوں کے کاغذ پر جانشینی حضرت داغ دہلوی اور خطاب "عمدة الشعرا" کی مُہری دستخطی سند عطا فرمائی۔

۸۔ اگست سنہ ۱۹۱۹ء کے اخبار "آفتاب" لاہور میں جناب ایڈیٹر صاحب "نظارہ" میرٹھ نے مسئلہ جانشینی، حضرتِ داغ پر جو مدت سے معرضِ بحث میں تھا روشنی ڈالکر تلامذہ حضرتِ داغ سے گیارہ حضرات کے نام پیش کئے۔ اور حضرتِ سائل دہلوی کو اِس مسئلے پر توجہ دلا کر طے کردیا کہ "بحیثیتِ دامادی حضرتِ داغ مغفور سائل صاحب اُن میں جن شاگردانِ داغ کو جانشینیِ حضرتِ داغ کی سندیں عنایت فرمائیں گے اُنکو ساری دنیا حضرتِ داغ دہلوی کا صحیح جانشین مانے گی"۔ اِس سے اختلاف کی صدا جب کہیں سے کسی نے بلند نہیں کی تو حضرتِ سائل نے کلام میں حضرتِ داغ کے رنگِ سخن کا لحاظ پیشِ نظر رکھ کر صرف تین ارشد تلامذہ حضرتِ داغ یعنی حضرتِ نوح ناروی حضرتِ باغ سنبھلی۔ اور حضرتِ مہر مصنفِ دیوان ہٰذا کو اسنادِ جانشینیِ داغ دہلوی عطا فرمائیں جو "آفتاب" لاہور میں شایع ہوئیں۔

اِسی سال حضرتِ نوح رئیسِ اعظم و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد نے آپ کو سند "ناثر الملک"، عنایت کی۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں انجمن "خاصانِ ادب" لکھنؤ نے آپ کو انجمنِ مذکور کا خصوصی و تنقیدی ممبر مقرر کرکے ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کے روزانہ اخبار ہمدم لکھنؤ میں اعلان کیا۔

۱۹۲۶ء کے ایجوکیشن ویک کے جلسے میں اُردو نظم پیش کرنے کے صلے میں انتظامی کونسل عالیہ گوالیار گورمنٹ کے ممبر صاحب تعلیم نے محکمۂ تعلیمات گوالیار کی جانب سے آپکو ایک مُہری دستخطی سند درجۂ اعلیٰ عطا فرمائی۔

پھر اسی سال "مادھو جینتی" کے مہتم بالشان موقعے پر اُردو نظم و نثر کے مضامین پیش کرنے کی قدردانی اور صلے میں محکمۂ تعلیمات گوالیار گورمنٹ سے آپکو فرسٹ کلاس تمغۂ نقرئی معہ ایک سند درجۂ اعلیٰ عطا ہُوا۔

۱۹۲۹ء میں ناولِ "سفید جوگن" اور دیوانِ "شعاعِ قہر" کی تصانیف کے صلے میں محکمۂ "سرپرستیِ مصنفین" گوالیار گورمنٹ سے آپ کو چار سو روپیہ نقد انعام ملا۔

۱۹۳۲ء میں محکمۂ سرپرستیِ مصنفین گوالیار گورمنٹ نے ترانۂ قہر۔ زمزمۂ قہر۔ نغمۂ قہر کی تصانیف کے صلے میں آپکو سو روپیہ نقد انعام دیا۔ علاوہ بریں ۱۹۰۴ء میں انجمنِ ترقی اُردو حیدرآباد گورمنٹ نے آپکی کتاب "رہنمایانِ ہند" کا حقِ اشاعت لے کر آپکو مالیت ۲۷۵ معاوضہ دیا تھا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اِن ادبی اعزاز اور عطیوں کے آپ بوجۂ احسن قابل اور مستحق ہیں۔

تصانیف | ہجومِ کارِ سرکار اور خانگی مصروفیتوں سے کبھی آپ کو اِتنا موقع نہیں ملا کہ حسبِ تمنا آپ دیگر مضامین پر بھی کتابیں لکھتے تاہم فرصت کے اوقات میں آپنے جو کچھ تصانیف کی ہیں وہ یہ ہیں:-

رہنمایانِ ہند۔ سب سے پہلے ۱۹۰۴ء میں آپنے ایک انگریزی کتاب "پرافٹس آف انڈیا" کا اُردو میں ترجمہ کرکے "رہنمایانِ ہند" نام رکھا۔ یہ اہلِ ہند کے دینی رہنماؤں کے سوانح زندگی اور اُنکی مذہبی فلسفہ آموز تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اِسے بہ اخذِ حقِ اشاعت انجمن ترقی اُردو حیدرآباد گورمنٹ نے شائع کیا۔ یہ کتاب ایسی مقبول ہوئی کہ آٹھ مرتبہ چھپی اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی۔ ترجمے کی خوبی کی بابت مولٰنا شبلی نعمانی۔ محمد عزیز مرزا سکرٹری حضورِ نظامِ دکن۔ پنڈت منوہر لال زتشی ایم۔ اے پروفیسر الٰہ آباد کالج۔ بابو دیانارائن نگم۔ بی۔ اے ایڈیٹر زمانہ کانپور نے اپنے اپنے مختلف مضامین میں بہت کچھ تعریف کی ہے۔ اور مطبع کی تو یہ رائے ہے کہ "کسی انگریزی کتاب کا اُردو میں اِس سے بہتر ترجمہ ہونا مشکل ہے"۔

سفید جوگن۔ یہ دِلّی کی ٹکسالی زبان میں ایک بے مثل معاشرتی ناول آپ کی خاص تصنیف ہے۔ اِس پر راقم دیباچہ ہٰذا کی رائے کے علاوہ مولٰنا شبلی نعمانی۔ مولٰنا حالی۔ مولٰنا سید احمد دہلوی مولفِ "فرہنگ آصفیہ"۔ طُوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی۔ پنڈت بنسی دھر نہرو سب جج پنشنر۔ پروفیسر کنہیا لال ازداں ایم۔ اے۔ بابو بھگوان لال۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ اور بابو امیر چند بی۔ اے ایل ایل۔ بی کی قابلِ قدر رائیں درج ہیں۔ اِسے ۱۹۲۲ء میں مصنف نے خود چھپوا کر شائع کیا ہے۔

علاوہ ازیں ۱۹۳۶ء میں لشکر میں بار ہویں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی کال گوالیار نمائش میں دیوان شعاعِ قہر رکھا گیا جسپر فرسٹ کلاس سرٹیفکیٹ اور ... انعام ملا

نثرِ ثریا۔ آپکے چھ اعلیٰ پایہ کے اُردو مضامین کا مجموعہ اور تہنیت نامۂ سندھیا۔ دربار گوالیار کی مبارکبادی نظموں کا مجموعہ۔ یہہ دونوں کتابیں مُسلم پریس بنگلور نے باخذِ حقِ اشاعت چھاپکر شایع کی تھیں مگر اب عنقا کا حکم رکھتی ہیں۔

محاوراتِ مہر۔ اِس میں اردو زبان کے محاورے ردیف وار ترتیب دیکر محاورات کی سندوں کے لئے آپنے اپنے ہی دیوان سے اشعار لیکر درج کئے تھے مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ سرودِ مہر بھی ابھی نہیں چھپا۔

ترانۂ مہر۔ زمزمۂ مہر۔ نغمۂ مہر۔ یہہ تین چھوٹے چھوٹے رسالے خوش الحان اہل ترنم کی نغمہ سرائی کے لئے۔ پانچ پانچ چھ چھ۔ اشعار کی غزلیں درج کرکے مرتب کئے ہیں اور مصنف نے خود ہی چھپوائے ہیں۔

رہبرِ مضمون نگاری۔ یہہ کتاب آپنے مڈل میٹرک۔ انٹرمیجیٹ کے طلبہ کو اُردو مضمون نگاری سکھانے کے لئے حال میں مرتب کی ہے۔ اِس میں فنِ مضمون نگاری کے اُصول اور قواعد معہ خاکوں اور مثالوں کے اِس خوبی سے درج کئے ہیں کہ دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ اِس موضوع پر اُردو میں ایسی اور کوئی کتاب ابتک نہیں لکھی گئی ہے۔ اِس کتاب کو محکمہ تعلیم ریاست گوالیار نے کتبِ درسیہ میں داخل کرکے آپکو دو سو روپیہ انعام عطا کیا ہے۔

اصلاحی کلام کا ضائع ہوجانا حضرتِ داغ دہلوی سے آپکے کلام کی اصلاح کا سلسلہ کوئی بیس پچیس برس تک جاری رہا اور اِس عرصے کی اصلاحی غزلیں بھی اتنی ہونگی کہ وہ سب جمع کی جاتیں تو ایک ضخیم الحجم دیوان مرتب ہوجاتا۔ مگر آپکی وارستہ مزاجی اور بے پروائی نے کبھی دیوان تیار کرنے کا خیال ہی دل میں نہ آنے دیا۔ جس وقت غزل اصلاح ہوکر آتی۔ آپ اُسے کئی بار بغور پڑھ لیتے اصلاحیں یاد کرلیتے۔ قاعدے اور نکتے سمجھ لیتے اور اُسے کسی طاق میں ڈالدیتے۔ یوں آپکا سارا اصلاح شدہ کلام تلف و ضائع ہوگیا جسکا اب آپکو سخت افسوس ہے۔

دیوان شعاعِ مہر کی ترتیب ۱۳۲۲ھ میں آپکے اُستاد حضرتِ داغ کی وفات نے آپکا دل شعر و شاعری کی طرف سے اُچاٹ کردیا۔ شعر و سخن کے مشغلے کو خیرباد کہہ کر کئی سال تک آپنے ایک شعر بھی نہیں کہا۔ جب ۱۹۱۴ء میں دہلی کے صاحبِ اقتدار رئیس لالہ سری رام ایم۔ اے مرحوم نے اپنے تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی جلد سوم کے لئے آپسے نظم و نثر میں تقریظیں اور تاریخیں لکھوائیں تو کئی مرتبہ کلام کے لئے خط بھیجے۔ یوں آپ کی دبی ہوئی آتشِ سخن کو پنکھا جھل جھل کر پھر مشتعل کردیا اور آپ شعر کہنے پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ اِس سولہ[۱] سال کے زمانے میں جو کچھ آپنے از قسم فرد شعر۔ رباعی قطعہ غزل مخمس۔ مسدس مبارکبادی۔ سہرا وغیرہ کہا ہے اُنکو اِس دیوان شعاعِ مہر کی شکل میں مرتب کیا ہے جو پیشکش ناظرین کیا جاتا ہے

خصوصیاتِ کلام جو عیوب و محاسن شاعری ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں اُنکا لحاظ آپنے اپنے کلام میں رکھا ہے دَورِ اوّل سے دَورِ حاضرہ تک جو متروکات زبان میں ہوئی ہیں اور جو متروکات آپکے اُستاد نے کی ہیں اُن سے

[۱] دیوان میں سنہ ۱۹۳۶ء تک کا کلام درج ہے جو ۲۳ سال کے عرصے کا ہوتا ہے۔

آپکا کلام پاک ہے غلط الفاظ جو ابتک زبانوں پر ہیں بلکہ اساتذہ کے کلاموں میں بھی موجود ہیں وہ آپکے کلام میں نہیں ہیں۔ کمزور اشعار نکال ڈالے گئے ہیں۔ ذم کے پہلو سے بچنے کی بے انتہا کوشش کی ہے۔ کان میں کھٹکنے والے الفاظ اور ترکیبوں کے سوا عربی فارسی کے دقیق الفاظ اور ناہموار ترکیبوں سے پرہیز کیا ہے۔ بیجا مقدرات سست شعروں۔ بیان کی گنجلک۔ تصنّع۔ دقیق نگاری۔ شوکتِ الفاظ۔ اور مہملات سے آپکا کلام مبرّا ہے۔ تقابلِ حرفین۔ ردیفین۔ اور قافیتین سے اشعار بالکل محفوظ ہیں۔ ہاں صنعتِ تقابل جو حسنِ شعری میں داخل ہے جا بجا استعما ل کی ہے۔ فرسودہ مضامین اور تلمیحات کی بھرمار آپکے یہاں نہیں ہے۔ اور جہاں کہیں ہے تو جدّتِ ادا کے ساتھ ہے۔ عاشقانہ مضامین کے سوا دیگر مضمون جنکا لکھنا غزل میں ممنوع ہے آپنے شاذ لکھے ہیں۔ جان بوجھکر دوسروں کے مضامین نہیں لئے ہیں اور طرزِ ادا اختیار نہیں کی ہے۔ نادانستہ کوئی مضمون یا مصرع کسی کے مضمون یا مصرعے سے لڑ گیا ہو تو وہ توارد ہوگا جس سے کوئی نہیں بچ سکا ہے۔ دلّی کے روزمرّے۔ محاورے اور زبانِ داغ کی سخت پابندی کی ہے سوقیت سے کلام کو بہت بچایا ہے۔ کنگی۔ چوٹی۔ آرسی۔ چھاگل۔ سُرمہ مسی چولی۔ آنچل۔ وغیرہ بازاری الفاظ کا تو ذکر کیا لفظِ "بوسہ" تک آپکے کلام میں نہیں آیا ہے۔ یعنی آپکا کلام متین عاشقانہ کلام ہے۔ اندازِ بیان میں سا دگی جو شاعری و انشا پردازی کی جان ہے آپکا خاص مسلک ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو سادہ گوئی کی انتہا کردی ہے۔ آپ کا ایک شعر ہے سہ بات کرنے کے لئے آپ سے ہم آئے تھے || آپ تھے ہم سے کوئی بات نہ کی جاتے ہیں۔ سطحی نظر رکھنے والے اس شعر کے مضمون کو ضرور "دندانِ تو جملہ در دہانند" کا مصداق سمجھیں گے۔ مگر اربابِ ذوقِ سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ عاشق کے اشتیاق ہمکلامی میں معشوق کے پاس بڑے شوق سے جانے معشوق کے غرورِ حسن سے خاموش رہنے اور عاشق کے مایوس ہو کر واپس آنے کے جذبات کی محاکات کی جو واقعیت کا پہلو لئے ہوئے ہے اس سے بہتر تصویر کھینچنی دشوار ہے "آئے تھے" اور "جاتے ہیں" کے ٹکڑوں میں جو اشتیاق امید اور مایوسی مجبوری ہے اُسکا لطف اہلِ زبان و سخن فہم ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ پھر نسائی اور بازاری مضامین بالخصوص نہ ہونے سے آپکے شعر سے عاشق مزاج حضرات اور اہلِ تصوف دونوں محظوظ ہو سکتے ہیں۔ ریاست گوالیار میں پرگنہ امباہ کے ایک موضع برہرٹو آ کے قریب ایک مہاتما شنکر لال عرف منشی بابا رہتے ہیں۔ جو خدا رسیدہ اور زاہدِ مرتاض ہونے کے علاوہ سنسکرت اور فارسی زبانوں کے عالم بھی ہیں ایکمرتبہ انکا درشن کرنے حضرت مہر کے فرزند ارجمند بابو جگناتھ پرشاد ورما سٹھولے وہاں گئے تو دیوانِ مہر بھی ساتھ لیتے گئے۔ اور کہیں کہیں سے آپکا کلام منشی بابا کو سُنایا۔ تو بابا موصوف نے فرمایا "میں اس کلام کو بہت پسند کرتا ہوں۔ اِس میں حقیقت اور مجاز دونوں کے پہلو ہیں"۔

کلام پر رائے

ولی گجراتی سے دورِ ماسبق تک جو مقتدر شعرا گزرے ہیں اُن میں سودا۔ شوکتِ بیان۔ درد۔ درد انگیزی۔ ناسخ تشبیہ و استعارہ۔ آتش خوش بیانی۔ غالب مضمون آفرینی۔ مومن خیال بندی۔ ذوق سلاستِ زبان میں مسلم الثبوت اُستاد مانے گئے ہیں۔ میر تقی میر جرأت۔ اور جہاں اُستاد حضرتِ داغ کا رنگِ تغزل معشوق سے بات چیت کرنا عشقیہ نوک جھوک۔ سوز و گداز۔ ناز و نیاز معاملہ نگاری۔ فراق کی شکایت۔ وصل کے لطف رقابت کے دُکھڑے۔ درد انگیز اور المناک حالات ہیں۔ خصوص مرزا داغ نے تو اس رنگ کو اپنی خداداد طبعِ وقاد کی صنعت کاری سے پیاری زبان سلیس اندازِ بیان۔ پاکیزہ روزمرّہ۔ برجستہ محاوروں اور دلآویز طرزِ تحریر میں کچھ ایسا اُجالا اور مرصع کیا ہے کہ غزل کی شاعری کا سرتاج قرار پایا ہے۔

حضرتِ مہر اِن خوبیوں میں جس قدر اپنے اُستاد مرحوم کے تتبع میں کامیاب ہوئے ہیں وہ قابلِ داد ہے۔ آپ کا رنگِ سخن سہل ممتنع۔ زبان کی فصاحت۔ روزمرّے کی صفائی۔ اور بیان کی نُدرت ہے۔ اِن پر نظر کرتے ہوئے ہم آپ کو حضرتِ داغ کے بہترین تلامذہ میں جگہ دیئے بغیر اور اُنکا صحیح اور سچا جانشین مانے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فصاحت۔ خوش بیانی۔ بندش کی صفائی۔ مضمون کی دلنشینی سے ہر غزل دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ ہر شعر بیتاب کر دیتا ہے۔ اکثر محض الفاظ کی اُلٹ پھیر۔ ترکیب کی درستی۔ بندش کی چُستی۔ شعر میں جان ڈال دیتی ہے اور بے اختیار زبان سے واہ وا نکل جاتی ہے۔ آپ فنِ شاعری کے ماہرِ کامل۔ اُردو زبان کے خاص محسن۔ غزل گوئی میں یدِطولیٰ رکھنے والے۔ اُردو شاعری کے سرمایۂ ناز۔ اور ہند کے ایک نامور ادیب ہیں۔

غزل سرائی کے سوا اپنے اُستاد کی طرح آپ کسی اور صنف میں بھی بند نہیں ہیں اور انمیں بھی اپنے استاد کے مُسلمہ رنگ کی تقلید نہیں چھوڑی ہے۔ قصیدہ شاید اِس وجہ سے نہیں لکھا کہ اہلِ دول کی مدح سرائی کی علتِ غائی کسبِ مال تصور کی جاتی ہے۔ اور آپ ہمیشہ قانع۔ صابر۔ مستغنی المزاج رہے۔ کسی کے آگے دستِ طلب دراز کرنا خلافِ وضع سمجھا۔ جو تہنیت یا تعزیت کی نظمیں آپنے اپنے آقائے نامدار سرکارِ عالی وقار کے لئے لکھی ہیں وہ محض حقِ نمک ادا کیا ہے۔

اب ہم ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو یہہ دیوان کا دیباجہ ختم کرتے ہیں اور حضرتِ مہر کو سالِ نو کی مُبارکباد دے کر درگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے کرم سے اِس شاہدِ حسن و خوبی کو قبولِ عام کا زیور عطا کرے۔ آمین۔

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان بہ فضلِ خلّاقِ زمین و زمان

زبان کا جادو و بیان کا سحر دیوانِ مہر

موسوم بہ

شعاعِ مہر

مصنّفہ

عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا جانشینِ استاد السلطان بلبلِ ہندوستان جہاں استاد دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر ملک الشعرا فصیح الملک عالیجناب نواب میرزا خان داغ دہلوی

پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر

ممبر خصوصی و تنقیدی انجمنِ خاصانِ ادب لکھنؤ و آنریری میونسپل مجسٹریٹ شہر لشکر ریاست گوالیار

مصنّف

ترانۂ مہر۔ زمزمۂ مہر۔ نغمۂ مہر۔ سفید جوگن۔ نثر ثریا۔ رہبرِ مضمون نگاری۔ وغیرہ و مترجم رہنمایانِ ہند

بہ حسنِ اہتمام و انتظامِ مالاکلام

مسرز علی بھائی فخر علی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳

بعد اخذ حقوقِ دائمی طباعت و اشاعت

مطبع محمدی واقع بمبئی میں چھپا

حمد

الف

اللہ رے سُرور ترے محوِ دید کا
ہر چشم بن گئی ہے پیالہ نبید کا

تُو پاس بھی ہے۔ دُور بھی۔ یہ جانتا ہُوں میں
لیکن کھُلا نہ راز قریب و بعید کا

سَو رنگ سے بہا ہے رہِ ذوق و شوق میں
کیا سُرخرُو ہُوا ہے لہُو بھی شہید کا

ہُوں دل میں شاد زخمِ جگر دیکھ دیکھ کر
سمجھا ہُوں تیغِ عشق کو میں چاند عید کا

دل دادۂ جمال ترا کیا کہے سُنے
جب ہوش ہی نہو اُسے گفت و شنید کا

تیری شرابِ عشق کے چسکے ہی اور ہیں
ہر جام میں مزہ ہے مزے کی کشید کا

دل دے کے مجکو تُو نے دیا دردِ عشق بھی
اِحساں یہ اور ہے ترے لطفِ مزید کا

تیری صفات و ذات کی وہ شرح کیا کرے
سُحباں کو حوصلہ نہیں حمدِ حمید کا

تابِ جمال دے کہ ترا جلوہ دیکھ لُوں
ارمان ہے بہت مری آنکھوں کو دید کا

روزِ جزا کسی کے کرم پر نگاہ ہے
رشتہ بندھا ہے تارِ نظر سے اُمید کا

بھُولا ہُوا ہُوں میں تری رحمت پہ اِس قدر
غم ہی رہا نہ مجکو عذابِ شدید کا

مائیوس کیوں ہو قہرؔ کہ بخشش کے واسطے
دعویٰ ہے چشمِ لُطف یہ چشمِ اُمید کا

کیونکر نہ آئے لب پر بندے کے نام ترا
تُو ہے مُقیم دل میں۔ دل ہے مَقام ترا

تو جان ڈالتا ہے۔ تُو دَم نکالتا ہے
وہ بھی ہے کام تیرا۔ یہ بھی ہے کام تیرا

کعبے میں بُتکدے میں۔ ہر شاخ ہر شجر پر
ہے وِردِ صُبح تیرا۔ ہے ذکرِ شام تیرا

تو ہو نہ جس میں قائم۔ وہ شے ہی کونسی ہے — اِس میں قیام تیرا۔ اُس میں قیام تیرا
ہوتا ہے مصلحت سے۔ ہوتی ہے مصلحت سے — اِک ایک بات تیری۔ ایک ایک کام تیرا
پھر کیوں رہوں نہ یارب مستِ مئے محبت — روزِ ازل سے پی کر آیا ہوں جام تیرا
اِمداد دینے والا ہے تو ہی مشکلوں میں — تجکو پکارتا ہوں۔ لیتا ہوں نام تیرا
میں کون ہوں۔ جو مجھ سے حمد و ثنا ہو تیری — میری زبان تیری۔ میرا کلام تیرا

دیر و حرم کے آگے آنکھیں بچھا رہا ہے
ہے قہر کی نظر میں وہ اِحترام تیرا

غزلیات

تو دیکھنے والوں سے نہاں ہو نہیں سکتا — پردے میں بھی پردے کا گماں ہو نہیں سکتا
وہ چین سے بیٹھے ہیں وہاں بزمِ عدو میں — قابو دلِ مضطر پہ یہاں ہو نہیں سکتا
آتا نہیں کیوں حالِ غمِ عشق زباں پر — میں کہہ نہیں سکتا کہ بیاں ہو نہیں سکتا
محشر میں بھی کیا پرسشِ بیداد نہ ہوگی؟ — دُنیا کا تو اندھیر وہاں ہو نہیں سکتا
ٹھوکر سے مٹائی ہے مری قبر کسی نے — کیا نام کو کافی یہ نشاں ہو نہیں سکتا
وہ خوابگہِ ناز میں سوئیں کہ نہ سوئیں — ہم سے تو مگر ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
بیتابیٔ دل جا کے دکھاؤں اُسے کیوں کر — جو حال یہاں ہے وہ وہاں ہو نہیں سکتا
کیونکر وہ کہے گا اُسے جو ہے مرے دل میں — دل تو مرا قاصد کی زباں ہو نہیں سکتا
دیکھیں گے تجھے دیر میں۔ دیکھیں گے حرم میں — ہمکو ترا دیدار کہاں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ کریں ہاتھ رواں آپ عدو پر — خنجر مری گردن پہ رواں ہو نہیں سکتا

یوں قہر چھپانے کو اِسے لاکھ چھپاؤ
یہ رازِ محبت تو نہاں ہو نہیں سکتا

پہلے مرے عدو کا تم اِمتحان لینا — پھر مجکو قتل کرنا پھر میری جان لینا
یہ بھی کوئی ادا ہے۔ یہ بھی کوئی جفا ہے — خنجر کو کھینچ لینا۔ اَبرو کو تان لینا
اُمیدِ وصل کیا ہو۔ پہلے یہی ہے مشکل — اُنکا زبان دینا۔ میرا زبان لینا

کیوں مُفت میں اُٹھایا بزمِ عدُو کا احساں
کس نے کہا تھا تم سے تُم بھول پان لینا

اُس حیلہ جُو سے قاصد پیغامِ وصل دے کر
پھر اور بات کرنا۔ پہلے زبان لینا

یاد آچکیں وفائیں بعدِ فنا ہماری
انجان آج تم ہو۔ کل ہمکو جان لینا

معلُوم مہرؔ کو ہیں اُلفت کے سب طریقے
جو کچھ کہے وہ تم سے۔ تم اُسکو مان لینا

جواب اُسکا بھلا آفتاب کیا ہوگا
جو لاجواب ہو اُس کا جواب کیا ہوگا

عذاب ہوگا کہ واعظ ثواب۔ کیا ہوگا
خبر یہ کس کو ہے روزِ حساب کیا ہوگا

ابھی سے آپ قیامت اُٹھائے پھرتے ہیں
یہ کم سِنی ہے تو عہدِ شباب کیا ہوگا

وہ اِسکے سامنے بے پردہ ہوں گے پھر ہونگے
نگاہِ شوق کے آگے حجاب کیا ہوگا

ترا خیال پھرا۔ دل پھرا۔ نگاہ پھری
اب اِس سے بڑھکے کوئی اِنقلاب کیا ہوگا

گنہگارِ محبت کو جُرمِ اُلفت پر
ترے ستم سے زیادہ عذاب کیا ہوگا

وہ آئیں گے کہ مجھے اپنے گھر بُلائیں گے
پیامبر مرے خط کا جواب کیا ہوگا؟

نہ اُنکے دل میں مرا گھر رہا۔ نہ اور کہیں
مری طرح کوئی خانہ خراب کیا ہوگا!

شُمارِ جُرمِ محبت سے منفعل نہ کرو
یہ بے حساب ہیں اِنکا حساب کیا ہوگا

تجھے تو اے دلِ مُضطر ابھی سے چین نہیں
بڑھے گا اور اگر اِضطراب کیا ہوگا

نگاہِ مہر سے وہ جانِ مہرؔ لیتے ہیں
جو لُطف یہ ہے تو اُنکا عتاب کیا ہوگا

اُنکی فریاد کو یوں حشر میں جانا ہوگا
آگے میں ہونگا مرے پیچھے زمانا ہوگا

جلوۂ عارضِ پُرنُور دِکھانا ہوگا
طُور کو اور بھی اِک بار جَلانا ہوگا

نامہ بر سیکھ لے اندازِ تکلُّم ہم سے
باتوں باتوں میں وہاں کام بنانا ہوگا

اِس نزاکت پہ مِرا قتل کچھ آساں نہیں
سخت مُشکل تمھیں خنجر کا اُٹھانا ہوگا

نگہِ ناز اِدھر آ تجھے رکھ لوں دل میں
اور دُنیا میں کہاں تیرا ٹھکانا ہوگا

شکوۂ جُور پہ وہ مجھ سے بگڑ کر بولے
تجکو کمبخت مرا ناز اُٹھانا ہوگا

مُجھ میں طاقت نہیں دو چار قدم چلنے کی، موت کہتی ہے تجھے جان سے جانا ہوگا
اپنی صورت جو دکھاتے ہو تو یہ یاد رہے دل میں رہنا مری آنکھوں میں سمانا ہوگا
یہ سمجھ کر وہ بلاتے نہیں آنکھیں ہی کبھی آنکھیں ملجائیں گی تو دل بھی ملانا ہوگا

مہر سے ملنے کی اُن کو کبھی حسرت ہوگی
وہ بھی دن ہونگے کبھی وہ بھی زمانا ہوگا

مُضطرِ بلا سے عاشقِ جانباز ہوگیا تیرا تو کام چشمِ فسوں ناز ہوگیا
اُنکے لئے تو کھیل مرا انداز ہوگیا یہ ناز ہوگیا کبھی وہ ناز ہوگیا
آئے شبِ فراق وہ گھبرا کے بام پر نالہ مرا رقیب کی آواز ہوگیا
تم اسپہ لوٹ اور اسے تم سے اجتناب لو اب یہ دل بھی دلبرِ طنّاز ہوگیا
سر دے کے جان دے کے تری راہِ شوق میں سرباز ہوگیا کوئی جانباز ہوگیا
رکھتے نہیں وہ پاؤں زمیں پر غرور سے مُٹھی میں دل کے آتے ہی یہ ناز ہوگیا
اُنسے نگاہ ملتے ہی ہم خاک میں ملے انجام اپنے عشق کا آغاز ہوگیا
بزمِ عزا میں میری سنور کر وہ آگئے ماتمکدہ بھی جلوہ گہِ ناز ہوگیا

اب خُوبرو بھی کرنے لگے مہر کی نگاہ
دل دے کے مہر کو بھی یہ اعزاز ہوگیا

معشوق دل آزار ہی دیکھا جسے دیکھا پھر دل کا طلبگار ہی دیکھا جسے دیکھا
کہنے کو تو ہیں آپ کی آنکھیں بہت اچھی اِن آنکھوں کا بیمار ہی دیکھا جسے دیکھا
معلوم ہوا مُجرمِ اُلفت ہے زمانہ جب اسکا گُنہگار ہی دیکھا جسے دیکھا
کیا جی سے گزرنا ہے ترے عشق میں آساں مرجانے کو تیار ہی دیکھا جسے دیکھا
جلوہ ترے رخسار کا دیکھا نہ کسی نے پھر طالبِ دیدار ہی دیکھا جسے دیکھا
کافر ترے قدموں سے قیامت نہ لگی ہو مٹتے دمِ رفتار ہی دیکھا جسے دیکھا
ایمان بچا لیتے ہیں حُوروں سے یہ کیونکر جنّت میں تو دیندار ہی دیکھا جسے دیکھا
دلدار وفادار نہ دیکھا کوئی ہم نے ظالم ہی جفا کار ہی دیکھا جسے دیکھا

کیوں جنسِ وفا آپ کو درکار نہو گی
اِس کا تو خریدار رہی دیکھا جسے دیکھا

ہو مہر ترے نام سے کیوں اُنکو محبّت
اِس نام سے بیزار رہی دیکھا جسے دیکھا

اُس سے اُلفت میں جو اپنا دلِ مضطر پھرتا
کون رکھے ہُوئے یوں ہاتھ جگر پر پھرتا

اے نزاکت ترے پردے میں اُنھیں رحم آئے
وہ کہیں ہم سے گلے پر نہیں خنجر پھرتا

کیا ہی پچتائے ہیں آزارِ محبت لے کر
ہم اِسے پھیرتے سودا جو یہ لے کر پھرتا

توبہ کرتُونگا۔ مگر اب تو جنابِ واعظ
مُنھ تک آیا ہُوا ہرگز نہیں ساغر پھرتا

نہیں معلوم مجھے آپ سے کیا کہنا ہے
ہے بڑی دیر سے اک حرف زباں پر پھرتا

پھر گئی آنکھ تری دل کو اُڑا کر کیسی!!
دل مرا پھر بھی نہیں تجھ سے ستمگر پھرتا

تم نہ آتے مرے گھر میں تو یہ صورت ہوتی
ہو کے مُضطر کبھی اندر۔ کبھی باہر پھرتا

غیر کو قول دیئے اور گئے سب پُورے
میں جو ہوتا تو وہ اقرار سے اکثر پھرتا

شوقِ دیدار نے آنکھوں میں جگہ دی ورنہ
جلوۂ یار بھٹکتا ہُوا گھر گھر پھرتا

بے نیازی کی اگر شان نہوتی تم میں
اے بتو پھر تو خدا سے کوئی کافر پھرتا

چشمِ مُشتاق سے جلوہ نہیں چُھپ سکتا ہے
بجلیاں کوندتیں باہر۔ جو وہ اندر پھرتا

بدگماں تجھ سے نہوتا دمِ رفتار تو کیوں
راہ میں سایہ ترا تیرے برابر پھرتا

عمرِ جاوید جو تقدیر میں ہوتی اے مہر
تشنہ کیوں چشمۂ حیواں سے سکندر پھرتا

دکھا دے اے نگاہِ شوق تو بھی کارگر ہونا
وہ کہتے ہیں کہ پردے میں نہیں ممکن اثر ہونا

غدوِ عیش ہوتی ہے محبّت خوبرُویوں کی
کسی کا اے دلِ ناداں۔ سمجھ کر۔ سوچ کر ہونا

اُمید وہم میں رکھتا ہے کیا کیا اہلِ اُلفت کو
خدا کا دادگر ہوتا۔ ترا بیداد گر ہونا

یہ لب تک آتے آتے ہی کلیجا توڑ لیتے ہیں
ابھی دیکھا نہیں نالوں کا تم نے باا ثر ہونا

وفا کا جب ارادہ ہے تو یہ بھی ٹھان لو دل میں
نہونا پھر کبھی دشمن کے تم۔ میرے اگر ہونا

ابھی کچھ اور پروانے گلے ملنے کو باقی ہیں
ذرا تھمنا۔ ابھی رخصت نہ اے شمعِ سحر ہونا

تری اُلفت میں مشکل ہے تو اِتنی بات مشکل ہے
فغاؤں کا اثر کرنا۔ دُعاؤں کا اثر ہونا

سکھایا ہے تجھے اے زلفِ جاناں کس کے ماتم نے
پریشاں اِس قدر رہنا۔ پریشاں اِس قدر ہونا

بیاںلہ ہیں مہرؔ اہلِ لکھنؤ بھی۔ اہلِ دہلی بھی
یہ کہتے ہیں "سحر ہونی" وہ کہتے ہیں "سحر ہونا"

تیغِ نگہ نے وار کیا تم نے کیا کیا
ہاں اُس نے دل فگار کیا تم نے کیا کیا

جلوہ سرِ مزار کیا تم نے کیا کیا
سوتوں کو بے قرار کیا تم نے کیا کیا

اندازِ جور اپنے سکھا کر فلک کو بھی
آشوبِ روزگار کیا تم نے کیا کیا

مرگِ عدو کا رنج تمھاری بلا کرے
آنکھوں کو اشکبار کیا تم نے کیا کیا

کرنی پڑیں فراق میں دشمن کی منتیں
دل نے ذلیل و خوار کیا تم نے کیا کیا

وعدے کی شب بتاؤ تو کس شغل میں رہے
ہم نے تو انتظار کیا تم نے کیا کیا!

اے نالہ ہائے نیم شبی شرمسار ہوں
برہم مزاجِ یار کیا تم نے کیا کیا

غیروں کے کہنے سننے سے مجھ سے خفا ہوئے
انسوں کا اعتبار کیا تم نے کیا کیا

ق
جب یہ کہا کہ وعدے کی شب جاگتے کٹی
اچھا اُمیدوار کیا تم نے کیا کیا

بولے وہ ہنس کے۔ تم تو نہ ہم سے گلہ کرو
آنکھوں نے انتظار کیا تم نے کیا کیا!

آب پھر اُٹھاؤ بیٹھے ہوئے سختیٔ فراق
کس سنگدل کو پیار کیا تم نے کیا کیا!

سناؤں تجھے حال پھر کیا کسی کا
ہوا بھی ہے تو چارہ فرما کسی کا

مرے دل میں آکر وہ کہنا کسی کا
ہوا اب تو ٹھنڈا کلیجا کسی کا

وہ آنکھوں میں ہیں قابلِ دید آنکھیں
جن آنکھوں نے دیکھا ہے جلوا کسی کا

گلا کاٹ کر اپنے بازو تو دیکھے
مگر آپ نے دل نہ دیکھا کسی کا

تمھیں اِک نہیں ہو۔ یہ دل بھی ہے قاتل
کیا اِس نے خونِ تمنا کسی کا

اُٹھائی ہے کیا کیا مصیبت غمِ غم
ہوا ہے بُرا حال کیا کیا کسی کا

خدا جانے کیوں دل کا طالب ہے کوئی
نہ ہے یہ کسی کا نہ ہوگا کسی کا

لہ بزمِ مشاعرہ خان بہادر سید التفات رسول صاحب ہاشمی رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی ۱۹۱۵ء ۵ جون

تمھیں تو نہ آتے تھے بزمِ عدو سے
ہُوا تھا ہمیں رات دھوکا کسی کا

کیا ہے جو کچھ ظلم - دل نے کیا ہے
نہ شکوہ ہے تیرا - نہ شکوا کسی کا

وہ دل تھام لینا مرا وقتِ رخصت
وہ مُڑ کر مجھے دیکھ لینا کسی کا

کوئی جلوہ فرما ہے بزمِ جہاں میں
کوئی دیکھتا ہے تماشا کسی کا

زمانہ ہمارا بُرا چاہتا ہے
بھلا کب بُرا ہم نے چاہا کسی کا

نہ دیکھا کوئی مہرؔ سا آدمی بھی
وہ عاشق کسی کا ہے - شیدا کسی کا

ہم جھکا دیں گے ترے سر کی قسم سر اپنا
تو اُٹھائے تو سہی ناز سے خنجر اپنا

پاس ساقی جو نہیں آنکھ میں آنسو بھر کر
بھر لیا کرتے ہیں ہم آپ ہی ساغر اپنا

اِن اداؤں سے تو دل موم ہوا کرتے ہیں
کس طرح آپ نے دل کر لیا پتھر اپنا

یہ سمجھ کر کہ فلک کو نہ سمجھ لوں معشوق،
نام رکھا ہے ستمگر نے "ستمگر" اپنا

پہلے تو چپ رہے پھر اب کے وہ کہہ بیٹھیں گے
میری شامت جو کہوں حال مکرر اپنا

اللہ اللہ رے بے جرمیِ قاتل کا خیال
ہم نے خود نام لکھا ہے سرِ محضر اپنا

تم مجھے قتل کرو گے اِسی دل گردے پر
ہاتھ رکھو تو ذرا اپنے جگر پر اپنا

ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ قیامت آئی
فیصلہ کچھ نہ ہُوا داورِ محشر اپنا

یہ اُنھیں مست نگاہوں میں کرامت دیکھی
کر لیا غیر کو بھی جام پلا کر اپنا

بَل بھی اُس کاکُلِ پُرخم کے نکل جائیں گے
ہوگا تقدیر سے سیدھا جو مقدر اپنا

مہرؔ دل رکھنے کا اقرار کیا ہے اُس نے
اُس سے دل رکھتے عزیز اب کوئی کیونکر اپنا

یہ بھی تم جانتے ہو میں نے تمھیں کیا جانا
ستم ایجاد - ستمگر - ستم آرا - جانا

ناوکِ ناز بتا تُو نے کبھی سینے میں
دل کو دل - اور کلیجے کو کلیجا جانا

جو زمانہ اُسے جانے - وہ زمانہ جانے
ہجر میں موت کو ہم نے تو مسیحا جانا

دعوئ مہر و وفا پر یہ ملا ہمکو جواب
آپ نے کب سے یہ اِحسان جتانا جانا

بدگمانی کہیں ایسی تو نہ دیکھی نہ سنی
میں نے جب شکر کیا۔ آپ نے شکوا جانا

کیونکر آئی کسی مہجور کی ٹل جاتی ہے
دیکھنی ہو تو مرے پاس ذرا آجانا

اللہ اللہ رے ہمارے دلِ شیدا کی پسند
اُس پر آیا ہے جسے لاکھ میں یکتا جانا

مہرباں دل کی صفائی تو اِسے کہتے ہیں
آپ کو میں نے۔ مجھے آپ نے اچھا جانا

تادمِ مرگ نکلنے نہ دیا دل نے اُسے
تیرے پیکاں کو بھی کیا میری تمنا جانا؟

شبِ غم تمکو بھی مضطر جو نہ کر دے تو سہی
دلِ بیتاب ہے یہ۔ تم نے اِسے کیا جانا

دل سے شیدائی ہے۔ یہ دل سے تمنائی ہے
شکر صد شکر۔ مجھے آپ نے اِتنا جانا

لشکرِ رنج والم ساتھ ہے میرے ہردم
کیا سمجھکر مجھے اغیار نے تنہا جانا

مہر اِس عشق جتانے کی ضرورت کیا ہے
رنگ لائے گا وہاں روز کا آنا جانا

مجھے اُمیدوارِ وصل تو اِک بار کر لینا
زباں سے تم نہ کرنا۔ آنکھ سے اِقرار کر لینا

جو تجھ سے ہو سکیں نالے۔ دلِ بیمار کر لینا
کبھی دو تین کر لینا۔ کبھی دو چار کر لینا

نہ تنہا جاگنا تم رات بھر دشمن کی فرقت میں
مری سوئی ہوئی قسمت کو بھی بیدار کر لینا

ابھی سے کیوں مٹے بیٹھے ہو تم میرے مٹانے پر
جو مجکو خوار کرنا ہے۔ تو مجکو خوار کر لینا

بلانا اپنی محفل میں۔ کہ جانا بزمِ دشمن میں
کسی صورت سے ہمکو آپ کا دیدار کر لینا

یہ اچھی شرم ہے انکی۔ یہ اچھا اُنکا پردہ ہے
مجھے جب دیکھنا مُنہ جانبِ دیوار کر لینا

ادا ہو۔ ناز ہو۔ عشوہ ہو۔ غمزہ ہو۔ غرض کچھ ہو
ہمیں کوئی نہ کوئی تیر دل کے پار کر لینا

یقیں کیا اُنکے وعدے کا۔ کہ وعدے کی یہ صورت ہے
کبھی اِنکار کر دینا۔ کبھی اِقرار کر لینا

جو میرا قتل تھا منظور تو نیچی نظر کیوں کی
کہا تھا کس نے تم سے میان میں تلوار کر لینا

ہجومِ کار میں بھی کب مرا دل اُس سے خالی ہے
یہ کر لینا۔ وہ کر لینا خیالِ یار کر لینا

گرے جب مہر غش کھا کر۔ کہا اُسکی تجلی نے
یہ کوئی کھیل سمجھے تھے مرا دیدار کر لینا!

جو دل لینا تو غم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
یہ لے دے کر بھی کم دینا۔ یہ کیا لینا ہی کیا دینا

وہ میری جان لے کر غم مجھے پورا نہیں دیتے
اُنھیں یہ بھی تو کم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

جو لینا ساغرِ مے تمکو۔ لینا دستِ دشمن سے
جو دینا ہمکو سم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

یہ کیا کہنا ہے۔ کیا سُننا۔ نہ کہنا کچھ۔ نہ سُننا کچھ
نہ دل لینا۔ نہ غم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

وہ جتنا رنج دیتے ہیں۔ دعائیں اُتنی لیتے ہیں
نہ کم لینا۔ نہ کم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

قیامت ہے ستمگر جان کا لینا۔ قیامت ہے
پھر اِس کا ہے ستم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

ہمارے عرضِ مطلب پر وہ ہم سے بل کی لیتے ہیں
پھر ابرو میں بھی خم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

لگا لینا بلاؤں کا گلے اے قہر آئے دن
غمِ الفت میں دم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

شکایت ظلم کی روزِ جزا کیا
کہوں میں لاکھ میں اُنکو بُرا کیا

ادا ہو نامہ بر سے مدعا کیا
کسی کے دل کی جانے دوسرا کیا

تکلُّف سے نہ رکھیں واسطا آپ
ادا سے جو ادا ہو۔ وہ ادا کیا

چڑھائی تیوری کیوں تم نے سنکر
ہمارا مدعا بھی ہے گلا کیا

گلے مل کر جو پوچھو تم مرا حال
تو ایسے پُوچھنے کا پُوچھنا کیا!

خدا ہے۔ آپ ہیں۔ روزِ جزا ہے
نہوگا اب بھی میرا فیصلا کیا!

نہیں ہے آج پہلو میں مرا دل
بتاؤں اور میں اِسکے سوا کیا

تری آنکھیں جھکیں شرمِ جفا سے
سمجھ لے گا اسے کوئی حیا کیا

اُسے میں کوس کر بچتا رہا ہُوں
نہو دشمن تو اُلفت کا مزا کیا

ستم کے بعد اب ناحق کرم ہے
بُرا ہو کر کوئی ہوگا بھلا کیا

عبث ہے رات دن گردش میں گردوں
اُڑا اُئے گا تری طرزِ جفا کیا

تلافی ہے جفا میری وفا کی
کیا کیا میں نے۔ اور اُس نے کیا کیا

نہیں ملتا کسی سے قہر کا دل
اُڑائی اِس نے بھی تیری ادا کیا

آنا ہے اگر اُسکو تو کیوں آ نہیں جاتا
آنکھوں میں دم آیا ہُوا رُوکا نہیں جاتا

کیا دیکھ سکے کوئی ترا جلوۂ دیدار
جس نے تجھے دیکھا۔ اُسے دیکھا نہیں جاتا

دل آئے بھی اوروں پہ تو کس واسطے آئے
جو تجھ میں ہے اوروں میں وہ پایا نہیں جاتا

مرتا ہے کہ جیتا ہے غمِ ہجر میں کوئی
اتنا بھی تو تجھ سے کبھی پوچھا نہیں جاتا

کس شکل سے رکھے کوئی جاتے ہوئے دل کو
روکا نہیں جاتا ہے یہ باندھا نہیں جاتا

ہم کہدیں کہ حُوروں کے خریدار نہیں آپ
زاہد مگر ایمان تو بیچا نہیں جاتا

وہ حُسن تمہارا ہے کہ سب دیکھ رہے ہیں
یہ حال ہمارا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا!

دیکھے تو کوئی چرخِ ستمگار کی دعوت
غم اِتنا کھِلاتا ہے کہ کھایا نہیں جاتا

تیور ترے بگڑے ہوئے رہتے ہیں شبِ وصل
ایسے میں بھی تو موت کا کھٹکا نہیں جاتا

ظاہر میں تو مُنھ بولتی تصویر ہے تیری
پھر کیوں تری تصویر سے بولا نہیں جاتا

قاتل ہی جو نازک ہے تو مجبور ہیں ہم بھی
خود ہاتھ سے سر کاٹ کے پھینکا نہیں جاتا

جب مہر نے لکھّا ہے اُسے حالِ دلِ زار
لکھّا ہے بس اتنا ہی۔ کہ لکھّا نہیں جاتا

جان کا دینا غمِ اُلفت میں آساں کیا ہُوا
غیب سے یہ میرے مرجانے کا ساماں کیا ہُوا

دیکھ کر تجکو ہمارے دل کا ارماں کیا ہُوا
کچھ تجھے معلُوم ہے۔ اے نازِ جاناں کیا ہُوا!

باندھکر رکھّا تھا جسکو میں نے اے جوشِ جُنوں
گوشۂ دامن سے وہ میرا گریباں کیا ہُوا

جس قدر تھیں آرزوئیں مِل گئیں سب خاک میں
کیا کہُوں دل دے کر اُسکو میں پشیماں کیا ہُوا

چار ہی دن میں بہارِ لالہ و گُل چل بسی
دیکھتے ہی دیکھتے رنگِ گُلستاں کیا ہُوا

جان اپنی دی عُدُو نے ہم کو مرتے دیکھ کر
یوں جو وہ قرباں ہُوا تجھ پر۔ تو قُرباں کیا ہُوا!

یہ تو کہیئے آج کیوں پھرتا ہے دشمن شاد شاد
قول کیا اُسکو دیا ہے؟۔ اُس سے پیماں کیا ہُوا!

غیر کے کہنے سے آئے ہو عیادت کیلئے
مجھ پر احساں کیا کیا۔ یہ مجھ پر احساں کیا ہُوا

مجکو تو قسمت بدلنی عشق میں دشوار تھی
تجکو لیکن انقلابِ چرخِ دَوراں کیا ہُوا

ترکِ اُلفت کرکے ہم یہ سوچتے ہیں بار بار
اپنا وہ دل کیا ہُوا وہ اپنا ارماں کیا ہُوا

وہ تو اُسکی چیز تھی اے مہر اُسکا کیا ملال
دل اگر تم نے دیا تو اِسمیں نقصاں کیا ہُوا

جگر کے پار کیا تیر دل کے پار کیا
ادا ادا نے تری مجھکو بیقرار کیا

تڑپ کر اس نے اُنھیں بھی جو بیقرار کیا
لگا کے دل کو کلیجے سے میں نے پیار کیا

ہزار بار جئے ہم ۔ ہزار بار مرے
ہزار بار ترا ہم نے انتظار کیا

بتا تو ہم تری اُلفت میں اور کیا کرتے
جو اختیار نہ کرنا تھا ۔ اختیار کیا

تمھیں بتاؤ وہ ہے اعتبار کے قابل
جو تم نے غیر کے کہنے کا اعتبار کیا

جفا کے شکوے پہ عذرِ جفا تو تھا دشوار
ستم شعار نے مجھکو ہی شرمسار کیا

یہی تو ہوتا ہے بچھڑے ہوئے جو ملتے ہیں
وہ اشکبار ہُوا ۔ مجھکو اشکبار کیا

خرامِ ناز سے چل کر اُٹھا دئے فتنے
کسی نے حشر میں بھی حشر آشکار کیا

نگاہِ مہر تو کیا قہر پر کبھی کرتے
جہاں وہ مل گئے کچھ اور بیقرار کیا

یہاں بھی لے اُڑا دل کیا کوئی ساری خدائی کا
سرِ محشر یہ کیسا شور ہے یارب دہائی کا!

ہُوا ہے دشمنِ ایمان و دیں وہ بُت خدائی کا
خدا حافظ ہوا اب کیونکر کسی کی پارسائی کا

یہ ساری کوششیں بیفائدہ ہیں اے دلِ محزوں
بھلا تیرے اُٹھائے سے اُٹھے گا غم جدائی کا!

جبیں پر بل رہے ۔ لب پر تبسم ۔ تو مزا آئے
لڑائی میں صفائی کا ۔ صفائی میں لڑائی کا

نگاہِ لطف کا خوگر ہوں میں تو کیا سمجھ کر ہوں
بھروسا کیا کسی ناآشنا کی آشنائی کا

مرا دل خاک میں ملتا ہے جب تو مجھ سے ملتا ہے
ستمگر رنگ ہے تیری وفا میں بیوفائی کا

ہزاروں جان دیتے ہیں بُتوں پر حضرتِ زاہد
کوئی دل پھیر دے گا کس طرح ساری خدائی کا

نکالو دل کی حسرت یا تمنا آنکھ کی پہلے
مرا ذمہ اگر جھگڑا ہو کچھ اپنی پرائی کا

نیا دل بھی خدا پیدا کرے گا میرے پہلو میں
نیا انداز تو پیدا کرو تم دل رُبائی کا

وہ آئے ہیں تو ممکن ہے تسلی تجھکو دے جائیں
تڑپ اے دل یہی موقع ہے قسمت آزمائی کا

الٰہی کیا کروں اب میں کہ عذرِ جرمِ اُلفت پر
وہ کہتے ہیں کوئی شاہد بھی ہے تیری صفائی کا؟

قیامت میں مرے شکوے پہ یہ طرفہ قیامت ہے
خدا کے سامنے کہتے ہیں وہ "جھوٹا خدائی کا"!

کسی کو ضبطِ غم پر اب گمانِ ترکِ اُلفت ہے
وفا کر کے بھی میں مُلزم ہوا ہوں بیوفائی کا

شبِ فرقت مری تقدیر کی گرہیں نہیں کھلتیں
اے مشکل کشا یہ وقت ہے مشکل کشائی کا

اگر آنا تو یوں آنا کسی دن قہر کے آگے
ترا منھ دیکھکر پھر منھ نہ دیکھے وہ جدائی کا

یوں عشق میں کیا گردشِ دوراں نہیں دیکھا
دیکھا نہیں تو جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

تجھسا بھی حسیں ہم نے تو انساں نہیں دیکھا
تو ہمکو دکھا دے ترے قرباں نہیں دیکھا

جس طرح مچلتے ہوئے دیکھا اُنھیں دل پر
یوں دل میں مچلتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

کب آپ سرِ راہ کسی سے نہیں اُلجھے
کب آپ کی مٹھی میں گریباں نہیں دیکھا

آتا نہیں کس سمت نظر حُسن کا جلوہ
تو نے ہی مگر دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

میں نے اُسے جانا یہ مرے دل میں رہا ہے
جس ناوکِ دل دوز میں پیکاں نہیں دیکھا

اتنا ہے مرے ضبط کو زینت سے تنفر
اک اشک کبھی زیبِ گریباں نہیں دیکھا

پھر جائے مرے دل سے ترا تیر غلط ہے
پھرتے ہوئے اس گھر سے یہ مہماں نہیں دیکھا

یاد آگئی وحشت میں جو وہ انجمنِ ناز
پھر ہم نے بیاباں کو بیاباں نہیں دیکھا

پھر اُنکے ستم پر وُہی اُمیدِ کرم ہے
اِس دل سا بھی ہم نے کوئی ناداں نہیں دیکھا

اُٹھکر مری بالیں سے مسیحا بھی سدھارے
جب درد مرا قابلِ درماں نہیں دیکھا

اے قہر عدو ہیں سخنِ داغ کے قائل
ایسا بھی کوئی ہم نے سخنداں نہیں دیکھا

ذرا اے دل سمجھ کر سوچ کر عشقِ بتاں کرنا
مناسب ہے تجھے بھی اوّل اپنا اِمتحاں کرنا

مجھے تو فرض ہے محشر میں حالِ دل بیاں کرنا
جو کر سکنا وہاں بھی بند تم میری زباں کرنا

مرا دم تو نکالا ہے لگا کر ٹھوکریں تم نے
کہیں مٹی نہ پامالِ جفائے آسماں کرنا

عنایت سے کبھی پیش آئے یہ آساں نہیں قاصد
بہت مشکل ہے اُس نامہرباں کو مہرباں کرنا

رہے گا نام تو میرا تمھارے مِٹنے والوں میں
کوئی آساں سمجھتے ہو مجھے تم بے نشاں کرنا؟

مرا ذمہ اگر شرمائیں بیتابیاں اِسکی
دلِ مضطر کے آگے تو ذرا تم شوخیاں کرنا؟

بہار آئے چمن میں یا کھلیں گُل کوہ و صحرا میں
مگر ممکن نہیں ناشاد دل کو شادماں کرنا

شبِ فرقت یہ کہکر بیکسی سے جان دی میں نے
مری میت پہ میری حسرتوں کو نوحہ خواں کرنا

دلِ مرحوم کو روتا ہُوں جب میں تو وہ کہتے ہیں
ہمیں آتا نہیں ندبے یہ مُردے کا گُماں کرنا

تمہارے بھید کُھل جاتے ہیں کیوں سارے زمانے پر
جو اسکا امتحاں کرنا۔ عُدو کو رازداں کرنا

[illegible]

ڈرو تم کیوں زمینِ شعر کی پستی بلندی سے
تمھیں تو مہرؔ آتا ہے زمیں کو آسماں کرنا

مری محبت ہے میری

کس وقت اُسے دھیاں عُدو کا نہیں ہوتا
تنہا بھی وہ ہوتا ہے تو تنہا نہیں ہوتا

شرمندۂ احسانِ مسیحا نہیں ہوتا
اچھّا وہ ہے جو عشق میں اچھّا نہیں ہوتا

تم وعدے کے سچّے ہو۔ اسے مان لیں کیونکر
وعدہ تو تمھارا کوئی سچّا نہیں ہوتا

یوں داغ تو ہے آہ کے۔ لالے کے بھی دل میں
ہر داغ۔ مگر داغِ تمنّا نہیں ہوتا

وہ دن گئے جب غیر وسے ہوتی تھی توقّع
اب تو ہمیں دل پر بھی بھروسا نہیں ہوتا

رکھدو دلِ مضطر پہ ذرا دستِ تسلّی
کیا تم سے ہمارے لئے اِتنا نہیں ہوتا

جیسا لبِ جاں بخش ترا عہد شکن ہے
جُھوٹا کوئی ایسا بھی مسیحا نہیں ہوتا

کیوں دیدۂ مشتاق میں چُھپتا نہیں کوئی
کیا دیدۂ مشتاق میں پردا نہیں ہوتا!

دنیا میں وفادار۔ زمانے میں دل آزار
تم سا نہیں ہوتا۔ کوئی ہم سا نہیں ہوتا

کیا ذکر پرایوں کا۔ پرائے ہیں پرائے
اپنا بھی۔ بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

ہوتا ہے جو اقرار کبھی وصل کا ہم سے
اِس شکل سے ہوتا ہے وہ گویا نہیں ہوتا

اے مہرؔ حسیں چاہنے والے کو بھی چاہیں
ایسا نہیں دیکھا۔ کہیں ایسا نہیں ہوتا

کبھی ناخوش دل آزاروں کا بسمل ہو نہیں سکتا
قیامت ہے بُروں سے بھی بُرا دل ہو نہیں سکتا

لگا کر آگ دل میں وہ تماشا دیکھ لیتے ہیں
جَلانے سے اُنھیں کچھ اور حاصل ہو نہیں سکتا

یہ آخر ہر قدم پر تم مِٹاتے کس کو چلتے ہو
تمہارے ہر قدم پر تو مرا دل ہو نہیں سکتا

تبسّم بھی رہے لب پر نکالو مجھپہ جب آنکھیں
نگاہِ قہر میں کیا لطف شامل ہو نہیں سکتا

اگر اب بھی نہ دل کو اعتبار آئے تو آفت ہے
وہ کہتے ہیں ہمارا عہد باطل ہو نہیں سکتا

ہمارے دل کو لے کر پوچھنا اُنکا شرارت سے
تمنا کے لئے کیا دوسرا دل ہو نہیں

ادائیں اپنی آئینے میں تُو تُو کس کو دکھاتا ہے
ترا عاشق ترا مدِّ مقابل ہو نہیں سکتا

یہ کیا کہتے ہو تم مُنھ پھیر کر ہاں پھر ذرا کہدو
کرے جو خون ارماں کا وہ قاتل ہو نہیں سکتا

کہیں میرا تصور ساتھ اُسکا چھوڑ سکتا ہے
یہ مانا میں شریکِ اہلِ محفل ہو نہیں سکتا

یہ حُجت کر کے مجھ سے وہ مرا دل چھین لیتے ہیں
مرا دل ہے مرا دل ہے ترا دل ہو نہیں سکتا

ہمیشہ آپکی چالوں سے دل ہشیار رہتا ہے
کوئی غافل ہو لیکن یہ تو غافل ہو نہیں سکتا

دلِ وحشی کو کیوں رکھتا ہے کوئی اپنی زلفوں میں
یہ دیوانہ تو پابندِ سلاسل ہو نہیں سکتا

وہ کہتے ہیں جو ہے تُو قہر تو کیا اِس سے ہوتا ہے
ترا دل میرے ارمانوں کے قابل ہو نہیں سکتا

چاہتا ہے کوئی اب فتنۂ دوراں ہونا
حشر سے پہلے ہی دنیا میں نمایاں ہونا

ہو اگر محوِ جمالِ رُخِ تاباں ہونا
سیکھ لیں آپ بھی آئینے سے حیراں ہونا

قہر آئے مرے دل پر کہ قیامت ٹوٹے
تم مگر اپنے کئے سے نہ پشیماں ہونا

کیا چھُپے رازِ غمِ عشق کہ چھُپتا ہی نہیں
میرے مُنھ پر مری حسرت کا نمایاں ہونا

حُسن کا رعب نہیں دیکھنے دیتا تجھ کو
خوب آتا ہے تجھے اپنا نگہباں ہونا

قتل پر کس لئے تلوار اُٹھاتا کوئی
میری مُشکل کو نہ ہوتا اگر آساں ہونا

تم سنوارو کبھی جو زلفوں کو تو کیا ہوتا ہے
اُنکی تقدیر میں لکھا ہے پریشاں ہوتا

وہ مراسم بھی تمھیں یاد ہیں ۔ یا بھول گئے
کبھی مہماں مجھے کرنا کبھی مہماں ہونا

خود گلا کاٹ کے مر جائیں گے ہم اے قاتل
شرم کی بات ہے شرمندۂ احساں ہونا

نیند آئے شبِ وعدہ تو مجھے کیوں آئے
خواب میں بھی نہیں پُورا ترا پیماں ہونا

دستِ وحشت سے ہمارے نہیں آیا ابتک
جَیب کو جَیب گریباں کو گریباں ہونا

میں پشیمان ہُوا اُسکی پشیمانی سے
مجھ سے دیکھا نہ گیا اُس کا پشیماں ہونا

کسی صورت تو نظر دشت کی صورت آئے
اپنے گھر کا مجھے منظور رہے ویراں ہونا

یونہیں ارمان کا دل سے ہے نکلنا دشوار
اور پھر قہر کے دل میں ترا ارماں ہونا

شبنم

…ود فروش تھا
…سمجھ تھی نہ ہوش تھا
…ے جگر کے پار
…ن کسی کے
…ے والے کیوں
رکھا ہے اسکو حلقۂ کاکُل میں کس لئے
خالی رہا نہ حُسن سے عاشق کا سوگ بھی
مرتا ہوں مرکے بھی کہ اُٹھائی تھی اُس نے تیغ
دیکھا کبھی اِدھر ۔ کبھی آہٹ سُنی اُدھر
ناصح نے چھیڑ چھیڑ کے سُنوائی آہ آہ
ڈالی مرے مزار پر آکر صبا نے خاک
رکھنے کو شمع مرقدِ مجنوں پہ بعدِ مرگ

پیدا نگہ نگہ سے طبیعت میں جوش تھا
مستی تھی ۔ بیخودی تھی ۔ جوانی تھی جوش تھا
ترکش میں کل جو تیر ترے زیبِ دوش تھا
جلوہ فروش تھا کہ کوئی مے فروش تھا
یہ دل تو پہلے ہی ترا حلقہ بگوش تھا
ماتم میں عندلیب کے گُل سُرخ پوش تھا
گیسو بھی نازکی سے جسے بارِ دوش تھا
وعدے کی شب یہ مشغلۂ چشم و گوش تھا
ظالم مری خطا نہیں میں تو خموش تھا
ورنہ اِسے نصیب کہاں قبر پوش تھا
اِک داغِ دل تھا وہ بھی چراغِ خموش تھا

اے قہرؔ جب سُنائی تھی مجھکو نویدِ وصل
کیا کیا پیامبر پہ گمانِ سُروش تھا

اُلفت ہی اگر ہوتی ۔ وعدہ ہی اگر ہوتا
دشمن سے جُدا رہتے ۔ تو دیکھ بھی تم لیتے
کیا وصل کی شب رہتا شغل اِس کے سوا اُنکو
ماتم مرے مرنے کا عشرت مرے جینے کی
زاہد کو یہ ارماں ہے ۔ حُوروں کو یہ حسرت ہے
کچھ ناز و فاؤں پر ۔ کچھ قدر جفاؤں کی
چُبھنے کو مرے دل میں ۔ چلنے کو مرے دل پر
کچھ دردِ جگر رہتا ۔ کچھ دل میں کسک رہتی
کیا ضبط سے ہو جاتا ۔ کیا صبر سے بن آتی
وہ جسکی طرف ہوتا ۔ سب اُسکی طرف ہوتے

نفرت نہ اُدھر ہوتی ۔ شکوہ نہ اِدھر ہوتا
اِک شب نہ بسر ہوتی ۔ اِک دن نہ بسر ہوتا
یا فکرِ سحر ہوتی ۔ یا ذکرِ سحر ہوتا
کیوں آپکے گھر ہوتی ۔ کیوں غیر کے گھر ہوتا
تیری سی نظر ہوتی میرا سا جگر ہوتا
ہوتی تو اُدھر ہوتی ۔ ہوتا تو اِدھر ہوتا
وہ تیغِ نظر ہوتی ۔ وہ تیرِ نظر ہوتا
یہ چار پہر ہوتی ۔ وہ چار پہر ہوتا
یوں بھی نہ بسر ہوتی ۔ یوں بھی نہ گزر ہوتا
دُنیا ہی اُدھر ہوتی ۔ وہ شوخ جدھر ہوتا

وہ عشق میں کامل ہے وہ شوق میں پورا ہے
کچھ کور کسر ہوتی تو قہر کو ڈر ہوتا

غرورِ اوج سے اُس کا نشاں نہیں ملتا
زمیں سے جھک کر اگر آسماں نہیں ملتا

ہر اک زباں پہ ہیں حُسن و عشق کے قصے
مگر کسی سے کسی کا بیاں نہیں ملتا

دباؤں تجھکو کہاں ہاتھ رکھکے سینے پر
ترا مقام ہی دردِ نہاں نہیں ملتا

مجھے خبر نہیں اِسکی کہاں گری بجلی
مگر چمن میں مرا آشیاں نہیں ملتا

کسی پہ تہمتِ عشقِ رقیب سے حاصل
تجھے کچھ اِس میں دلِ بدگُماں نہیں ملتا

ہمارے دل سے شبِ غم کی داستاں سُنو
جو وقتِ خواب بقیں قصہ خواں نہیں ملتا

کرو خرید تو بازار کی ہے کیا تخصیص
جگہ وہ کونسی ہے دل جہاں نہیں ملتا

وہ تیز رَو ہیں رہِ عشق میں کہ منزل تک
ہمارے آگے کوئی کارواں نہیں ملتا

پلٹ کے مجھکو دیا یہ پیامبر نے جواب
بہت پھرا۔ مگر اُس کا مکاں نہیں ملتا

جنابِ قہر کو رہتی ہے جُستجو بیکار
کہاں نہیں ہے وہ جلوہ کہاں نہیں ملتا

ہم کر رہے ہیں پاس تری رسم و راہ کا
ورنہ یہ آسمان تو ہے ایک آہ کا

وعدہ کیا کسی نے جو مجھ سے نباہ کا
میں کیا بتاؤں طور ہُوا کیا نگاہ کا

چلتا ہوں دیکھ دیکھ کے ہر ذرہ راہ کا
اِس ڈر سے یہ نہ فتنہ ہو نیچی نگاہ کا

ہم شوق سے اُٹھائیں اگر کُوئے دوست میں
بیداد واجبی ہو ستم راہ راہ کا

دیکھا ہے ہم نے چیر کے پہلو کو جس گھڑی
نکلا ہے دل میں تیر بمتا رہی نگاہ کا

اللہ رے حُسن اُس رُخِ روشن کے سامنے
چمکا کبھی ستارہ نہ خورشید و ماہ کا

پھرتا ہے کس لئے مہِ کامل تمام رات
کیا پاسبان ہے یہ تری خوابگاہ کا

اے دل ملے گی کوچۂ قاتل میں کیا اماں
ناداں وہ مقام نہیں ہے پناہ کا

کیا چاہتا ہے کوئی لڑائی کے واسطے
لڑتے ہیں آپ نام جب آتا ہے چاہ کا

یہ تیرگی میں کم نہ رہے گا کسی طرح
بختِ سیاہ جوڑ ہے زلفِ سیاہ کا

لیتا ہے کون خاطرِ ناشاد کی خبر
ہو خاک غم اُنھیں مرے حالِ تباہ کا

پھر جلے دل مرا تو محبت میں آئے لطف
معلوم ہو اُنھیں بھی پلٹنا نگاہ کا

کیا عشق بھی خطا ہے۔ وفا بھی قصور ہے
آخر گناہگار ہوں میں کس گناہ کا؟

اپنی نگاہِ قہر سے محشر میں دیکھ کر
مُنہ سی دیا کسی نے ستم کے گواہ کا

چھُپنے کی چشمِ شوق سے حاجت نہیں رہی
رشکِ عدو ہے پردہ تری جلوہ گاہ کا

پھر حشر کیوں بپا ہو۔ قیامت ہی آئے کیوں
تُو دادرس اگر ہو دلِ دادخواہ کا

اے قہر جب وہ تیغ نظر یاد آگئی،
اِک بار دل سے شور اُٹھا آہ آہ کا

غضب کا یہ تری چشمِ فسوں نگر میں اثر دیکھا
نہ دیکھا پھر کسی کو اُس نے جسکو اک نظر دیکھا

دعا بھی ہم نے کر دیکھی۔ گلہ بھی ہم نے کر دیکھا
نہ اِس میں کچھ اثر پایا۔ نہ اُس میں کچھ اثر دیکھا

اِدھر مجھکو تمنا ہے کہ پھر اُنکی طرف دیکھوں
اُدھر وہ اِس پہ بگڑے ہیں کہ میں نے کیوں اُدھر دیکھا

نکلتے ہیں طرفداری کے پہلُو تیری باتوں میں
اُسی کا ہو گیا تُو بھی۔ تجھے بھی نامہ بر دیکھا

مجھے بزمِ عدو میں اُس نے یوں دیکھا ہے چھُپ چھُپکر
اِسے بھی دیکھکر دیکھا۔ اُسے بھی دیکھ کر دیکھا

لگا کر ہاتھ وہ کیا دیکھتے تھے باڑھ خنجر کی
اُٹھائی جس نے اُسکی چوٹ اُسکا بھی جگر دیکھا

مریضِ دردِ غم کا حال بدلا کب شبِ فرقت
جو وقتِ شام دیکھا تھا وُہی وقتِ سحر دیکھا

تڑپ اُٹھا کلیجا بھی ہمارا اِس تمنا میں
ترا دستِ تسلّی جب دلِ بیتاب پر دیکھا

مجھے تم دیکھکر کیوں پُوچھتے ہو حال کیسا ہے
جب اتنا بھی نہ دیکھا تم نے تو کیا میرا اثر دیکھا

تمنا قتل کی پھر بھی نہیں نکلی نہیں نکلی
بڑھایا حوصلہ قاتل کا دَم خنجر کا بھر دیکھا

وہ اکثر دیکھتے رہتے ہیں شب کو چاند کی صورت
جنابِ قہر نے پھر کیا کوئی رشکِ قمر دیکھا

کہیں کیا اپنے دل پر اس ادا کا کیا اثر دیکھا
اِدھر سے پھیر کر مُنہ جب ستمگر نے اُدھر دیکھا

جِلایا پہلے باتوں سے مٹایا پھر نگاہوں سے
وہ طرزِ گفتگو دیکھی!- یہ اندازِ نظر دیکھا!

مرے دل میں نظر آئے ترے تیرِ نگہ لاکھوں
ترے دل میں اگر دیکھا تو اک دشمن کا گھر دیکھا

شبِ فرقت جو رو رو کر مجھے تو نے دکھایا ہے
وہ طوفاں کب کسی کی آنکھ نے اے چشمِ تر دیکھا

دلِ گم گشتہ کو یوں ہم نے ڈھونڈا کوئے جاناں میں
یہاں دیکھا۔ وہاں دیکھا۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا

جہاں میں مرگِ عاشق کا یہ کیسا سوگ ہے یارب
نہ ماتم ہی کہیں دیکھا۔ نہ کوئی نوحہ گر دیکھا

بتایا کوچۂ جاناں۔ دکھایا چشمۂ حیواں
خِضر تمکو بھی دنیا سے نرالا راہبر دیکھا

رہا کس دن نہ برپا حشر میرے گھر میں نالوں سے
جو تم نے آج دیکھا ہے۔ وہ میں نے عمر بھر دیکھا

مرا دل لے گئیں دزدیدہ نظریں غم نہیں لیکن
مجھے تو فکر اب یہ ہے کہ اِن چوروں نے گھر دیکھا

زمیں کو بھی پڑی اپنی فلک کو بھی پڑی اپنی
شبِ غم جب مرے نالوں کو ما نوسِ اثر دیکھا

وہ جب مُنہ پھیر کر بیٹھے۔ دِکھا کر دل کہا میں نے
تمھیں جانو گے۔ اب تم نے مری جاں نذر گر دیکھا

ہوئے پھر بھی نہ وجہِ زندگی یہ خوبرو اب تک
بہت کچھ جان دی اِن پر۔ بہت کچھ اِن پہ مر دیکھا

نہ پوچھے حال دل کا اور دل پہلو سے لے جائے
وہ جیسا ہے کہیں اے قہر ایسا مفت بر دیکھا

ترا یہ کب دلِ خانہ خراب ہو نہ سکا
اِسے تو تجھ سے کبھی اِجتناب ہو نہ سکا

جو تجھ پہ جان سے جا کر بھی جان دیتے ہیں
جواب اُنکا کہاں ہے جو اب ہو نہ سکا

تمھیں نہیں ہو حسیں اور بھی حسیں ہیں مگر
یہ حُسن ہو نہ سکا۔ یہ شباب ہو نہ سکا

ترا خیال ہے قاصد وہ میرے گھر آئیں!
مجھے تو خواب میں بھی اِسکا اب ہو نہ سکا

جگر بھی تھام لیا میں نے عشق میں پھر بھی
سُکوں تجھے دلِ پُر اِضطراب ہو نہ سکا

کوئی تو لا کے پلاتا جنابِ زاہد کو
مگر کسی سے یہ کارِ ثواب ہو نہ سکا

رہیں ہم اُنکی۔ ہماری طرح وہ فرقت میں
یہ اِنقلاب سے بھی انقلاب ہو نہ سکا

جو اُس میں بھی تمھیں آئے نظر تو بات یہ تھی
کہ آئینے سے تمھارا جواب ہو نہ سکا

ملے گی مجکو سزا کتنے جُرمِ الفت کی
حساب اِنکا جو روزِ حساب ہو نہ سکا

ہم اپنے دل ہی میں تم سا دکھاتے تیری مَیں
یہ کیا کہا کہ ہمارا جواب ہو نہ سکا

نگاہِ شوق سے چھُپ کر بھی چھُپ سکے وہ کہاں
حجاب میں بھی تو اِس سے حجاب ہو نہ سکا

ستم شعار نے "چپ" کہہ کے کر دیا خاموش
ہماری باتوں کا جب کچھ جواب ہو نہ سکا

پھر اُنکے رُخ سے اِسے ہو گی قہرؔ کیا نسبت
یہ ماہتاب اگر آفتاب ہو نہ سکا

اور کیا اُسپہ کوئی تازہ ستم توڑ دیا؟
کہ ستمگر ترے بیمار نے دَم توڑ دیا

روزِ فرقت نے قیامت کوئی کم ڈھائی تھی
حشر تُو نے جو یہ مجھ پر شبِ غم توڑ دیا

پھر مجھے آئے ترے کونسے وعدے کا یقیں
تُو نے جو عہد کیا کھا کے قسم۔ توڑ دیا

وہ مری لاش پر آکر بھی تو یہ پُوچھتے ہیں،
دَم چُرایا ہے کہ دَمباز نے دم توڑ دیا

یہ جفا کیسی ہے ظالم۔ وہ وفا کیسی تھی
اب کرم چھوڑ دیا۔ اور ستم توڑ دیا

ابتو دنیا سے بھی اُٹھا نہیں جاتا ہم سے
اِس قدر تُو نے ہمیں۔ اے تپِ غم۔ توڑ دیا

توڑنا کیا ہے مرے دل کا جب آیا دل میں
دے کے ابرو میں کسی شوخ نے خم۔ توڑ دیا

غیر سے پاؤں ہلائے وہ کہیں جاتے تھے
جب برابر مرے آئے تو قدم توڑ دیا

یہ زمیں۔ ایسی زمیں۔ اور پھر اِس میں اے قہرؔ
وہ غزل آپ نے لکھی کہ قلم توڑ دیا

کیوں نظر سے کام لیں وہ ابروئے خمدار کا
تیر سے لیں تیر کا۔ تلوار سے تلوار کا

سُن لیا ہے جب سے مژدہ اُس نے وصلِ یار کا
ہاتھ بھر کا ہے کلیجا ہجر کے بیمار کا

رُک کے چلتی ہے کبھی یہ چل کے رُکتی ہے کبھی
پھر بھی قاتل دم غنیمت ہے تری تلوار کا

جلوہ گاہِ ناز میں ہے اُسکو غش۔ اِسکو سکوت
حال وہ بیہوش کا ہے۔ حال یہ ہشیار کا

دل کو ڈھونڈیں زلف میں یا گوشۂ دامن میں آپ
اور کیا دُوں میں پتا ایسے خدائی خوار کا

رات بھر جاگا کئے ہم انتظارِ یار میں
ہائے وہ عالم ہمارے دیدۂ بیدار کا

دیکھئے میداں رہے آہ و نظر میں کس کے ہاتھ
ہو گیا ہے معرکہ تلوار سے تلوار کا

کر دیا ہے حشر کیوں برپا نگاہِ ناز نے
کیا کوئی آنکھوں میں تھا فتنہ تری رفتار کا

مجکو حیرت ہے چھپایا کیوں اُس سے میرا دردِ دل
دیکھکر صورت بتا دے حال جو بیمار کا

وار کرنا تیغِ ابرو سے تو آتا ہے تمھیں
بوجھ اُٹھ سکتا نہیں تم سے اگر تلوار کا

کیوں ابھی خاموش رہیئے اور پڑھیئے اک غزل
مہرؔ صاحب آپ کو توڑا انہیں اشعار کا

ہائے وہ مستانہ عالم اُس بُتِ میخوار کا
اور وہ اندازِ دل کش لٹ پٹی دستار کا

پُوچھتے ہیں حال کیا وہ عاشقِ بیمار کا
منتظر آنکھوں میں دم ہے آخری دیدار کا

کاٹتی ہے روزِ سروس بیس کا۔ دو چار کا
کیوں نہ مانے اِک جہاں لوہا تری تلوار کا

حشر سے سب ڈر رہے ہیں حشر سے ہم کیوں ڈریں
حشر تو دن ہے کسی کے جلوۂ دیدار کا

سب طرح کے خُوبرو ہیں ڈھنگ ہے سب کا الگ
پیار کا۔ اطوار کا۔ رفتار کا۔ گفتار کا

خنجرِ ابرو سے میرا کام تم کرنا تمام
چلتے چلتے دم اُکھڑ جائے اگر تلوار کا

چلدیا بیہوش کر کے جلوۂ دیدار سے
مانتا ہوں۔ واہ کیا کہنا مرے ہُشیار کا

اُس پہ بھی فرطِ ادب سے پانوں رکھتا نہیں
قابلِ تعظیم ہے سایہ تری دیوار کا

نام کو بُوئے وفا۔ رنگِ وفا تجھ میں نہیں
تُو کلی ہے کس چمن کی۔ پھُول کس گلزار کا

بہ گیا تو بہ گیا ہو کر لہُو دل ہجر میں
خیر کچھ ارماں تو نکلا دیدۂ خونبار کا

مہرؔ سے بے مہر کہدینے پہ برہم ہو گئے
خُوب یہ حیلہ نکالا آپ نے تکرار کا

ہجر کی شب کیا کہوں کیا حال تھا آزار کا
تارِ بستر بن گیا ڈورا مجھے تلوار کا

وار ہو اِک آہ کا اک ہو نگاہِ یار کا
امتحاں لازم ہے اِس تلوار اُس تلوار کا

اُنکو یہ دھڑکا کہیں مرنے سے یہ پھیرے نہ مُنھ
ہمکو یہ دعوٰی کہ ہم مُنھ پھیر دیں تلوار کا

گرمئی خونِ شہیداں رنگ لاکر ہی رہی
آبلہ ہے ایک اِک چھالا تری تلوار کا

وہ مرا اگر دل مجھکا نا تیرے آگے بار بار
وہ ترا ہر بار مجھ پر تولنا تلوار کا

تم نے کیوں باندھا ہے خنجر۔ تم نے کیوں باندھی ہے تیغ
وار کرتے ہیں حسیں تو حُسن کی تلوار کا

دیکھ لے بسمل ترا چہرے کے زخموں کی بہار
رکھدے اُسکے رُو برو اب آئینہ تلوار کا

کر رہے ہو مجھ سے کیوں تاکید ضبطِ آہ کی
سہل ہے کیا روکنا چلتی ہوئی تلوار کا

بوجھ سر کا ہم نے سر دے کر اُتارا عشق میں
لیکن احساں رہگیا سر پر تری تلوار کا

دیکھو اے قاتل وفا کہتے ہیں اِسکو اہلِ عشق
دم نکلتا ہے مگر بھرتا ہوں دم تلوار کا

جس سے دریائے محبت پار کرتے ہیں شہید
گھاٹ ہے وہ کونسا جو گھاٹ ہے تلوار کا

ایک میں کیا۔ قتلِ عالم کی تمنا ہے اِسے
اُف رے کس بل۔ اُف رے دم خم آپکی تلوار کا

مہر شمشیرِ سخن تو آپ کے بھی پاس ہے
آپ بھی تو جانتے ہیں باندھنا تلوار کا

اِس تڑپنے۔ لوٹنے۔ مرنے سے حاصل کیا ہوا
میں نے تڑپا یا نہ قاتل کو تو بسمل کیا ہوا

نامہ و پیغام پر جھگڑا یہ اے دل کیا ہوا
خط کے پُرزے آئے اُڑ کر خط کا حاصل کیا ہوا

آپ ہی نے چھین کر مجھ سے مِلایا خاک میں
آپ ہی پھر پوچھتے ہیں آپ کا دل کیا ہوا

کیوں چھُری پھرتی نہیں اب کیوں گلا کٹتا نہیں
کیا ہوا وہ زور اے بازوئے قاتل کیا ہوا

کل تو دیتا تھا ہمیں تو بے طلب جامِ شراب
آج وہ تیرا کرم ساقیٔ محفل کیا ہوا

اُف کسی کا پوچھنا مجھ سے وہ ترکِ عشق پر
کیا ہوئی وہ آنکھ تیری وہ ترا دل کیا ہوا

مار ڈالا مجکو اِس طرزِ جفا نے اور بھی
قتل کر کے پوچھتا ہے سب سے قاتل کیا ہوا

دیکھکر آئینہ پہلے تو رہے وہ دم بخود،
پھر کہا میں آپ اپنے سے مقابل کیا ہوا

اِسپہ کیوں بگڑے ہو۔ کیا اِسمیں بنایا تمکو جو
میں نے اِتنا ہی تو پوچھا تھا۔ مرا دل کیا ہوا!

ایک پہلو چین کا تھا وہ بھی اب باقی نہیں
بیقراری میں کلیجا دل کے شامل کیا ہوا

مِٹ گئی اُٹھتے ہی کس کے رونقِ بزمِ نشاط
عالمِ تصویر ہے محفل کی محفل۔ کیا ہوا!

مجھ سے کہدیتے کہ مِل لیں گے۔ ذرا سی بات تھی
وصل کا اقرار کرنا آنکو مشکل کیا ہوا

دیدیا دل دیکھتے ہی اُس بُتِ بے مہر کو
مہر کہیئے آپ کا وہ زعمِ باطل کیا ہوا

کیا کیا تم نے مرے دل کو اگر لوٹ لیا
لوٹنے والوں نے اللہ کا گھر لوٹ لیا

دوستی بھی تو ستمگر کی قیامت نکلی
جبکہ کی اُس نے محبت کی نظر لوٹ لیا

اُنکے کوچے سے یہ آواز چلی آتی ہے
ہائے دل لوٹ لیا ہائے جگر لوٹ لیا

یہ صفائی تری نظروں کی نرالی دیکھی
کہ اِدھر آنکھ ملائی تو اُدھر لوٹ لیا

میری آہیں بھی عبث میری دعائیں بھی فضول
اُنکی بیباک نگاہیں کبھی خالی نہ گئیں
اب کہاں دل میں کوئی بوُند لہُو کی باقی
تیری رفتار نے اندھیر مچا رکھا ہے

کہ نگاہوں نے تری اِن کا اثر لوُٹ لیا
دل اگر میں نے بچایا تو جگر لوُٹ لیا
تھا جو کچھ تُو نے وہ اے دیدۂ تر لوُٹ لیا
جو ملا اُس کو سرِ راہگذر لوُٹ لیا

مہر بن ٹھن کے پئے سیر جو نکلا ہے کوئی
ہر طرف سے یہی آتی ہے خبر لوُٹ لیا

توڑ کر دل، ہم کو ناکامِ تمنا کر دیا
کیا تماشا ہے۔ کسی کے جلوۂ دیدار نے
اُنکے ملتے ہی خوشی سے مر گیا اُنکا مریض
آپ پر مرتا نہ کوئی تو جلاتے کسکو آپ
ہو سکیں گے غیر کیا اپنے کہ تیرے عشق نے
جو نہ دیکھے تھے حسیں ہمکو دکھائے وہ حسیں
میرے نالے سے چلے گا کیا کسی کا بانکپن،
دل نہ اب پھیریں گے لے کر جانتے تھے یہ تو ہم
تُو بلائے جاں بھی ہے۔ غارتگرِ ایماں بھی ہے
اِک تری کافر نظر نے ڈھائیں ہر ہی آفتیں

کیا کیا یہ اے ستمگر تُو نے یہ کیا کر دیا
میری چشمِ شوق کو بھی اک تماشا کر دیا
وہ یہ سمجھے ہم نے آ کر اسکو اچھا کر دیا
آپ کو تو مرنے والوں نے مسیحا کر دیا
دل جو اپنا تھا اُسے بھی تو پرایا کر دیا
اُف رے شوقِ دید کس کس سے شناسا کر دیا
چرخِ کج رفتار کو بھی اِس نے سیدھا کر دیا
پھر بھی جب وہ مِل گئے اُنسے تقاضا کر دیا
اِک شبابِ حُسن نے اب تجکو کیا کیا کر دیا
درد پیدا کر دیا۔ آزار پیدا کر دیا

مہر یہ تم نے کیا کیا۔ نالے کر کے عشق میں
خود بھی رُسوا ہو گئے اُنکو بھی رُسوا کر دیا

بتا وہ کونسا میرے عدُو نے کام کیا
اگر تجھے بُتِ کافر کسی نے رام کیا
پیامبر نے ادا جب مرا پیام کیا
ادا ادا سے زمانے کی جان لی اُس نے
یہ کہکے ہم نے سُنایا کسی کو قصۂ ہجر

جو آج آپ نے جُھک کر مجھے سلام کیا
ہزار کام کا اُس نے یہ ایک کام کیا
مجھے یہ رشک ہوا اُن سے کیوں کلام کیا
نگہ نگہ سے ستمگر نے قتلِ عام کیا
اِدھر شروع کیا اَور اُدھر تمام کیا

جو بچ رہا تھا زمانے میں آسماں سے ستم
دعا۔ دوا مرضِ عشق میں ہوئی بیکار۔
جو ہم وفا میں۔ تو مشہور وہ جفا میں ہوئے
اب آئے حشر میں وہ اب ہُوا مجھے دیدار
وہ آکے دل میں یہ ارماں سے پوچھتے تو کبھی
دوبارہ شکوۂ دشمن پہ یہ کہا اُس نے
تری گلی میں رہی اِس طرح ہمیں گردش
بہارِ باغ کہاں اور ہم کہاں صیاد

جنابِ عشق نے وہ بھی ہمارے نام کیا
نہ اُس نے کام کیا کچھ نہ اِس نے کام کیا
کسی نے نام نکالا۔ کسی نے نام کیا
تمام دن اِسی اُمید میں تمام کیا
مقیم کیوں ہے یہاں کس لئے مقام کیا
وُہی کلام ہُوا پھر وُہی کلام کیا
جہاں سے کوچ کیا پھر وہیں مقام کیا
ہمیں تو پہلے ہی تو نے اسیرِ دام کیا

چلے بھی پھر تو یوں اُٹھ کر اُس گلی سے چلے
ٹھہر ٹھہر کے ہر اک گام پر قیام کیا

میں تو مرتا ہوں کہ بے جُرم و خطا مارا گیا
اِک نگاہِ ناز میں کیا آپ کا مارا گیا
آشنا مارا گیا۔ نا آشنا مارا گیا
جان اگر جاتی تو اچھا تھا کہیں جاتی بھی جان
پوچھتے ہیں قتل کر کے ہمکو وہ ایک ایک سے
حضرتِ دل عشق میں آوارگی اچھی نہیں
باغ کے پھیرے کئے لیکن قفس کے آس پاس
غیر نے آکر وہاں سے یہ دیا مجکو جواب
عشق کرنے کا دلِ مضطر یہی انجام ہے
کچھ مجھے معلوم ہو۔ تو میں بتاؤں ہمنشیں
سر سلامت رہ نہیں سکتا طریقِ عشق میں
تیری جنبش سے ہماری جان میں جان آگئی
اِس طرح میں نے محبت میں بسر کی زندگی

اُنکو پروا بھی نہیں۔ مارا گیا مارا گیا
ہاں مگر دیکھا جسے وہ مر مٹا مارا گیا
سامنے تیغِ ادا کے جو گیا مارا گیا
مجکو تو رونا ہے دل کا۔ دل بڑا مارا گیا
مر گیا اپنی قضا سے آپ۔ یا مارا گیا
کوہکن کہسار میں مارا پھرا۔ مارا گیا
کوئی چکر بھی نہ لے بادِ صبا مارا گیا
خط ترا گم ہو گیا۔ قاصد ترا مارا گیا
جو حسینوں کی ادا پر مر گیا۔ مارا گیا
مر رہا جا کر وہاں۔ یا دل مرا مارا گیا
یہ تو وہ رستہ ہے جو اسمیں چلا مارا گیا
کیا گیا تیرا لبِ جاں بخش کیا مارا گیا
مر مٹا۔ مرنے لگا۔ مرتا رہا مارا گیا

کھینچیئے اُس پر بھی خنجر لیجیئے اُسکی بھی جان
کیا عدو پر آپ کا حقِ جفا مارا گیا؟

مدعی تیغِ ستم سے جی بچا کر چل دئے
مہرؔ بیچارہ مگر۔ مارا پڑا۔ مارا گیا

میں کس طرح کہوں کوئی ارماں نکل گیا
کب دل سے تیرے تیر کا پیکاں نکل گیا

بر ہم وہ میرے دیدۂ گریاں پہ ہو گئے
طوفاں اُٹھا دیا ہے کہ طوفان نکل گیا

ہمکو کہاں تھی فرصتِ نظارۂ بہار
کی آستیں رفو۔ تو گریبان نکل گیا

خوفِ خزاں نے داغِ جنوں ہی مٹا دئے
دل میں جو تھا بہار کا سامان نکل گیا

کیا جانے اہلِ عشق پہ کرتا ہے کون ظلم
تیرا تو نام گردشِ دَوراں نکل گیا

ہم نامرادِ سیرِ چمن ہی نہیں جنوں
ہم سے ہزار کوس بیابان نکل گیا

کتنا ہے توڑ اِس ترے چھوٹے سے تیر کا
دل کیا جگر سے ناوکِ مژگاں نکل گیا

ہم نے اُسی کو عشق میں سمجھا مرادِ دل
دس بیس میں جو ایک بھی ارمان نکل گیا

بیٹھے بٹھائے مہرؔ کو اُچھلا یہ کیا جنوں
گھر سے جو آج سُوئے بیاباں نکل گیا

سخت جانی سے مری بیکار خنجر ہو گیا
اور یہ اُنکا نیا الزام مجھ پر ہو گیا

دیکھ کر تجھکو مرا دل اور مضطر ہو گیا
یہ ترا ملنا نہ ملنے کے برابر ہو گیا

جب کہا میں نے ستمگر اُنکو وہ بولے۔ چہ خوش
آپ کے کہنے سے کیا کوئی ستمگر ہو گیا

مجھ سے اُلفت ہے تمھیں۔ دشمن سے نفرت ہے تمھیں
ہو گیا۔ ہاں ہو گیا۔ یہ مجکو باور ہو گیا

اُسکو پہنچایا اسی نے آستانِ یار تک
میرے دل کا شوق میرے دل کا رہبر ہو گیا

کرتے رہیئے گا کرم بھی مجھ پہ چوتھے پانچویں
ورنہ کیا لطفِ ستم جب کوئی خوگر ہو گیا

ہو گئی جو کچھ جفا اُلفت میں مجھ پر ہو گئی۔
ہو گیا جو کچھ ستم فرقت میں دل پر ہو گیا

کیجیئے لطف و کرم یاد کیجیئے آزار و غم،
اب تو یہ دل آپ کا اے بندہ پرور ہو گیا

ہائے کب آئی ہے بیمارِ محبت کو اجل
وعدہ جب اُس نے کیا۔ وعدہ برابر ہو گیا

بہ گیا اِس سے چھلک کر اپنا آنسو ایک ایک
دیدۂ تر فرقتِ ساقی میں ساغر ہو گیا

تھی جو یکتائی کی شانِ حُسن رکھی رہ گئی، وہ پشیماں سامنے آئینہ رکھ کر ہوگیا

کیوں نہیں اے مہرؔ تجھکو خانہ ویرانی کا غم
کیا کسی بے مہر کے دل میں ترا گھر ہوگیا

میں اُسپہ دل سے جان سے قربان ہوگیا
پُورا ہزار میں جو اِک ارمان ہوگیا

گو دل میں ضبطِ گریہ سے طُوفان ہوگیا
پوشیدہ راز تو کسی عنوان ہوگیا

کیوں دم کا توڑنا مجھے آسان ہوگیا
کیا یہ بھی بے وفا ترا پیمان ہوگیا

آخر کو رہتے رہتے گریبان کے قریب
دستِ جنُوں ہی میرا گریبان ہوگیا

پیکاں کو دیکھتا ہے اِسے دیکھتا نہیں
کیا حال میرے دل کا مری جان ہوگیا

کرتے ہیں عُذرِ جور سے کیوں آپ منفعل
میں خود ہی شکوہ کرکے پشیمان ہوگیا

یہ میں ہی جانتا ہُوں دلِ خانماں خراب
ویران کر گیا ہے کہ ویران ہوگیا

ملتا ہے دل تو ہوتا ہے انساں مطمئن،
میں تم سے دل ملا کے پریشان ہوگیا

آتے ہی اُنکے اِسکی بھی صُورت بدل گئی
دل میں ہمارے اور ہی سامان ہوگیا

میرے نصیب میں غمِ جاوید بھی نہیں
میں اپنے اِس نصیب کے قربان ہوگیا

گردن اُٹھی نہ پھر بھی گنہگارِ عشق کی
بخشا جو تُو نے جُرم تو احسان ہوگیا

وہ کیوں نکالتے ہیں مجھے بزمِ ناز سے
میں کیا دلِ رقیب کا ارمان ہوگیا

جب دیکھو اِسکو ہے رُخِ روشن کے سامنے
آئینہ بھی تو اُن کا نگہبان ہوگیا

اپنی نگاہِ ناز سے تم کیوں نہ پُوچھ لو
میں کیا بتاؤں کیا مرا نقصان ہوگیا

نکلا نہ پھر کبھی مرے ارمان کی طرح
تیرِ نگاہ دل میں جو مہمان ہوگیا

آباد بیکسی سے یہاں تو شبِ فراق
کیونکر کہوں کہ گھر مرا ویران ہوگیا

اللہ رے مہرؔ آپ کی جادُو بیانیاں
جو شعر کہدیا وُہی دیوان ہوگیا

ردیفِ بائے موحدہ

یوں کہہ رہے ہو درد ترا بے نشاں ہے اب
دل سے ہٹاؤ ہاتھ تو کہدوں یہاں ہے اب

کیوں لطف کے عوض ستم ناگہاں ہے اب
پہلے جو آسماں تھا وہی آسماں ہے اب

کہتے ہو یہ کہ حُسن کا سودا گراں ہے اب
یہ بھی تو سوچو چاہنے والا کہاں ہے اب

پہلے تو بات بات پہ یہ گالیاں نہ تھیں
کیا آپکے دہن میں عدو کی زباں ہے اب

یہ کہہ کے چُپ کیا مجھے ظالم نے روزِ حشر
تیری زباں سے میری جفا کا بیاں ہے اب

مُٹھی عدو کی باندھکر اپنا دکھا کے ہاتھ
وہ مجھ سے پُوچھتے ہیں ترا دل کہاں ہے اب

اِس ڈر سے وہ نہ آئے دلِ بیقرار میں
سمجھے کہ زلزلے میں ہمارا مکاں ہے اب

تسکیں دے کے وہ تو بڑی چال کر گئے
مجکو خبر نہ تھی کہ مرا اِمتحاں ہے اب

روتے تھے ہم تو ایک ہی دشمن کی جان کو
اُسپر شریکِ حالِ عدو آسماں ہے اب

تم سے ملے تو خاک میں سب لُطف مِل گیا
وہ ولولہ۔ وہ شوق۔ وہ حسرت کہاں ہے اب

دیکھی ہے بزمِ ناز میں کوئی تو ایسی بات
میری طرح عدو بھی مرا بدگماں ہے اب

زندہ تھا دل تو مرنے کی تھی آرزو ہمیں
ہردم ہمارے لب پہ فغاں ہی فغاں ہے اب

دیتے ہم اُنکو دل کی طرح اپنی جان بھی
یہ کیوں نہ کہدیا کہ ترا امتحاں ہے اب

نیرنگئ چمن سے چمن کا یہ رنگ ہے
جس گُل کو دیکھتا ہوں وہ برگِ خزاں ہے اب

بے چین کرتے رہتے ہیں اسکے سلوک بھی
اپنی وفا پہ تیری جفا کا گماں ہے اب

اُسکو بھی ہجرِ غیر نے مجھ سا بنا دیا
بیتاب میں یہاں ہوں وہ مضطر وہاں ہے اب

ہم مرمٹوں کی قبر نہ پامال کیجئے
کوئی نشاں نہیں ہے بس اِتنا نشاں ہے اب

اِے مہرؔ لاگ بھی ہے اُسے کچھ لگاؤ بھی
نامہرباں جو تھا کبھی۔ وہ مہرباں ہے اب

میں ہوں گردش ہیں اِدھر اور اُدھر جامِ شراب
بن گیا ہے مری تقدیر مگر جامِ شراب

رات بھر کے لئے وہ جشن تھا مے خانے کا
نظر آیا نہ مجھے وقتِ سحر جامِ شراب

اے فلک یاد ہیں اُن مست نگاہوں کی مجھے
ہیں چھلکتے ہوئے یہ دیدۂ تر جامِ شراب

رحم ساقی کو نہ آیا۔ تو نہ آیا۔ مجھ پر
کر لیا تُو نے بھی پتھر کا جگر جامِ شراب

میکدے سے نہ تعلق ہے نہ ساقی سے غرض
جب سے آنکھوں میں سمائی ہیں وہ بدمست آنکھیں

میں اُدھر پھرتا ہوں پھرتا ہے جدھر جامِ شراب
ہم نے دیکھا ہی نہیں بھر کے نظر جامِ شراب

حضرتِ قہر کا ایمان نہیں جا سکتا
توبہ کر لی ہے۔ پیا بھی ہے اگر جامِ شراب

ہیں تو پیاری وہ ادائیں سب کی سب
قہر ہیں اُن کی ادائیں سب کی سب
وہ نہ مانیں بات۔ یہ ہے اور بات
اِس لئے زندہ ہوں میرے بعد اُنھیں
اُن اداؤں سے بچائے جان کون
ایک بھی دشمن کی قسمت میں نہ تھی
کیا نزاکت۔ کیا شرارت۔ کیا حیا
رحم مجھ پر اُن کو آپ آجائے گا
تیر بن جائیں گی ظالم کے لئے
جب سُنا یہ بند ہے بابِ قبول

کس طرح دل میں سمائیں سب کی سب
یہ جفائیں۔ وہ جفائیں سب کی سب
کر تو لیں ہم التجائیں سب کی سب
رنج دیں گی یہ وفائیں سب کی سب
بجلیاں دل پر گرائیں سب کی سب
آئیں مجھ پر ہی بلائیں سب کی سب
کُھب گئیں دل میں ادائیں سب کی سب
ہو چکیں گی جب جفائیں سب کی سب
دردمندوں کی صدائیں سب کی سب
ہو گئیں آہیں دعائیں سب کی سب

تم نے چاہا۔ تم نے چھیڑا اُسکو قہر
ہیں تمھاری ہی خطائیں سب کی سب

ہر گھڑی رہنے لگا ہاتھ میں خنجر کیا خُوب
سنبھلو سنبھلو کہ نکل جائے نہ ہاتھوں سے مزاج
آپ کو میری کسی بات کا آئے نہ یقیں
طعن اِسے سمجھوں کہ تعریف بھلا کیا سمجھوں
ابھی راضی تھے۔ ابھی ہو گئے مجھ سے ناراض
اِس کا مُنہ دیکھو۔ ذرا اِس کا کلیجا دیکھو
زلف برہم بھی نہیں جس سے سنواری جاتی

ہو گیا نام ترا شوخ ستمگر کیا خُوب
تم تو آپے سے ہوئے جاتے ہو باہر کیا خُوب
اور ہو مجکو سخن آپ کا باور کیا خُوب
وہ کہے جاتے ہیں ہر بات کو سُنکر کیا خُوب
بات کرنے میں بگڑ جاتے ہیں تیور کیا خُوب
آئینہ رہنے لگا اُن کے برابر کیا خُوب
وہ اُٹھاتے ہیں اُسی ہاتھ سے خنجر کیا خُوب

پھر کچھ زور ہے ۔ اُٹھئے ۔ نہیں ملتا کوئی
آپ تو بیٹھے ہیں دھنّا دئے در پر کیا خوب

ہو جو منظور امتحانِ رقیب — لیجئے دل سے پہلے جانِ رقیب
پوچھتا کون اُسے زمانے میں — تم بڑھاتے اگر نہ شانِ رقیب
اِس قدر میں ہوں عشق میں بدظن — مجھکو تم پر بھی ہے گمانِ رقیب
میری آہوں نے کر دیا برباد — مل چکا اب تمھیں نشانِ رقیب
کیا وہ کھولے گا مُنھ مرے آگے — بند ہو جائے گی زبانِ رقیب
آتے آتے کدھر گیا کوئی — ہے سرِ راہ کیا مکانِ رقیب
آپ کا دوست ہے ۔ مرا دشمن — ہے یہ کیا خوب چیستانِ رقیب
میں پھروں تجھ سے تو خدا سے پھروں — قول میرا نہیں بیانِ رقیب
آپ تعریف کر چکے اُس کی؟ — سُنیئے اب مجھ سے داستانِ رقیب
ایک عالم کی جان لی تم نے — کیوں نکالی گئی نہ جانِ رقیب

پھر اِسی بات پر وہ بگڑے ہیں
کیوں کہا اُن کو مہربانِ رقیب

ردیفِ بائے فارسی،

جذبِ اُلفت جو دکھائے گا اثر آپ سے آپ — وہ چلے آئیں گے کھنچکر مرے گھر آپ سے آپ
دمِ نظّارہ پھرے ہیں وہ جدھر آپ سے آپ — پھر گئی دیکھنے والوں کی نظر آپ سے آپ
ہو گیا عشق و محبت کا اثر آپ سے آپ — آپ ہی آپ اُدھر اور اِدھر آپ سے آپ
آپ رکھیں تو سہی ہاتھ مرے سینے پر — اُبھر آئیں گے مرے داغِ جگر آپ سے آپ
اُس نے کیا تیز نگاہوں سے اِدھر دیکھا ہے — دل ہوا ہے ہدفِ تیرِ نظر آپ سے آپ
حالِ غم کی مرے ہوتی نہیں کیوں اُنکو خبر — دل کی ہوتی ہے اگر دل کو خبر آپ سے آپ
دیکھ قاتل رہِ تسلیم اِسے کہتے ہیں — تیغ اُٹھتے ہی جھکا ہے مرا سر آپ سے آپ

وہ چھپاتے ہی رہے اور یہ مشہور ہوئی
اُڑ گئی غیر سے ملنے کی خبر آپ سے آپ

شرم سے نیچی رہیں گی وہ نگاہیں کب تک
مل ہی جائے گی کسی روز نظر آپ سے آپ

جس قدر خاک اُڑائی تھی وہاں ڈھیر ہوئی
بن گیا کوچۂ دلدار میں گھر آپ سے آپ

کیوں بگڑتے ہو تمھیں قہر نے کب دیکھا ہے
اچھی صورت پہ تو پڑتی ہے نظر آپ سے آپ

کام لیتے ہی نہیں کچھ اپنے اِحسانوں سے آپ
دل میں بھی آئے تو آئے کتنے ارمانوں سے آپ

لطف جب ہے ایک کی نیچی نظر ہو ایک سے
ہم وفاؤں سے کریں شرمندہ اِحسانوں سے آپ

میں نے چھیڑا اُنکی زلفوں کو تو وہ کہنے لگے
چھیڑ کیوں کرتے ہیں ناحق اِن پریشانوں سے آپ

پاس رہنے میں بھی ہو جاتا ہے اُلفت کا اثر
بچتے رہیئے گا ذرا اپنے نگہبانوں سے آپ

غیر بھی انساں ہیں کچھ وہ فرشتے تو نہیں،
ہو کے رشکِ حور کیوں ملتے ہیں انسانوں سے آپ

آیئے دل میں تو ارمانوں کو میں رخصت کروں
ہر طرح بڑھکر ہیں مجھکو میرے مہمانوں سے آپ

کیوں جناب قہر اُسکو دیکھ کر گھبرا گئے
کام لیتے کچھ تو اپنے تازہ اوسانوں سے آپ

کیا جوانی نے سنوارا رنگ رُوپ
رنگ لایا ہے تمھارا رنگ رُوپ

ہو گئی تمکو رقیبوں کی نظر
لُٹ گیا محفل میں سارا رنگ رُوپ

کیوں نہ دیکھوں چاند سورج کی طرف
مانگ لائے ہیں تمھارا رنگ رُوپ

میری نظروں میں وہ عالم کھپ گیا
بن گیا آنکھوں کا تارا رنگ رُوپ

ہے جوانی کی جوانی تک بہار
آ نہیں سکتا دوبارا رنگ رُوپ

اپنی صورت پر تصدّق تم بھی ہو،
تم پہ صدقے ہے تمھارا رنگ رُوپ

کیوں نہ آئے پیار تجھکو دیکھ کر
پیاری صورت ہے پیارا رنگ رُوپ

کہہ رہا ہے اُنکا بچپن آج قہر
دیکھنا اک دن ہمارا رنگ رُوپ

ردیفِ تائے فوقانی

کبھی نہ آپ نے کی بانکپن سے خالی بات
ستم ہے تیرے لئے کھیل اور گالی بات
جو دل دیا تھا تو اپنا جگر بھی دیدیتے
وہ چُپ تھے محفلِ دشمن میں کوئی بات نہ تھی
سوالِ وصل یہ ظالم نے کس صفائی سے
الٰہی اُنکے فرشتے تو میرے ساتھ نہیں
خدا کے واسطے اِنکار وصل سے نہ کرو
نہو سکے گا کسی کے کئے سے کچھ ناصح
تری نگہ نے اُڑا ہی لیا تھا دل میرا
عُدو کے بھیس میں سب حالِ ذوق و شوق کہا

نرالے آپ ہیں۔ ہے آپ کی نرالی بات
اُسی کی بات ہے جس نے تری اُٹھالی بات
یہ ایسی بات ہی کیا تھی جو تم نے ڈالی بات
مگر ہمیں نے انھیں چھیڑ کر بڑھالی بات
عُدو کے ہجر کا افسوس کر کے ٹالی بات
اُدھر بھی بچ گئی مُنھ سے اِدھر نکالی بات
تمھارے ہونٹھ ہلے اور ہم نے پالی بات
کہ ہو کے رہتی ہے آخر کو ہونے والی بات
خدا نے خیر کی۔ بگڑی ہوئی بنالی بات
بڑی ہی گھات سے ہم نے وہاں جمالی بات

وہ سوچ کر بھی کسی کا جواب دے نہ سکا
جنابِ مہر نے ہر بات میں نکالی بات

بھُولنے کی نہیں یہ مُرغِ گرفتار کی بات
دل میں کیوں زخم نہ ڈالے نگہِ یار کی بات
پُوچھ لے چل کے بتادے گی قیامت تجکو
دل ہی ٹھہرا ہے تری ایک نظر کی قیمت
پھانس کر زلف دلِ زار کو بل کی پھر لے
کرکے پیمان وہ جس وقت مکر جاتے ہیں
کچھ کہا میں نے تو مُنھ پھیر لیا کیوں تم نے
روز جھگڑے جو اِسی طرح رہیں گے تجھ سے
شکوۂ غیر کیا جب تو کہا جھنجلا کر

رہ گئی ساتھ ہی گلزار کے گلزار کی بات
بات بھی تیغ کی۔ پھر تیغِ ستمگار کی بات
جانتی ہے وہ تری شوخیِ رفتار کی بات
اِس نے بازار میں رکھی ہے خریدار کی بات
پہلے پُوچھے تو ذرا اپنے گرفتار کی بات
بات اِقرار کی ہوجاتی ہے اِنکار کی بات
کیا اُدھر سُنتے تھے بیٹھے ہوئے دیوار کی بات
آئے دن جائے گی دربانِ دلدار کی بات
بس جی بس۔ ہم نہ سنیں گے کوئی تکرار کی بات

کیوں نہ مسرور رہو۔ مغرور رہو۔ وہ اے ساقی
ایک ساغر سے بنے جب کسی میخوار کی بات

وہ جگا کر مجھے آنکھوں سے ہوئے ہیں اوجھل
خواب میں بھی جو ہوئی ہے کبھی دیدار کی بات

کیا کریں کرتی ہے اُنکو تو محبت مجبور
اُنسے ڈالی نہیں جاتی کبھی اغیار کی بات

ہجر میں دُھوم مچائے کو بُرا کہتا ہے
ہے زمانے سے نرالی مرے غمخوار کی بات

جب اُٹھا ہے وہ اُٹھائے ہیں جہاں سے لاکھوں
کبھی یعنی نہ پڑی خنجرِ دلدار کی بات

مہرؔ دل سے جو اسے لوگ پڑھیں اور نہیں
ایسی کیا تیری غزل ہے کوئی اخبار کی بات

تھی قیامت کی بیقراری رات
ہات دل پر رہا ہے ساری رات

چشمِ بیمار کے تصور میں
دلِ بیمار پر بھی بھاری رات

یہ خبر آپ کو بھی ہے کہ نہیں
کوئی کرتا تھا آہ و زاری رات

یاد ہے وصل کا سماں ابتک
وہ سُہانی وہ پیاری پیاری رات

کوئی کیونکر جیئے گا فرقت میں
دن چھری ہے تو ہے کٹاری رات

کی سحر تو نے شمع رو رو کر
یوں گزاری تو کیا گزاری رات

تم رہو شاد ہم رہیں ناشاد
اِک ہماری ہو اِک تمہاری رات

وہ نہ آئے تو ہم نے فرقت میں
کیا کہیں کس طرح گزاری رات

مہرؔ کو دیکھ کر کہا اُس نے
آپ رہتے کہاں ہیں ساری رات!!

اب نہ دینا مجھے غم بارِ دگر ہجر کی رات
تو ہی جانے گی پھر آئی جو اِدھر ہجر کی رات

اور ہوتا ہے سوا دردِ جگر ہجر کی رات
شام سے کرتے ہیں مر مر کے سحر ہجر کی رات

موت سے کم نہیں ایک ایک گھڑی میرے لئے
جان آجائے وہ آجائیں اگر ہجر کی رات

وہ تو اے دل گئے ہنستے ہوئے اغیار کے گھر
تیرے نالوں نے کیا خاک اثر ہجر کی رات

میں شبِ وصل یہ اِترا کے کہا کرتا ہوں
بھول کر اب کبھی آئے نہ اِدھر ہجر کی رات

سرنگوں غم سے ہوں یا مجھ پہ فلک ٹوٹ پڑا
کہ اٹھائے سے بھی اٹھتا نہیں سر ہجر کی رات

وہ اُدھر جانے نہ پائے یہ اِدھر آ پہونچی
جیسے باندھے ہوئے بیٹھی تھی کمر ہجر کی رات

پھر کیوں ایسے پریشان ہوئے جاتے ہو
آخر انسان ہی کرتے ہیں بسر ہجر کی رات

آغاز ہیں کیونکر کھُلے انجامِ محبت
کچھ صُبحِ محبت تو نہیں شامِ محبت

دَم دیتے ہیں گھُٹ گھُٹ کے یہ دامِ محبت
یہ کام بڑا کرتے ہیں ناکامِ محبت

سمجھے کوئی کیا اُسکو سے آشامِ محبت
جس نے کبھی چھُو تو نہ پیا جامِ محبت

ہم عشق میں تکلیف اُٹھا کر ہی جئیں گے
دشمن کو مُبارک ہے آرامِ محبت

ہر وقت مری یاد میں ہر دم ہیں نظر میں
اللہ رے ۔ اللہ رے اِنعامِ محبت

جب پُوچھتے ہیں مجھ سے وہ کیا نام ہے تیرا
کہتا ہُوں جگر تھام کے بدنامِ محبت

اغیار پہونچ جائیں نہ گر بڑھ کے ہا تک
اُونچا ہوا ابھی اور ذرا بامِ محبت

عاشق ہیں کہ معشوق ہیں کوئی نہ رہیں گے
رہجائے گا دُنیا میں فقط نامِ محبت

عاشق جو کسی پر ہو تو معلوم ہو ناصح
یہ رنج محبت ہیں یہ آلامِ محبت

کس طرح کروں ترکِ وفا مجکو یہ ڈر ہے
بدنام نہ ہو جائے کہیں نامِ محبت

اللہ اثر دے مرے قاصد کے بیاں میں
کہنا ہے کسی سے اُسے پیغامِ محبت

پھر پھر نہ کیوں چھیڑ کے ہر بات یہ سُنئے
معشوق کی گالی تو ہے دُشنامِ محبت

تمکو ہو میرے مِلنے کا ارماں بجا درُست
جی ہاں بجا درُست ہے ۔ جی ہاں بجا درُست

چُبھتی نہیں ہیں آپ کی مژگاں بجا درُست
میں نے ہی دل میں توڑ کے رکھے ہیں پیکاں بجا درُست

تم اور مجھ سے وصل کا پیماں بجا درُست
ہاں یوں کہو تو کہدوں کہ ہاں ہاں بجا درُست

نکلے ہیں اپنے گھر سے وہ میرے ہی واسطے
میرے ہی گھر تو آئیں گے مہماں بجا درُست

سچ ہے وہ تم پہ آپ ہی قربان ہو گئی
تم تو نہیں تھے جان کے خواہاں بجا درُست

تم اور تم سے ہو مجھے اُمیدِ وصل کی
دل اور دل سے نکلے یہ ارماں بجا درُست

پاسِ ادب سے حضرتِ ناصح کی بات پر
کہتا ہوں ہاتھ باندھ کے ۔ جی ہاں بجا درُست

تکلیف آسمان سے کرتے ہیں کیوں مسیح
ہو اُن سے میرے درد کا درماں بجا درست

روکوں جو اشک ناصحِ ناداں تو فائدہ
تھم جائیں میرے دیدۂ گریاں بجا درست

مجھ سے وفا مہر کے وعدے غلط دروغ
تیرا عُدو سے وصل کا پیماں بجا درست

اے مہر کچھ وہ کہتے تو کھلتا بھی حالِ دل
تکیہ کلام اُنکا رہا۔ ہاں۔ بجا درست

جان کھونی ہے ترے عشق میں آساں بہت
مشکلیں یہ ہیں تو ہو جائیں گے قرباں بہت

اُٹھ کے تم صبحِ شبِ وصل کہاں جاتے ہو
حسرتیں دل میں بہت ہیں ابھی ارمان بہت

پانو پر اُن کے گرا میں جو گرا غش کھا کر
جا کرا وساں ہے ہیں مرے اوسان بہت

کیوں نکلتا نہیں اب خارِ تمنا دل سے
کہ کھٹکنے کے لئے ہیں ترے پیکان بہت

وادیِ عشق کی راہوں سے خبردار نہیں
حضرتِ خضر نے چھانے تو بیاباں بہت

وہ ستمگر نہ ستم سے کہیں توبہ کر لے
دیکھ کر مجھکو وفاؤں سے پشیمان بہت

خُلد میں حور کی جانب ہو کشش کیا دل کو
اُس سے اچھے نظر آئے مجھے انسان بہت

کیا کہا پھر کہو۔ ارمان تمھارا کیا ہے
جان کر تم تو بنے جاتے ہو انجان بہت

ہجر کے دن کی مصیبت کو اُٹھاؤں کس پر
میرے سر پر ہیں شبِ وصل کے احسان بہت

دیکھ کر اُنکو نہ کہتا ہے نہ کچھ سُنتا ہے
آپ ہی آپ ہوا آئینہ حیران بہت

کیا ہوا زلف سے اُلجھے کہ لڑے دشمن سے
آپ آتے ہیں نظر آج پریشان بہت

وصل قسمت میں لکھا ہے تو نہیں غم اے مہر
خود بخود ملنے کے ہو جائیں گے سامان بہت

ردیفِ تائے ہندی

اُف ترے خنجرِ ابرو کا اشارا جھٹ پٹ
ایک ہی وار میں دو چار کو مارا جھٹ پٹ

روز کے جور اُٹھائے دلِ محزوں کب تک
جان لینی ہے تو لے لے ستم آرا جھٹ پٹ

یا تو دل پھیر دیئے یا دیجئے دل کی قیمت
فیصلہ کیجئے للّٰہ ہمارا جھٹ پٹ

گرتے ہی خاک میں کیوں اشک ہمارے پلتے — دستِ مژگاں اِنھیں دیتا جو سہارا جھٹ پٹ

وصل کی رات تو لے چرخ کٹی باتوں میں — ہجر کا دن بھی کبھی تو نے گزارا جھٹ پٹ

محفلِ ناز میں قدموں پہ گرا میں جو کبھی — اُس نے گھبرا کے رقیبوں کو پکارا جھٹ پٹ

عُمر بھر جلتے ہیں اِس آگ میں جلنے والے — سوزِ غم کا کہیں بجھتا ہے شرارا جھٹ پٹ

تم جو بگڑو تو بگڑ جائے زمانہ فوراً — تم بناؤ تو بنے کام ہمارا جھٹ پٹ

حسرتِ قتل ترے کُشتوں کی اللہ اللہ — پھر کبھی خواہش ہو کہ زندہ ہوں دوبارا جھٹ پٹ

میری میت پہ بھی تم آئے بڑی دیر کے بعد — دفن کر کے بھی کیا تم نے کنارا جھٹ پٹ

چمکی جلوے کی جو اُس روزنِ در سے بجلی — کر لیا دیکھنے والوں نے نظارا جھٹ پٹ

بحرِ اُلفت کا کنارا تھا بہت دُور مگر — میری ہمت نے مجھے پار اُتارا جھٹ پٹ

قہر سے مہر کے برتاؤ تو برسوں نہ کئے — ہو گیا غیر مگر آپ کا پیارا جھٹ پٹ

دل کی دبی تو اُبھری ہمارے جگر کی چوٹ — یہ دیکھ چارہ گر اِدھر آئی اُدھر کی چوٹ

یوں کیا بتاؤں کیسی ہے تیرِ نظر کی چوٹ — دیکھے اگر کوئی تو دکھاؤں جگر کی چوٹ

پھوڑا کسی سے سر کبھی پھوڑا کسی سے سر — مجھ پر اُچٹ کے آگئی دیوار و در کی چوٹ

اُلفت میں اور کون کرے گا مقابلہ — دل ہی اُٹھائے گا نگہِ فتنہ گر کی یہ چوٹ

فرہاد تو نہیں ہوں جو ظاہر ہو چارہ گر — کیا میرے دل کی چوٹ بھی ہے اُسکے سر کی چوٹ

دل میں ہے اِسکا زخم جگر میں ہے اِسکا داغ — خالی گئی نہ کوئی تمہاری نظر کی چوٹ

واعظ پھر ایسی بات کے کہنے سے فائدہ — جس سے لگے کسی کے نہ دل پر اثر کی چوٹ

دل میں بٹھا کے ناوکِ مژگانِ یار کو — ہم نے اُٹھائی قہر یہ اِک عُمر بھر کی چوٹ

ردیفِ ثائے مُثلثہ

اُس جفاکار سے ہے وصل کا اِصرار عبث — یہ ترا شوق۔ تری ہٹ ہے دلِ زار عبث

جب اسے جانتے ہو تم کہ ہے بیکار عبث
پھر وفا تم سے کرے کوئی وفادار عبث

ناوکِ ناز کے بسمل یونہیں مرجائیں گے
اِن غریبوں پر اُٹھاتے ہیں وہ تلوار عبث

دل ہی رکھنا نہیں آتا جو کسی کا تم کو
دل کے گاہک ہو عبث دل کے خریدار عبث

قصۂ روزِ جزا کون سُنے گا ناصح
آپ ہوتے ہیں اِسے کہکے گنہگار عبث

اِس سے ہوتی ہے مریضانِ محبت کو شفا
لوگ کہتے ہیں تری آنکھ کو بیمار عبث

کوئے اُلفت میں یہیں لوگ مٹے جاتے ہیں
تم دکھاتے ہو اُنھیں شوخیٔ رفتار عبث

حُور و کوثر پہ تو تم جان دیئے دیتے ہو
زاہدو ہے مے و معشوق سے انکار عبث

چشمِ عاشق سے ملے دیدۂ عاشق سے ملے
چھُپتی پھرتی ہے دلوں میں نگہِ یار عبث

جب یہ عادت ہے کہ تم وعدہ کرو اور نہ آؤ
کرلیا کرتے ہو پھر وصل کا اقرار عبث

دشمنوں سے کبھی ہوگی نہ وفا یاد رہے
مُنہ لگایا ہے اُنھیں آپ نے سرکار عبث

کوئی مصرع نہیں معیارِ محبت سے الگ
منتخب کرتے ہیں وہ مہر کے اشعار عبث

یہ کیوں ہے ظلم مجھ پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث
بتا تو اے ستمگر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کبھی تیری جبیں سے ہم نے بل مٹتے نہیں دیکھے
کھچے رہتے ہیں تیور کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

مرے دل کی تمنا تو نہیں ہے مُہرِ خاموشی
وہ چُپ ہیں اِسکو سُنکر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کبھی بھولے سے تم نے ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر
یہ پوچھا کیوں ہو مضطر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

اُنھیں میں دیکھ کر حیراں۔ مجھے وہ دیکھ کر حیراں
نہیں کھلتا کسی پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

عُدو کی بزم میں جاتے ہو ہمسائے میں آتے ہو
نہیں رہتے مرے گھر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

جو کچھ مجھ پر محبت میں گزرتی ہے۔ گزرتی ہے
کہوں اے بندہ پرور کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

زباں سے حرفِ مطلب تو رقیبوں نے نکالا تھا
چھُری نکلی ہے مجھ پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کہو اے مہرِ اُلفت میں تمھارا حال کیسا ہے
رہا کرتے ہو مضطر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

ردیفِ جیم تازی

کیا وعدۂ فردا کا مجھے آئے یقیں آج
جب کل کی تمہاری وہ نگاہیں نہ رہیں آج

دشمن نے کیا ہے ترے کچھ ذہن نشیں آج
ہم تاڑ گئے وہ تری نظریں ہی نہیں آج

نکلیں گے تو ہم مر ہی کے نکلیں گے یہاں سے
چھٹتی ہے کوئی آپ کے کوچے کی زمیں آج

کیا تفرقہ ڈالا ہے محبت نے الٰہی
میں اور کہیں دل ہے مرا اور کہیں آج

کرنے ہیں کچھ اس بت کو مجھے شکر کے سجدے
مل جائے تو مانگوں کسی زاہد کی جبیں آج

میں حشر میں دل اپنا طلب کر کے تو دیکھوں
ہاں منہ سے نکلتی ہے تمہارے کہ نہیں آج

کندہ بس اسی پر ہے ترا نقشِ محبت
یہ دل بھی ہمارا ہے سلیماں کا نگیں آج

مانگی تھیں دعائیں تری شوخی کی ہمیں نے
کرتے ہیں شرارت کی شکایت بھی ہمیں آج

ہے آپ کے ملنے کا کوئی دن بھی مقرر
جس روز گئے ہم تو سنا گھر میں نہیں آج

دوہرا شبِ فرقت ہے الم جانِ حزیں پر
وہ میرے قریں آج نہ دل میرے قریں آج

یا رب مرے انکے لئے کیوں آئے قیامت
ہونا ہے جو کل حشر میں ہو جائے یہیں آج

کیا تم اسی خنجر سے مجھے قتل کرو گے
بیٹھے ہو بڑی دیر سے کیوں چیں بجبیں آج

وہ مہر تھا جس نے ترے آزار اٹھائے
اب نازِ اٹھائے کوئی اتنا بھی نہیں آج

ہو نرالے اِک شخص کیا نازنیں نازک مزاج
اور دنیا میں نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

پھرتے ہیں آنکھوں میں پھرتے ہیں نگاہِ شوق میں
اور ہیں پھر دلنشیں کیا نازنیں نازک مزاج

وصل میں پاسِ نزاکت سے نکلنا قہر تھا
حسرتیں دل میں نہ تھیں کیا نازنیں نازک مزاج

جھک گئی جس وقت پھر یہ جھک کر اٹھتی ہی نہیں
ہے نگاہِ شرمگیں کیا نازنیں نازک مزاج

قتل پر کیوں تیغ اٹھانے میں تامل ہے تمہیں
ہم نے دیکھے ہی نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

جان نکلی جسم سے تو پھر نہ آئی جسم میں
اس مکاں کا ہے مکیں کیا نازنیں نازک مزاج

ہم نے دیکھے ہم نے چاہے ہم نے برتے ہیں بہت
کیا حسیں کیا مہ جبیں کیا نازنیں نازک مزاج

بارِ غم کا بھی اُٹھانا اِس کو مشکل ہو گیا
ہے دلِ اندوہگیں کیا نازنیں نازک مزاج
قتلِ دشمن سے تجھے اغماض کیوں ہے اس طرح
تیغ اُٹھ سکتی نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

حالِ دل سُن کر تو ہو جاتا ہے پیدا سر میں درد
پھر کہے مہرِ حزیں کیا نازنیں نازک مزاج

ہے مری بیماریٔ غم لاعلاج
چارہ گر کیسی دوا کیسا علاج
سوچتے ہیں جو مرے دل کا علاج
سب سے پہلے وہ کریں اپنا علاج
ٹالتے ہو کیوں مریضِ ہجر کو
صاف کہدو ہو نہیں سکتا علاج
جانتا ہوں میں ضرور آئیں گے وہ
دل کی بیتابی کا لیکن کیا علاج
ڈالدی جس پر نظر وہ مر گیا۔
یہ نکالا آپ نے اچھا علاج
جان کھو کر ہجر میں پائی شفا
آپ ہم نے کر لیا اپنا علاج
وہ یہاں آئے ہیں لے کر غیر کو
کیا نکالا ہے شکایت کا علاج
کہتے ہیں۔ ہم تجکو اچھا کر دیں
تُو ہوا اچھا تو پھر تیرا علاج
اِک مریضِ غم نہ اچھا ہو سکا
جائیے بس آپ کا دیکھا علاج
آج وہ کرتے ہیں مجھ سے عہدِ وصل
کل مکر جائیں تو اسکا کیا علاج

دردِ الفت مِٹ نہیں سکتا کبھی
مہرؔ صاحب یہ مرض ہے لاعلاج

ردیفِ جیم فارسی

سہہ سکا دل بھی نہ آخر نگہِ یار کی آنچ
سچ تو یہ ہے کہ بُری ہوتی ہے تلوار کی آنچ
جل بجھے سیکڑوں آزار اُٹھانے والے
نہ بجھی پھر بھی ستمگر ترے آزار کی آنچ
لے ذرا سینک دے تو ہی مرے دل کی چوٹیں
کہ ترے پاس تو ہے شعلۂ رُخسار کی آنچ
میں نے سو بار بچانے کو بچایا لیکن
دل پر آہی گئی برقِ نگہِ یار کی آنچ
سوزِ دل۔ داغِ جگر۔ رشکِ عُدو۔ آتشِ ہجر
جی جلاتی ہے ہمارا اِنھیں دو چار کی آنچ

دیکھ اے چرخ ذرا دور ہی رہنا اس سے / پھونک ہی دے گی مری آہِ شرربار کی آنچ
اس کے آگے کوئی ٹھہرے گا تو ہم ٹھہریں گے / غیر سے اٹھ نہ سکے گی تری تلوار کی آنچ
خاک کر دے نہ مرے دل کو جلا کر یارب / آنچ پھر آنچ بھی عشقِ بتِ عیار کی آنچ

قہر کے سینے پہ تم ہاتھ سنبھلکر رکھنا
ہے بہت شعلہ فشاں داغِ دلِ زار کی آنچ

ردیفِ حائے حطی

یوں تو ہونے کو شبِ غم کی بھی ہو جاتی ہے صبح / ہو کے لیکن تیرے بیماروں کو رو جاتی ہے صبح
کون کہتا ہے شبِ غم جلد ہو جاتی ہے صبح / جس قدر میں جاگتا ہوں اتنی سو جاتی ہے صبح
وصل کی شب بھی نکلتی ہیں کہاں سب حسرتیں / جلد انکے عارضِ روشن سے ہو جاتی ہے صبح
اور بڑھ جاتی ہے کچھ آرائشِ صحنِ چمن، / گریۂ شبنم سے یوں موتی پرو جاتی ہے صبح
ہجرِ ساقی میں جو روتا ہوں صبوحی کے لئے / اشکِ حسرت سے مرے ساغر کو دھو جاتی ہے صبح
شامِ وصل آئے گی پھر بھی میں اسے کیوں نہ لوں / دوسرے دن وہ نہیں آتی ہے جو جاتی ہے صبح
آ کے تنہا میرے گھر انکو بھی لیجاتی ہے ساتھ / کیا غضب ہے ایک آتی ہے تو دو جاتی ہے صبح
ہجر کی راتوں میں مجکو تو مدد دیتی نہیں، / پردۂ ظلماتِ شب میں آپ سو جاتی ہے صبح
اور بڑھ جاتی ہے دن کو خارِ حسرت کی کھٹک / یہ ہمارے حق میں کانٹے خوب بو جاتی ہے صبح
جلد یا کرتے ہیں خوابِ ناز سے وہ جاگ کر / صبح ہوتے ہی ہمارے گھر میں ہو جاتی ہے صبح
قہر کرتی ہے کرن سورج کی میری جان پر / ہجر میں یہ اور بھی نشتر چبھو جاتی ہے صبح
وقتِ رخصت انکا بن جاتا ہے موجِ بحرِ غم / مجکو سیلِ اشک میں آ کر ڈبو جاتی ہے صبح
چونکنا دشوار دونوں کا ہوا فرقت کی رات / جس طرح تقدیر سو جاتی ہے سو جاتی ہے صبح

شامِ غم کی تیرگی کو دور کر دیتا ہے یہ
کیا سمجھ کر قہر سے روپوش ہو جاتی ہے صبح

عشقِ دشمن میں وہ کرتے ہیں فغاں میری طرح / ناز اٹھتے ہیں مگر ان سے کہاں میری طرح

کس سے ہو سکتی ہے فرقت میں فغاں میری طرح
کون اُٹھا سکتا ہے سر پر آسماں میری طرح

التجائے شوق سُنکر کچھ تو دو مجکو جواب،
تم بھی آخر منہ میں رکھتے ہو زباں میری طرح

ڈھونڈتے ہو سب میں کیوں طرزِ وفا حُسنِ مزاج
غیر ممکن ہے کہ ہو سارا جہاں میری طرح

اُس نے آہِ سرد و اشکِ گرم پر مجھ سے کہا
تم یہ کیوں کرتے ہو ٹھنڈی گرمیاں میری طرح

دُور رہوں اُنسے تو میں ہوں وہ تو اُنکے پاس ہے،
جاگتا ہے رات بھر کیوں پاسباں میری طرح

بات کرنے کا سلیقہ بھی اِسے آتا نہیں،
ہو چکا قاصد سے حالِ دل بیاں میری طرح

میں نے پوچھا۔ آسماں سا بھی ستمگر کوئی ہے
بولے۔ کیا ہو گا ستمگر آسماں میری طرح

عشق میں برعکس ہے یوں بیقراری و سکوں
میں یہاں اُنکی طرح ہوں وہ وہاں میری طرح

تُو نے اگر دل لیا۔ میں نے بُلا کر دل دیا
میہماں تیری طرح ہو میزباں میری طرح

یہ بھی کیا عاشق تمھارا ہے کہ ٹلتا ہی نہیں
جم گیا کیوں در پہ سنگِ آستاں میری طرح

تمکو رکھے گا نگاہوں میں نہ لیجاؤ اِسے
ہے دلِ بد ظن بھی میرا بد گماں میری طرح

چلبلے اشعار سُنکر مہر سے کہتا ہے وہ
آپ بھی لیتے ہیں دل میں چٹکیاں میری طرح

ردیفِ خائے معجمہ

ہیں اور بھی دُنیا میں بہت ماہ لقا شوخ
لیکن کوئی تجھ سا تو نہ دیکھا نہ سُنا شوخ

انداز نہ کم شوخ نہ کم تیری ادا شوخ
وہ اِس سے سوا شوخ ہے یہ اُس سے سوا شوخ

آفت ہے ترا حُسن۔ قیامت تری آنکھیں
پھر اُس پہ غضب ہے نگہِ ہوش رُبا شوخ

شوخی تو حسینوں کی نہیں عیب میں داخل
کیوں اُس پہ بگڑتے ہو اگر تمکو کہا شوخ

دیکھی نہ کسی اور میں یہ شوخ مزاجی
یا تیری نظر شوخ ہے یا دل ہے مرا شوخ

میرے ہی سکھانے سے تو آئی ہے یہ شوخی
دو مجکو دُعائیں کہ تمھیں میں نے کیا شوخ

کیا شرم ہے آئینے میں وہ عکس سے اپنے
فرماتے ہیں ہٹتا نہیں۔ تو بھی ہے بڑا شوخ

صحبت کا اثر بھی تو کوئی چیز ہے آخر
کیا ہو گی نہ رہ کر تری آنکھوں میں حیا شوخ

بھرتا ہے نگاہوں میں مرے دل نے نکلکر / رکھا ہے جیسے پردے میں وہ کچھ اور ہوا شوخ
اِس سے جو بچے گا تو دل اُس سے نہ بچے گا / ہر ناز ترا شوخ۔ ہر انداز ترا شوخ

اللہ یہ کس شوخ کی شوخی کا اثر ہے
جو شعر کہا مہرؔ نے وہ شعر ہوا شوخ

ردیفِ دال مہملہ

دے کے دل عشق میں مٹی ہوئی اپنی برباد / یہ مثل وہ ہے "گنہ لازم و نیکی برباد"
اب نہ ارمان ہے دل میں۔ نہ تمنا دل میں / ہو گئی ترکِ محبت سے یہ بستی برباد
لو وہ کہتے ہیں صبا خاک اُڑاتی تھی۔ کہ ہم / جس نے برباد کیا تجھکو۔ وہ ہوگئی برباد
نہ تو مرتے ہیں کسی پر نہ یہ مر جاتے ہیں / زندگی خضر کیا کرتے ہیں اپنی برباد
لُوٹنے کو دل و دیں کوئی ستمگر آیا / ہونگے کیا اہلِ قیامت بھی الٰہی برباد
آتشِ غم سے کیا پہلے جلا کر مجھے خاک / اور پھر خاک بھی تم نے مری کردی برباد
وہ ہیں چُپ دیکھ کر الفت میں تباہی میری / یوں مٹا بھی کوئی۔ یوں کوئی ہوا بھی برباد
فتنہ گر تیری نظر سے مرا جی ڈرتا ہے / خرمنِ دل کہیں کردے نہ یہ بجلی برباد
یہ قیامت۔ وہ بلا۔ یہ ہے غضب۔ وہ ہے ستم / لے گئی جانِ حیا۔ کر گئی شوخی برباد

نالے بیکار گئے۔ دیکھ لیا حضرتِ مہرؔ
آپ کہتے تھے کہ محنت نہیں جاتی برباد

مجھکو محفل میں جو آنے سے کیا سرکار بند / کیا خطا مجھ سے ہوئی اب کیوں ہوا دربار بند
اپنے قبضے ہی میں رکھو تم نگاہِ تیز کو / چل کے ہو سکتی نہیں پھر یہ کبھی تلوار بند
ہر گھڑی رہتی ہے در پر دیکھنے والوں کی بھیڑ / ہو سکے کب تجھ سے تیرے طالبِ دیدار بند
جب نظر اُٹھی تمھاری دل پہ بجلی بھی گری / تم نے کر رکھی تھی کیا تلوار میں تلوار بند
ہے جوانی جوش پر یہ ایک دن کام آئیں گے / ٹانک لو اپنی قبا میں اور بھی دو چار بند
اُسکو جو کچھ مجھ سے کہنا تھا وہ کہتا ہی رہا / بند کرنے سے ہوا کب ناصحِ غمخوار بند

قہر کر سکتے نہیں چھپ چھپ کے بھی اب تاک جھانک
کر دئے اُس شوخ نے سب روزنِ دیوار بند

ہمکو وفا پسند۔ تو اُن کو جفا پسند
یہ اُن کو ناپسند ہے۔ وہ ہمکو ناپسند

کیا بات ہوگئی جو ہُوا آپ یہ ناپسند
تم کر چکے تھے دل کو مرے بارہا پسند

ہلنا ہے یا کسی کو ہلانا ہے خاک میں
ہے اُس ستم شعار کو کیا جانے کیا پسند

بھرتے ہو دم رقیب کا تم بات بات پر
یہ ہمکو ناگوار ہے یہ ہم کو ناپسند

ہوتا ہے اب جو حُسن پرستی کا تذکرہ
کہتا ہُوں میں مجھے بھی کبھی کوئی تھا پسند

دُنیائے عاشقی میں مزاجب ہے چاہ کا
تجھسا جفا شعار ہو مجھ سا جفا پسند

اللہ رے کسی کی تلوّن مزاجیاں
جو آج ہے پسند وہی کل ہو ناپسند

عُشاق کی پسند بھی کوئی پسند ہے
جس پر نگاہ پڑ گئی وہ آگیا پسند

آیا ہے جب سے دل مرے دل کا یہ حال ہو
غم ہے عزیز۔ درد گوارا۔ جفا پسند

بھیجو تو قہر اُن کو دلِ بیقرار تم
یا ناپسند اِس کو کریں گے وہ۔ یا پسند

شدّتِ غم سے مری آنکھوں میں کیا آئے گی نیند
اَب تو پلکوں تک بھی آنے کی قسم کھائے گی نیند

وصل میں جاگا ہُوں۔ کیونکر ہجر میں آئے گی نیند
اُسکو ترسایا ہے میں نے مجکو ترسائے گی نیند

صدمۂ دردِ جُدائی دل اُٹھائے تو سہی
میری آنکھوں سے جو اُڑ جائے گی۔ اُڑ جائے گی نیند

اِنتظارِ خواب میں سونا مرا دُشوار ہے
مَوت آجائے تو آجائے نہیں آئے گی نیند

جاگنے پر بھی سکئے ہُوں اس لئے آنکھوں کو بند
پھر نہ آئے گی جو رقا بو سے نکل جائے گی نیند

ہجر میں آتی تو ملتی اُسکو آنکھوں میں جگہ
وصل کی شب کیونکر آنکھوں میں جگہ پائے گی نیند

خیر یوں بھی شامِ فرقت کی سحر ہوجائے گی
دیدۂ بیدار سے کافور ہو جائے گی نیند

ہے سکونِ خواب پر موقوف اِسکا بھی سکوں
آنکھ میں ٹھہرے گی تو دل کو بھی ٹھہرائے گی نیند

ہم سمجھتے تھے کہ فرقت میں نہ پُوچھے گی قضا
نیند کہتے ہیں جسے اُسکو بھی آجائے گی نیند

ہے حیا دُشمن تمھاری قہر وصل و ہجر میں
آج شرماتے ہیں وہ۔ کل تم سے شرمائے گی نیند

ردیفِ ڈال ہندی

بلا ہیں غمزہ و عشوہ غضب غرور گھمنڈ
عجب ہے آپ کی تمکیں۔ عجب غرور گھمنڈ

اسی زمانے میں کرتے ہیں سب غرور گھمنڈ
شباب پر نہ کریں کیوں وہ اب غرور گھمنڈ

وہ عرضِ حال پہ مجکو جواب کیونکر دیں
کہ کھولنے نہیں دیتا ہے لب غرور گھمنڈ

دماغ حسن پہ زیبا نہیں حسینوں کو
بشر کے واسطے لازم ہے کب غرور گھمنڈ

جو ناز ہے بھی تو اپنی وفا پہ ہے مجھ کو
مگر یہ آپ کو ہے بے سبب غرور گھمنڈ

وہ اُس سے کرنے لگے اب بہت گھمنڈ غرور
مرے رقیب کا نکلے گا اب غرور گھمنڈ

ہمیشہ ہم سے تنے ہی رہے۔ کھچے ہی رہے
ستم ہے ناز تمہارا۔ غضب غرور گھمنڈ

خدا کرے کہ مرے دل کی کبھی ضرورت ہو
نکالے آپ کا اسکی طلب غرور گھمنڈ

نظر جو آئے گا اے مہر کوئی غیرتِ مہر
دھرا رہے گا تمہارا یہ سب غرور گھمنڈ

ردیفِ ذال معجمہ

مجکو اُس شوخ نے لکھ کر نہیں بھیجا کاغذ
نامہ بر لایا ہے تو پھیر کے میرا کاغذ

غیر تو خط و کتابت نہیں رکھتا تم سے
اور جو میں نے دکھایا کوئی اُسکا کاغذ؟

ترکِ اُلفت کو جو کہتا ہوں تو وہ کہتے ہیں۔
ہم نے کب تجھ سے محبت کا لکھایا کاغذ

مشتہر ہو گی کسی دن مرے مرنے کی خبر
اس لئے پڑھتے ہیں وہ روز خبر کا کاغذ

کیا شرارت ہے کہ بھیجا مجھے خط غیر کے ہاتھ
اور پھر اُس پہ لفافے میں ہے کورا کاغذ

میں یہ سمجھا کہ نہیں ہو گا قلم سر میرا
سامنے میرے جو اُس شوخ نے کاٹا کاغذ

اس قدر میں نے اُسے شوق کے مضموں لکھے
کہ کمی سے ہوا بازار میں مہنگا کاغذ

غیر کا نامۂ پُر شوق یہ کیا ہاتھ میں تھا!
دیکھتے ہی مجھے تم نے جو چھپایا کاغذ

نامہ بر ہوتی کدورت جو نہ اُسکے دل میں
اُسکے خط کا بھی نہ ہوتا کبھی میلا کاغذ

مجھ سے خطِ غیر کا ظالم نے یہ کہکر چھینا
آپ کیوں دیکھتے ہیں مہرؔ پرایا کاغذ

رنگ میں شوخ جو تھا لعل و گہر کا تعویذ
دل میں گھر کر گیا اُس رشکِ قمر کا تعویذ

تم پہ سب اپنے پرایوں کی نظر پڑتی ہے
باندھ لو تم کوئی لکھوا کے نظر کا تعویذ

تیرے بیمارِ محبت کے لئے ہے درکار
کوئی مِلجائے اگر دردِ جگر کا تعویذ

میں دبا دُوں کبھی پتھر سے تو وہ بُت آجائے
ایسی تاثیر ہو۔ ایسے ہو اثر کا تعویذ

یوں تو تعویذ ہے خود ایک طرح کا جادو
اور تعویذ پھر اُس شعبدہ گر کا تعویذ

کھُل کے کاکُل سے تو میرا دلِ ناکام گرا
وہ یہ بولے کہ اُٹھا دو مرے سر کا تعویذ

اس نزاکت پہ جو ہے آپ کو شوقِ تسخیر
ڈالئے اپنے گلے میں گُلِ تر کا تعویذ

صورتِ سنگِ ستم مہرؔ کے مرقد پہ رہا
نہ ہلائے سے ہلا اور نہ سَر کا تعویذ

ردیفِ راے مُہملہ

یوں جلوہ گر ہیں داغ دلِ داغدار پر
جیسے دھرے ہوں پھُول کسی کے مزار پر

کچھ اور قہر ڈھائیں نہ بیتابیاں مری
لوٹی ہوئی ہے برق دلِ بے قرار پر

تم وعدہ کرکے بیٹھ رہے۔ کیا خبر تمھیں،
کیا کیا گزر گئی کسی اُمیدوار پر

وحشت میں رہ سکا نہ ہمارا قدم کہیں
دستِ جنُوں رہا تو گریباں کے تار پر

جاؤ صفائیوں سے تو دل کیا کروگے صاف
ڈالی نہ تم نے خاک بھی دل کے غبار پر

بعدِ فنا بھی ہے یہ اثر سوزِ عشق کا
اُگتا نہیں ہے سبزہ ہمارے مزار پر

میں اُن پہ مرگیا یہ وفا کا قصور ہے
وہ کیوں برس رہے ہیں مرے سوگوار پر

ہیں سادہ دل عبث ہُوں شبِ وعدہ بیقرار
وہ کیا مری قضا ہیں جو آئیں قرار پر

تسکیں سے غرض۔ نہ تسلّی سے واسطہ
دل کوئی تمکو دے بھی تو کس اعتبار پر

مجھ کُشتۂ فراق کی اللہ رے بیکسی
پروانہ بھی نہیں مری شمعِ مزار پر

صیاد کو یہ فکر کہ بے پر کرے مجھے
مجھکو یہ آرزو کہ رہیں برقرار پر

کیا اے شبِ فراق فرشتے بھی مر گئے
آتا فلک ہی سے کوئی میری پکار پر

دیکھیں مصیبتیں وہ شبِ غم کہ صبح تک
آنکھیں لگی رہیں کرمِ کردگار پر

پہلے تو قہرؔ مسم نے نہ کی اِسکی روک تھام
اب ہاتھ رات دن ہے دلِ بیقرار پر

مِلنے کو یوں مِلیں سرِ دربار بار بار
ہونگے کبھی نہ عاشق و اغیار یار یار

ہونے لگا جو دل قدِ دلدار پر فدا
آواز دی جگر نے خبردار دار دار

روئے گا میرے دل کو کہ روئے گا جان کو
خونبار ہوگا دیدۂ خونبار بار بار

پائے کہاں سے اشکِ طرب اُسکی چشمِ شوق
جسکو رُلائے عشق کا آزار زار زار

اچھا ہُوا کہ حضرتِ واعظ چلے گئے
میخوار کرتے جُبّہ و دستار تار تار

ٹھہرے گا کون سامنے کس کی مجال ہے
نکلے گی کہہ کے جب تری تلوار وار وار

آئے یہ دن بھی دورِ فلک سے خدا کرے
ہوں قہرؔ اور وہ بُتِ عیّار یار یار

کیا ایک ہی کے ہیں یہ ستم میری جان پر
چھ آسمان اور ہیں اِس آسمان پر

تم لاکھ اُسکو لاؤ نہ اپنی زبان پر
ظاہر ہے رازِ عشقِ عُدو اِک جہان پر

یہ کیا خبر تھی۔ یہ بھی بنائے گی جان پر
زندہ رہے تھے ہم تو تمہاری زبان پر

چونکیں نہ پھر بھی آپ کے آسودگانِ خاک
چلّائے شورِ حشر اگر اُن کے کان پر

اُس شوخ کی حیا بھی ہوئی جان کا عذاب
نیچی نظر سے اور بنی میری جان پر

اے نامہ بر بتا۔ وہ ملے تھے تجھے کہاں
اپنے مکان پر؟ کہ عُدو کے مکان پر؟

ترکِ وفا کا مجھ سے تو ہے آپ کو گلہ
قائم رہے ہیں آپ کب اپنی زبان پر

وہ کہہ رہے ہیں غیرتِ خورشید کیوں کہو
اِتنا چڑھاؤ تم نہ ہمیں آسمان پر

کرنی پڑے گی تم کو مدارات غیر کی
یہ میں نہیں کہ ٹال دیا بھول جان پر

پُھولیں تو کچھ وہ مُنہ سے دمِ عرضِ مدعا
یہ کیا کہ کوئی حرف نہ لائیں زبان پر

زاہد چھٹیں یہاں کے حسیں ہم سے کس طرح / کیا چھوڑ کر زمیں کو رہیں آسمان پر؟
اگر ہمارے دل میں خریدارِ دل بنو، / یہ مال وہ نہیں جسے رکھیں دکان پر
سنتا ہی کیا کسی کی کوئی بزمِ حشر میں / سب کے لگے تھے کان مری داستان پر
وہ کیا دکھا سکے گی مری بیقراریاں / بجلی تڑپ رہی ہے عبث آسمان پر

اے قہر میں ہوں یا ہے کوئی اور جاں نثار / اِس کا کھلے گا حال انھیں امتحان پر

آیا وہ سامنے مجھے بے زار دیکھ کر / دیکھا اُسے تو آہی گیا پیار دیکھ کر
زندہ رہا جو عشق میں آزاد دیکھ کر / کیا مر نہ جائیں گے مجھے اغیار دیکھ کر
یوں آرزوئے قتل ہماری نکل گئی / دم ہی نکل گیا تری تلوار دیکھ کر
آنکھوں سے میری آگ برستی ہے یا لہو / جلتے ہیں غیر دیدۂ خونبار دیکھ کر
خورشید و ماہ میری نگاہوں سے گر گئے / آنکھیں سی کھل گئیں ترے رخسار دیکھ کر
جب تک نہ آئیں گے وہ اجل بھی نہ آئیگی / جائے گی جان جلوۂ دیدار دیکھ کر
ہمکو مریض آپ کی آنکھوں نے کر دیا / بیمار ہو گئے انھیں بیمار دیکھ کر
گاہک اگر ہو دل کے تو آؤ بھی سامنے / ہم بیچتے ہیں مال خریدار دیکھ کر
رہبر کے ساتھ ہیں۔ کبھی رہزن کے ساتھ ہیں / چلتے ہیں ہم زمانے کی رفتار دیکھ کر
چپکے سے خضر جان بچا کر نکل گئے / مرنا کسی کے عشق میں دشوار دیکھ کر
کچھ کہہ سکے نہ داورِ محشر کے سامنے / آنکھیں بھر آئیں اُن کو گنہگار دیکھ کر
یہ سنگ میں شرر ہے تو یہ گل میں رنگ ہے / حیرت ہے مجھکو حسن کے انوار دیکھ کر
روزِ جزا سمائے ہماری نظر میں کیا / آئے ہیں ہم حسینوں کا دربار دیکھ کر
بیٹھے بٹھائے بزم میں سوجھی یہ کیا تمھیں / فتنے اُٹھا دیئے سوئے اغیار دیکھ کر
دل جا گرا انکی زلف میں دھوکے سے پھنس گیا / ہوتا ہے ورنہ کون گرفتار دیکھ کر
مجبوریوں نے خوگرِ بیداد کر دیا ۔ / چپ ہو گیا ہوں آہ کو بیکار دیکھ کر
اِس وہم سے وہ قہر دکھاتے نہیں جمال / نکلے کہیں نہ حسرتِ دیدار دیکھ کر

پڑتی ہے آنکھ جب اندر کسی کے رُوے روشن پر
تجلی باہر آ کر بن گئی ہے پردہ چلمن پر

سُبکدوشی ہوئی حاصل نہ یوں بھی مجکو مقتل میں
جو سر گردن سے اُترا تو رہا احسان گردن پر

مرے دل کی محبت کا الٰہی کچھ ٹھکانا ہے
گماں دوست ہوتا ہے مجھے ہر پھر کے دشمن پر

لہو ہی کب رہا تھا دل میں چاکِ دل کے سینے تک
نظر کیا خاک آتا قطرۂ خوں نوکِ سوزن پر

ترے دیوانۂ اُلفت کی نیچ دھج ہی نرالی ہے
گریباں آستیں پر آستیں رہتی ہے دامن پر

کلیجا مُنھ کو آے گا۔ تڑپ اُٹھے گا دل اُنکا
کسی دن میرے شیون سے کسی دن میرے شیون پر

لگا رکھا ہے داغِ دل کو میں نے اِسلیئے دل میں
نہ رکھے گا فنا کے بعد کوئی شمع مدفن پر

مجھے عادت ہے غم کھانے کی۔ پی لیتا ہوں اے ناصح
مری آنکھوں کے آنسو گر نہیں سکتے ہیں دامن پر

تہ و بالا کیا دونوں کو میری سخت جانی نے
کبھی گردن تھی خنجر پر کبھی خنجر تھا گردن پر

گری بعدِ اسیری چرخ سے کیوں ٹوٹ کر بجلی
کوئی پَر رہ گیا تھا کیا مرا شاخِ نشیمن پر

اُڑا اِس شوق میں کیا کیا غبارِ ناتواں میرا
کہ لے اُسکے قدم جو سیر کو نکلا ہی تو سن پر

پہونچتی ہے نگاہِ غیر اب بھی جلوۂ رُخ تک
مری آنکھوں کے پردے ڈال لو تم اپنی چلمن پر

بڑا عیار ہے وہ بے سمجھتے رہنا اُسکی چالوں سے
گمانِ سادہ لوحی تم نہ کرنا مہر پُرفن پر

کیوں پھرے جاتے ہو آنکھوں میں مرا دم دیکھکر
دیکھنا ہم کیوں نہ چاہیں تجکو یہ ہم دیکھکر
ہو گئے غمگیں وہ مجکو موردِ غم دیکھکر
غم تو دیکھا عشق میں ہم نے خوشی کے واسطے
اُسکو ہم کیونکر بتائیں اُسکو ہم کیونکر کہیں
قتل کی مجھ ناتواں کو اُس سے کیا اُمید ہو
وہ بڑا تقدیر والا ہے بہت ہی خوش نصیب
گُل ہُوا ہے حُسن کا بھی عشق کے غم میں چراغ
آپ سے کیا واسطہ دل نے تو چھیڑا تھا انھیں

آ گئے ہو اب۔ تو جانا سیر ماتم دیکھکر
شوق تیرے دیکھنے کا جب نہ ہو کم۔ دیکھکر
دل بھر آیا اُنکا میری چشم پُرنم دیکھکر
دیکھئے اب دیکھتے ہیں اور کیا غم دیکھکر
ہو گیا جو اپنا عالم اُن کا عالم دیکھکر
جان بھی لیتا ہے جو دل دیکھ کر دم دیکھکر
وصل کا جو عیش دیکھے ہجر کا غم دیکھکر
بجھ گئی ہے شمع پروانوں کا ماتم دیکھکر
آپ کیوں برہم ہوئے زلفوں کو برہم دیکھکر

امتحانگاہِ وفا میں آئیں گے کیا بوالہوس
دم نکلتا ہے تری تلوار کا دم دیکھکر

عشق میں چھاتی پر آخر ہم نے پتھر دھر لیا
روز کے رنج و الم ہر وقت کے غم دیکھکر

جھک گیا جس دم سرِ تسلیم اُنکے سامنے
قتل کی سوجھی اُنھیں گردن کی خم دیکھکر

وہ پکار اُٹھنا کسی کا "ہم نہیں تم سے خفا"
میرے سینے میں مرا رُکتا ہوا دم دیکھکر

ہجر کا غم دیکھکر جو حال میرا ہو گیا
وہ تمہیں معلوم ہوگا غیر کا غم دیکھکر

دل نہ مانا ڈگڈگا کر جامِ اُلفت پی گیا
میں یہ کہتا ہی رہا۔ سِتم ہے۔ یہ ستم ہے۔ دیکھکر!

زندگی اے قہر کیا ہو جب وہ پہلو میں نہو
ہم جیا کرتے تھے جسکی شکل ہر دم دیکھکر

کیا کریں اے دلربا اب دل کا عالم دیکھکر
ہاتھ ہی جب دل سے دھو بیٹھے تجھے ہم دیکھکر

آئے دُنیا میں تو سیرِ خُلد۔ آدم دیکھکر
جائیں دُنیا سے کہاں محفل تری ہم دیکھکر

حسرتِ دیدار میں بیٹھے ہیں در پر آپ کے
آپ کے در سے اُٹھیں گے آپکو ہم دیکھکر

دعوئِ عشق و وفا پر یہ دیا اُس نے جواب
ایسی باتوں کا تو کرتے ہیں یقیں ہم دیکھکر

اُف رے اُنکی دلستانی۔ اُف رے اپنی بیکسی
لے گئے وہ دل اُڑا کر۔ رہ گئے ہم دیکھکر

دل لیا کرتے ہو تم کیا دیکھ کر عشاق میں
دل دیا کرتے ہیں دلبر میں وفا ہم دیکھکر

داغِ دل جیسی بہار ہے لالہ و گل میں کہاں
کیا کریں اے باغباں تیرا چمن ہم دیکھکر

میری یہ کوشش ہوا بھی اسکی ہیں اُنکو نہ دوں
اُنکو یہ کاوش رہیں گے دل ترا ہم دیکھکر

کیا قیامت ہے چُراتا ہے وہ اب ہم سے نگاہ
رکھ لیا کرتے تھے آنکھوں میں جسے ہم دیکھکر

آپ ہی کہیئے سرِ محشر پریشاں کون تھا
آپ ہم کو دیکھکر؟ یا آپ کو ہم دیکھکر؟

تم نہیں ہوتے خبر بھی دیکھ کر یہ اضطراب
ہمکو دیکھو۔ ہو گئے مضطر تمہیں ہم دیکھکر

وصل کی شب ہی نہ دیکھی جب تو کیا دیکھا ہا
کیا ہوا آئے اگر روزِ جزا ہم دیکھکر

دیکھکر اُن کے فریب اپنی بھی آنکھیں کھل گئیں
آنکھ والے ہو گئے آنکھیں تری ہم دیکھکر

راہ پر تیری نظر آتی۔ نظر آتی نہیں
کر چکے سو بار اس کا امتحاں ہم دیکھکر

شربتِ دیدار کیسا۔ زہر بھی ملتا نہیں
آج اُٹھ بیٹھے ہیں الٰہی کس کا منہ ہم دیکھکر

مار ہی ڈالا تھا چشمِ سامری فن نے ہمیں
جی گئے تیرے لبِ عیسیٰ نفس ہم دیکھکر

قہرؔ سے کہتے ہیں وہ دل توتر اکیا چیز ہے
توڑ دیں آئینۂ فولاد بھی ہم دیکھکر

یہاں دَم میں دَم آنا منحصر ہے اُنکے آنے پر
وہاں حیلے پہ حیلہ ہے۔ بہانہ ہے بہانے پر

ہُوا کچھ اِس طرح ماتم وہاں میرے فسانے پر
کہ رو یا داستاں گو خود بھی غیروں کو رُلانے پر

تمھاری بزمِ دل کش ہیں عجب عالم ہمارا ہو
نہ بیٹھے ہیں بٹھانے سے نہ اُٹھیں گے۔ اُٹھانے پر

کسی کے ہجر میں کیونکر کسی کی جان جاتی ہو
اِسے تم جان جاؤ گے ہماری جان جانے پر

ہمیں اُس وقت بھی رونا تھا اپنی نامُرادی کا
زمانے میں تو چھپاتے ہیں سب لگے زمانے پر

وہ کھولیں اپنی مٹھی یا نہ کھولیں اب نہیں چھپتی
مرے دل کی تو چوری کھل گئی آنکھیں چُرانے پر

ابھی کیا ہے مزا عشقِ عُدو کا تم کو آئے گا
کوئی دن رنج سہنے پر۔ کوئی دن غم اُٹھانے پر

سرِ شکِ غم مرے دل میں عجب تاثیر رکھتا ہے
یہ قطرہ ہے دبانے پر، یہ دریا ہے بہانے پر

یہاں عُذرِ ستم پر اور بھی دل لُوٹ کر آیا۔
ستم یہ کیا کیا تُو نے ستم سے باز آنے پر

ہدف ہو بھی تو کیا ہو دل مرا ایچی نگاہوں کا
وہ آخر تیر ہی کیا ہیں پہونچیں جو نشانے پر

نکل جائیں مرے دل سے وہ آنسو ہی تو اچھا ہو
مٹے بیٹھے ہیں جو داغِ محبت کے مٹانے پر

یہ قسمت دیکھئے جب جب بہار آئی ہے گلشن میں
گری ہے کوند کر بجلی ہمارے آشیانے پر

جو دینا تھا ہمیں دل خوبرویوں کو۔ تو دینا تھا
اِسے بھی آزمانے پر۔ اُسے بھی آزمانے پر

ہمارے عشق و اُلفت کا۔ تمھارے حسن و نخوت کی
کہانی ہے کہانی پر۔ فسانہ ہو فسانے پر

نبھائی اُس ستمگر سے۔ محبت قہرؔ کی دیکھو،
جفا کرنے پر۔ آفت توڑنے پر۔ ظلم ڈھانے پر

نالے دلِ پُر غم سے نکل جاتے ہیں کیونکر
کیا جانیں یہ تیر آپ ہی چل جاتے ہیں کیونکر

اب وہ ہیں نہ وہ اُنکی محبت ہے الٰہی
دو روز میں انسان بدل جاتے ہیں کیونکر

جب خارِ تمنا ہی نکلتا نہیں دل سے
کانٹے مرے تلووں سے نکل جاتے ہیں کیونکر

دیکھیں وہ بُلا کر تو کبھی بزم میں اپنی
ہم بیٹھکے یاروں میں بہل جاتے ہیں کیونکر

کل وہ مرے مہمان رہے۔ آج سدھارے
ہے جی میں یہ اُس چشمِ فسوں ساز سے پوچھوں
جل کر یہ کہا طور نے جلوے سے کسی کے
حیرت ہے مجھے آپ کے جو خیر طلب ہیں
ہٹ کرنے کی ضد کرنے کی عادت تو نہیں ہے
ہم عشق میں اُفتاد اُٹھا کر بھی نہ سنبھلے
پہلو میں بٹھا کر مجھے دیکھو یہ تماشا
جو ملنے نہ دیتے تھے مجھے پاؤں سے آنکھیں
ہم تو کبھی ہرگز نہ سُنیں غیر کے طعنے

آج آئیں۔ تو معلوم ہو۔ کل جاتے ہیں کیونکر
جادو ترے دل والوں پہ چل جاتے ہیں کیونکر
یوں جلتے ہیں یوں جلتے ہیں جل جاتے ہیں کیونکر؟
آکر وہ یہاں زہر اُگل جاتے ہیں کیونکر
دل دیکھ کے پھر آپ مچل جاتے ہیں کیونکر
کھاتے ہیں جو ٹھوکر وہ سنبھل جاتے ہیں کیونکر
خنجر دلِ اغیار پہ چل جاتے ہیں کیونکر
وہ ہاتھ مرے مرنے پہ مَل جاتے ہیں کیونکر
یہ زہر کے گھونٹ آپ نگل جاتے ہیں کیونکر

کھائیں تو قسم غیر کی پھر مہر بھی دیکھے
اقرار سے اپنے وہ بدل جاتے ہیں کیونکر

کیوں نہ ہر وقت محبت میں بڑھے بات کچھ اور
کہہ رہی ہے تری مستانہ نظر بات کچھ اور
تھی بھی رات مگر وصل میں تھی بات کچھ اور
تم ملو ہم سے۔ ملے دل بھی تمھارا ہم سے
وصل کی بات پہ چُپ ہو۔ یہ کوئی بات بھی ہے
کر تو اُس بُت کا ذرا دل میں تصور زاہد
ایک دل تھا مرے پہلو میں وہ میں دے ہی چکا۔
اِن بُتوں کو نہ بُرا کہیئے جناب واعظ
بدگمانی سے وہاں شکر بھی شکوہ ٹھہرا
خواہشِ حور میں زاہد کو ہے اللہ کی یاد
اور کیا بھیجوں اُسے نامہ رساں کیا لے جائے
ہاں یہ سچ ہے تمھیں کیا کام کہیں جاتے ہو

میرے کچھ اور ہیں اور اُنکے خیالات کچھ اور
محفلِ غیر میں کیا شغل رہا رات کچھ اور
اب ترے ہجر میں آتی ہے نظر رات کچھ اور
اِس مُلاقات میں ہے لُطفِ مُلاقات کچھ اور
بات تو جب ہے کہ تم اب نکرو بات کچھ اور
میرا ذمہ جو نہوں تیرے خیالات کچھ اور
اب نہیں اِس سے زیادہ مری اوقات کچھ اور
ہم سمجھتے ہیں انھیں قبلۂ حاجات کچھ اور
بات کچھ اور تھی سمجھے وہ مگر بات کچھ اور
دل میں کچھ اور دُعا لب پہ مُناجات کچھ اور
کہ مرے دل سے تو اچھی نہیں سوغات کچھ اور
خواب میں ہم نے تو دیکھا ہی مگر رات کچھ اور

ایک دو جام سے سیری نہیں ہوتی میری
بول بالا ہو ترا پیرِ خرابات۔ کچھ اور!

رکھ دیئے لختِ جگر تیر نظر کے آگے
نہوئی قہر سے جب اُسکی مدارات کچھ اور

ردیف رائے ہندی

ہو رہی ہے یوں بہم اُس فتنہ گر سے چھیڑ چھاڑ
پھر اُدھر سے روک ٹوک اب پھر اِدھر سے چھیڑ چھاڑ

حبِّ اُلفت میں بشر کی ہو بشر سے چھیڑ چھاڑ
تو کرے کیا کوئی پھر دیوار و در سے چھیڑ چھاڑ!

دل نے چھیڑا تھا تمھیں یا دل میں چٹکی تمنے لی
تو تمھیں کہدو ہوئی پہلے کدھر سے چھیڑ چھاڑ

لطف تو جب ہے جو اُنکی میری یوں چوٹیں چلیں
دل کی ہو دل سے جگر کی ہو جگر سے چھیڑ چھاڑ

دیکھئے ناحق لڑائی مول لیتے ہیں رقیب
راہ میں کرتے ہیں میرے نامہ بر سے چھیڑ چھاڑ

اب قیامت میں قیامت کا مزا آنے لگا
داد گر کی ہو گئی بیداد گر سے چھیڑ چھاڑ

رات بھر روتی رہی خاموش خود ہو جائے گی
کر رہی ہے کیوں صبا شمعِ سحر سے چھیڑ چھاڑ

پھر تہ و بالا زمین و آسماں ہونے کو ہیں
پھر مرے نالوں کی ہوتی ہے اثر سے چھیڑ چھاڑ

اور ہو گی آئینے میں کس سے اُنکی نوک جھوک
وہ کریں گے اپنے ہی پیشِ نظر سے چھیڑ چھاڑ

نامہ بر کہتا ہے وہ دشمن سے پیماں کر چکے
آپکو کرنی تھی اپنی پیشتر سے چھیڑ چھاڑ

وہ جو چھپ جائے تو آنکھوں میں جہان تاریک ہو
ہے بُری لے قہر اُس رشکِ قمر سے چھیڑ چھاڑ

دل سے جھگڑا اور دلبر سے بگاڑ
ہو گیا اُلفت میں گھر بھر سے بگاڑ

ظاہر و باطن ترا یکساں نہیں
میل باہر سے ہے اندر سے بگاڑ

کوئی بھی مجھ سخت جاں سے خوش نہیں
تیغ سے اَن بَن ہے خنجر سے بگاڑ

یہ تمھاری وضع کوئی وضع ہے
سات سے ہے میل ستّر سے بگاڑ

اب نہیں ساقی سے اپنا میل جول
رنج شیشے سے ہے ساغر سے بگاڑ

اُن سے پھر ہوتا ہے دشمن سے ملاپ
مجھ سے پھر ہو گا نئے سر سے بگاڑ

دل اِدھر۔ ناوک اُدھر اب خیر ہو
ہے برابر کا برابر سے بگاڑ

ایک سے بھی آپ کی بنتی نہیں
بلکہ ہو جاتا ہے اکثر سے بگاڑ

ہجر اے دل لکھ گیا تقدیر میں
اِسکو اشکِ دیدۂ تر سے بگاڑ

دل میں اُلفت اور یہ دل سے خفا
قمر کا ہے مہر پرور سے بگاڑ

ردیفِ زائے منقوطہ

چھُپ کے کیوں تم نے پسِ پردہ سُنائی آواز
کیا نظر کو مری دیتی ہے دکھائی آواز

دل کو تڑپا گئی جب کان میں آئی آواز
ہائے کیا میرے خوش آواز نے پائی آواز

پھر چھُپائے نہ چھُپا رازِ محبت دل میں
ہو گئی مُنھ سے نکلتے ہی پرائی آواز

ایک انداز رہا ہجر کی شب نالوں کا
نہ گھٹائی کبھی میں نے نہ بڑھائی آواز

کبھی درباں کو بھی میں نے جو پکارا تو کہا
کون ہے؟ کس نے مرے در پہ لگائی آواز؟

پھر بھی مجکو کسی بے درد نے پہچان لیا
لاکھ میں نے دمِ فریاد بنائی آواز

ہر خوش آواز سے کہتے ہیں وہ ناخوش ہو کر
میری آواز سے کیوں تُو نے ملائی آواز

سُن کے نالے شبِ غم اُس نے یہ کہلا بھیجا
تُو ہی جانے گا اگر اب تری آئی آواز

قمر نالوں سے مرے۔ اُسکے ترانے نہ بڑھے
لاکھ گُلزار میں بُلبُل نے اُٹھائی آواز

رکھتے جو ہم نہ دل میں تیرا خیال ہرگز
ایک ایک دن نہ ہوتا ایک ایک سال ہرگز

میری زبان رکھ لے اپنے دہن میں قاصد
تجھ سے نہ ہو سکے گا اظہارِ حال ہرگز

میں تمکو بھُول جاؤں۔ دل تمکو بھُول جائے
تم بھُول کر نہ کرنا ایسا خیال ہرگز

سوزِ تپِ دُرُوں میں میرے کمی نہیں کیوں
رہتا نہیں کسی کا جب ایک حال ہرگز

قتلِ عُدو کا وعدہ تو آپ کر چکے ہیں
اب کیجئے نہ اِس میں کچھ قیل و قال ہرگز

بدلا نہیں ہے ابتک۔ پلٹا نہیں ہے ابتک
میرا گُمان ہرگز۔ اُن کا خیال ہرگز

مُرجھا کے گُل چمن میں غنچوں سے کہہ رہے ہیں
رہتا نہیں ہمیشہ حُسن و جمال ہر گز

بیٹھے ہیں بَن سَنور کر، میں آئینہ دکھا دُوں
یوں تو نہ مل سکے گی اُن کی مثال ہر گز

ایسا نہ ہو کہیں وہ کمبخت جان دیدے
تم مہر سے نہ رکھنا دل میں ملال ہر گز

ردیفِ سین مُہملہ

باہر بھی ہے ہجُوم کسی پُر محن کے پاس
اِک اور انجمن ہے تری انجمن کے پاس

میں رہ چکا ہُوں اک بُتِ نازک بدن کے پاس
پھُولوں کا ڈھیر چاہیئے میرے کفن کے پاس

اللہ رے رُعبِ حُسن نہ نکلی زبان سے
آآ کے رہ گئی ہے شکایت دہن کے پاس

ہاں اے نگاہِ ناز کوئی تیر اور بھی
بیتاب ہے جگر بھی دلِ پُر محن کے پاس

نازک مزاج مجکو بنایا تو کیا ہُوا
رکھا نہ چرخ نے کسی نازک بدن کے پاس

کہتے تھے آپ دل کی خبر کچھ نہیں ہمیں
آخر یہ کیا ہے زلفِ شکن در شکن کے پاس

رشکِ رقیب نے مجھے رکھا ہے دُور دُور
پھر پھر گیا ہُوں آکے تری انجمن کے پاس

جادُو تھے جس قدر مرے دل پر ہُوئے وہ ختم
رکھا ہی کیا ہے اب نگہِ سحر فن کے پاس

کیا اپنے دل کو دیکھئے جب دل کو دیکھئے
اِک اور زخمِ تازہ ہے زخمِ کہن کے پاس

تھا اور کیا جو دے کے اجل کو وہ ٹالتا
لے دے کر ایک جان تھی بس کوہکن کے پاس

اے مہر اپنی آہ میں ہے بوئے داغِ دل
گُل کی مہک اگر ہے نسیمِ چمن کے پاس

کیا خبر کیوں دل میں گھُٹ کر رہ گئی بسمل کے پاس
آہ ناوک ہے تو رہنا تھا اِسے قاتل کے پاس

پاس سے دیکھا ہو اُنکو بزم آرا دل کے پاس
یوں تصوّر میں رہے ہیں ہم بھی اُس محفل کے پاس

اُف رے نخوت۔ کھنچتے ہیں کس قدر دُور آپ کو
دل میں رہکر بھی نہیں رہتے وہ میرے دل کے پاس

اِک بگولے کا کرشمہ تھا یہ دشتِ نجد میں
ورنہ کب مجنوں کو لیلیٰ دیکھتی محمل کے پاس

ایک دل تھا میرے پہلو میں وہ تم لے ہی چکے
اب نظر کس پر ہے۔ اب رکھا ہی کیا بیدل کے پاس

دوڑتا ہیں ناتواں تو کیا طریقِ عشق میں
لے گئی ہے دُوریٔ منزل مجھے منزل کے پاس

اُس طرف کی ہے نظر تو اس طرف بھی ہو نگاہ
اک جگر بھی ہے تمنائی تمھارا دل کے پاس

بخشدیتا اور کیا اُنکا رُخِ روشن اُسے
داغ کیا کچھ کم نشانی ہو مہ کامل کے پاس

کیوں نہیں قربان جاؤں اِس کشش اِس جذب کے
اب وہ میرے دل میں ہیں جو تیر تھے قاتل کے پاس

بحرِ اُلفت سے گزرنا تو بہت دشوار تھا
مجکو میرے شوق نے پہونچا دیا ساحل کے پاس

تمکو خالِ رُخ پر اپنے اِس قدر کیوں ناز ہے
اِک سُویدا ہے اِسی صورت کا میرے دل کے پاس

میں تو ہوں جلوے سے بیخود۔ وہ ہیں اُسکی تاک میں
اب مجھے دل کس طرح ہشیار ہے غافل کے پاس

دیکھ تو اندر سے قاتل یہ تماشا جھانک کر
باہر اک ہنگامہ برپا ہی ترے بسمل کے پاس

کیا غضب ہے مجکو بحرِ غم میں تنہا چھوڑ کر
موجیں کرنے کیلئے موجیں چلیں ساحل کے پاس

اِس میں آتی ہے نظر صورت کسی کی یا نہیں
دیکھ تو لوٹوں میں ذرا آئینہ رکھکر دل کے پاس

دیکھنا پھر اُسکو لیلیٰ تجکو دھوکا ہو گیا
ناتواں مجنوں تو آسکتا نہیں محمل کے پاس

کیا کہیں پہلو میں کیسا چین آتا ہے اِسے
ہاتھ رہتا ہے تمھارا جب ہمارے دل کے پاس

اِس جفا پر اِس سے بڑھکر اور کیا ہوگی جفا
جمع ہے خلقت مگر قاتل نہیں بسمل کے پاس

غرقِ دریائے محبت دیکھتے رہ جائیں گے
ڈوب کر اُبھرے گی جب کشتی مری ساحل کے پاس

ہم تو مرنے کے لئے تیار تھے سو جان سے
کیا کریں قسمت سے خنجر ہی نہ تھا قاتل کے پاس

مہرؔ وہ اِس پر نگاہِ ناز ڈالیں کس لئے
اِک محبت کے سوا ہے کیا تھا رہ دل کے پاس

اسکی خوشی ہو کیا مجھے کی ہے یہ چال بس جی بس
ورنہ عدو سے اور ہو تمکو ملال بس جی بس

اور نہ مُجھ سے کچھ کہا۔ اچھی طلب ہے واہ وا
تم نے تو آتے ہی کیا دل کا سوال بس جی بس

بہرِ عیادت آئے وہ۔ آکے یہ مجھ سے کہہ گئے
دیکھ لیا۔ سمجھ لیا آپ کا حال بس جی بس

اُسکے کہے سے ترک کی ہم سے جو رسمِ دوستی
تمکو رقیب کا ہُوا اِتنا خیال بس جی بس

قتل کیا کسی کو کیا۔ ذبح کیا کسی کو کیا
آپ کی تیغ آج ہی خون سے لال بس جی بس

مل گئے ہم تو خاک میں آپ سے بے ملے ہُوئے
مل کے تو آپ سے کوئی ہوگا نہال بس جی بس

شکلِ رقیب میں بھلا ایسے لگے تھے لعل کیا
دیکھتے ہی رہے جو تم اُسکا جمال بس جی بس

میرے نصیب میں لکھا رنجِ شبِ فراق ہے
مجکو نصیب ہو چکا روزِ وصال بس جی بس

کل جو تمہاری زلف میں باندھ دیا تھا منے دل
وہ بھی تو آج ہو گیا تمکو وبال بس جی بس

مجکو نہ صبر آئے گا۔ تمکو نہ رحم آئے گا
یہ بھی محال بس جی بس۔ وہ بھی محال بس جی بس

قہرؔ کا دل تو پھنس چکا گیسوے بیچدار میں
اور کہیں بچھائیے جا کے یہ جال بس جی بس

ردیفِ شین مُعجمہ

دل لے کے کیئے دل کے سب ارمان فراموش
تم سا بھی نہ دیکھا کوئی احسان فراموش

ہر بات پہ کہتے ہو مری جان فراموش
اب تم سے بدے کیا کوئی نادان فراموش

آنکھوں میں سما جاتی ہے جو آن کسی کی
ہوتی نہیں دل سے وہ کسی آن فراموش

مرکر بھی تو مٹتی نہیں مرنے کی تمنا
مٹکر بھی تو ہوتا نہیں ارمان فراموش

راحت ہو۔ مسرت ہو۔ الم ہو۔ کہ ستم ہو
کر دیتا ہے دو روز میں انسان فراموش

انداز وہ ہیں جو کبھی آنکھوں کو نہ بھولیں
آواز وہ ہے جو نہ کریں کان فراموش

ایمان کی کہنا کہ اُسے دیکھ کے زاہد
ہوتا ہے کہ ہوتا نہیں ایمان فراموش

ظالم تجھے تڑپیں کی رہی یاد یہاں تک
بھولو نہیں بھی میرے نہ کیا پان فراموش

پھرتا ہے نگاہوں میں نگاہوں کا نکیلا
ہوتا نہیں یہ موت کا سامان فراموش

بھولے گا مجھے وہ تجھے لے کر۔ مگر اے دل
تو مجکو نہ کرنا۔ ترے قربان فراموش

آتا ہے مرے دل ہی میں ہر پھر کے ترا تیر
کرتا نہیں اس گھر کو یہ مہمان فراموش

خلوت میں بھی دل ہے کبھی اُنکے نہیں ہوتے
دربان فراموش۔ نگہبان فراموش

دیکھا ہی نہیں قہرؔ ابھی جلوۂ جاناں
دیکھو گے تو ہو جائیں گے اوسان فراموش

میرا ہی جی جلا کر ہوگا جو دل ترا خوش
تو اے بُتِ ستمگر میں خوش مرا خدا خوش

ہر وقت ظلم ڈھانا ہر لحظہ جور کرنا
اُسکی بلا سے اِسمیں خوش ہو کوئی کہ ناخوش

مرنا ہے اُس کا مرنا جو مر گیا کسی پر
جینا ہے اُس کا جینا جو عشق میں جیا خوش

غمزہ ہو یا کرشمہ، عشوہ ہو یا اِشارہ
کرتی ہی میرے دل کو اِک اِک تری ادا خوش

اظہارِ مدعا نے لطفِ اُمید کھویا
جب ہو گئے وہ ناخوش تو ہونگے ہم سے کیا خوش

وہ اِسکو جھینکتا ہے۔ یہ اُسکو جھینکتا ہے
یہ طُرفہ دل لگی ہی دل خوش نہ دل رُبا خوش

ہو وصل کل کہ فرقت۔ اب ہے، یہ اپنی قسمت
اُس نے تو وعدہ کر کے دل آج کر دیا خوش

میں پُوچھتا نہیں ہُوں کچھ اور تجھ سے قاصد
اِتنا مجھے بتا وہ ناخوش ہی مُجھسے یا خوش

دل لینے ہی تک اُسکی ساری لگاوٹیں تھیں
ہوتی ہے اب کسی سے بے درد کی بلا خوش

اُس سے بھی لڑ چکے ہو۔ مجھ سے بھی تم لڑوگے
کچھ مجھکو خوش کروگے۔ کچھ غیر کو کیا خوش

اے مہرؔ اب اکیلے دل ہے نڈھال اپنا
جمگھٹ میں مہوشوں کے جبتک رہا رہا خوش

ردیفِ صاد مُہملہ

اور دیکھے رُوئے تاباں کوئی شخص
ہے اب آئینے میں حیراں کوئی شخص

دل کو کیوں کرتا ہے ویراں کوئی شخص
ہے اِسی گھر میں تو مہماں کوئی شخص

اِس طرف گردن ہے خنجر اُس طرف
اب منائے عیدِ قُرباں کوئی شخص

عرضِ مطلب پر وہ ہوتے ہیں خفا
کیا نکالے اپنے ارماں کوئی شخص

دل نہ دونگا میں کہ دل ہی جان ہے
جان دے کر کیوں ہو بیجاں کوئی شخص

کون تھا وہ حشر میں۔ کیا آپ تھے؟
تھا بہت دل میں پشیماں کوئی شخص

ہاں بجا ہے دل کے طالب تم نہیں
اور ہوگا اِسکا خواہاں کوئی شخص

مہرؔ دل میں شاد ہیں بشاش ہیں
کر گیا کیا اِن سے پیماں کوئی شخص

ردیفِ ضاد معجمہ

مطلب نہ لُطف سے ہے نہ آزار سے غرض ۔ دیدار والے رکھتے ہیں دیدار سے غرض

آنکھوں سے دیکھ لوں تو مجھے کچھ یقین آئے ۔ یہ کیا کہا نہیں ہمیں اغیار سے غرض

رُوٹھے جو وہ تو ہم نے یہ کہہ کر منا لیا ۔ رنجش سے تمکو واسطہ تکرار سے غرض

ہم کیوں کریں رقیب کی درباردایاں ۔ ہمکو اگر غرض ہے تو سرکار سے غرض

آنکھیں ہوں۔ دل ہو۔ پردہ ہو۔ دیوار ہو کہ گھر ۔ چھپنا اُسے تو طالبِ دیدار سے غرض

اُمیدوار وصل کو مطلب ہے وصل سے ۔ انکار سے نہ کام نہ اقرار سے غرض

اُنکی ہے کیا مسیح کی جو چارہ ساز ہوں ۔ ہو کیوں کسی کو آپ کے بیمار سے غرض

خونریز ہو گی جس ستم ایجاد کی نگاہ ۔ ہو گی اُسے نہ تیر نہ تلوار سے غرض

اے قہر جسکو ہو نہ محبت سے واسطہ ۔ کیا اُسکے شوق کو مرے اشعار سے غرض

ردیفِ طائے مُہملہ

تم تو کہتے تھے نہوگا اب کسی سے ربط ضبط ۔ ہو گیا کیوں دو ہی دن میں مدعی سے ربط ضبط

آج اَن بَن ہو گئی تو ہو گئی پر وہ انہیں ۔ کل مجھی سے صُلح بھی ہو گی مجھی سے ربط ضبط

کیسی اُلٹی ہے الٰہی خوبرویوں کی سمجھ ۔ دوستی سے اِن کو نفرت دشمنی سے ربط ضبط

تم ابھی کم سن ہو ان باتوں سے واقف ہی نہیں ۔ کیا کریں تم سے بڑھا کر ہم ابھی سے ربط ضبط

جسکو کہتے ہیں ستم ایجاد سب میرے سوا ۔ بس اُسی سے رسم ہر بس ہے اُسی سے ربط ضبط

دل مِلا کر مجھ سے ملئے دل سے ہنسئے بولئے ۔ آدمی کرتا ہے پیدا آدمی سے ربط ضبط

لو وہ کہتے ہیں کہ پہلے ہے یہ ہونا ہی محال ۔ اور ہوگا بھی تو ہوگا کیا تجھی سے ربط ضبط

ربط ضبط اغیار سے رکھنا نہیں ہمکو پسند ۔ اُنکو نہ رکھنا ہو تو رکھیں وہ خوشی سے ربط ضبط

کیوں نہ واقف ہوں یہ رسمِ عشق سے اچھی طرح ۔ قہر کا بھی تھا کبھی آخر کسی سے ربط ضبط

ردیفِ ظائے مُعجمہ

خُوبرُویوں کو ہی زیبا ہے لحاظ
آنکھ میں اچھوں کی اچھا ہی لحاظ

کیا تماشا ہے کہ میرے سامنے
وہ نہیں آتے ہیں۔ آتا ہے لحاظ

نیچی نظروں سے مجھے دیکھا کرو
یوں کرو۔ تمکو جو کرنا ہے لحاظ

ہے نہیں دشمن تو آخر کون ہے
آپ کو پھر اور کس کا ہے لحاظ

آئینے سے اُنکو شرم آنے لگی
وہ اُنکو کہتے ہیں اُنکو کہا ہے لحاظ

کیوں نہوں بیباک بچپن میں حسیں
ہوش آتا ہے تو آتا ہے لحاظ

کون پُوچھے کون چھیڑے ذکرِ غیر
مجکو اُنکا۔ اُنکو میرا ہے لحاظ

شرم کے ہمراہ کچھ شوخی بھی ہو
آپ نے اِسکا بھی رکھا ہے لحاظ

کوئی ایسوں سے بھی چھپتا ہی کہیں
چاہنے والوں سے بیجا ہے لحاظ

پردہ کرتے ہو مری تصویر سے
یہ زمانے سے نرالا ہے لحاظ

شُکر ہے اُس کم سُخن کا مہر سے
مُدّتوں میں آج ٹوٹا ہے لحاظ

ردیفِ عین مُہملہ

یہ بھی سوچا تُو نے جب جلنے لگا پروانہ شمع
تجکو ایسا چاہیئے۔ یا چاہیئے ایسا نہ شمع

انقلابِ سوزِ غم سے کیوں رہے بیگانہ شمع
شمع ہو پروانہ جل کر۔ اور ہو پروانہ شمع

دُھوم پروانوں سے شب کو اُسکے صدقے میں رہی
میری تُربت پر تپِ غم سے جلی کیا کیا نہ شمع

اِس سے بڑھکر اور اِس جلنے کا ملتا کیا صِلہ
رات بھر تو شمع رُویوں سے رہا یارانہ شمع

آپ نے دیکھا پتنگوں کے جلانے کا مآل
جل بُجھی آخر کو خود بھی صورتِ پروانہ شمع

اُس رخِ روشن کے آگے ہو کے روشن گُل ہُوئی
اور کیا تھا بس یہ تھا اِس جُرم کا جُرمانہ شمع

اُنکو اپنے حُسن پر کیوں کر نہ ہو نازو غرور
شمع ہیں وہ انجمن میں اور ہے پروانہ شمع

تجکو ہے جلنے سے مطلب۔ تجکو ہر روز سے کام
عیش خانہ ہو کسی کا یا ہو ماتم خانہ شمع

کسیہ سو دل سے تصدق کس پہ سو جی سے نثار
کس کا دیوانہ ہے پروانہ۔ ترا دیوانہ شمع

رات بھر رہ کر وہاں دیکھے ہیں کیا کیا رنگ ڈھنگ
کس لئے چپ ہے سنا اُس بزم کا افسانہ شمع

صُبح کے ہوتے ہی بزمِ ناز سے تو چل بسی
بھر گیا کیا جلد تیری عُمر کا پیمانہ شمع

ہوشوں سے رُوئے روشن کی اگر پروانہ ہو
تو نہیں بجھنے کا تیرا قہر سے یارانہ شمع

ردیفِ غین معجمہ

دل میں بھی جا ہے داغ جگر میں بھی جا ہے داغ
دل دے کر اُسکو میں نے ہزار دل اُٹھائے داغ

چھوڑا ہے اِسمیں سوزِ محبت نے اور کیا
رکھا ہے اور کیا مرے دل میں سوائے داغ

کھو کر دل و جگر کوئی کس کس کا غم کرے
اِس کا اُٹھائے داغ کہ اُس کا اُٹھائے داغ

دل سے کبھی ہُوا نہ مرا داغِ دل جُدا
تمکو جو سیکھنی ہے تو سیکھو وفائے داغ

روتی ہیں حسرتیں دلِ عاشق کی لاش پر
دشمن کو بھی خدا نہ کسی کا دکھائے داغ

ق
رکھتا تھا دل میں داغ کو میں مثلِ داغِ عشق
اب داغِ مرگِ داغ ہی دل میں بجائے داغ

گلزار و یادگار ہیں۔ گلزار و یادگار
ایک ابتدائے داغ ہے۔ ایک اِنتہائے داغ

مہتاب و آفتاب ہیں۔ مہتاب و آفتاب
کیا رات دن ہی بزمِ سخن میں ضیائے داغ

سُنتا ہُوں اب جو قہر کوئی شعر داغ کا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے کہتا ہوں "ہائے داغ!"

ردیفِ فا

ہو اُن سے کچھ تو گفتگو یا اِس طرف یا اُس طرف
پردے میں ہو یا رُو بہ رُو یا اِس طرف یا اُس طرف

یا قتل وہ مجکو کریں یا وصل ہو انکا مجھے
نکلے تو کوئی آرزو یا اِس طرف یا اُس طرف

دشمن نے بھڑکایا نہو۔ ناصح نے بہکایا نہو
کوئی نہ کوئی ہو عدو یا اِس طرف یا اُس طرف

اب عشقِ بدانجام میں وہ ہوں کہ ہوں بدنام میں
جا کر رہے گی آبرو یا اس طرف یا اُس طرف

تیرے لئے اے دل لڑوں لڑنے سے پہلے سوچ لوں
ہوگا کدھر اُس وقت تو یا اس طرف یا اُس طرف

آئے ترا تیرِ نظر۔ دل ہو کہ ہو بسمل جگر
دونوں میں اُسکے روبرو یا اِس طرف یا اُس طرف

حوروں کا سودائی ہوا۔ پریوں کا دیوانہ بنا
دل کی کریں میں جستجو یا اِس طرف یا اُس طرف

سائل درِ میخانہ پر زاہد بھی ہے میخوار بھی
اُٹھے کدھر دستِ سبو یا اس طرف یا اُس طرف

اے قہرؔ اُن میں غیر میں ہو جبکہ یوں حجت بڑھی
کوئی تو ہوگا تُند خو یا اِس طرف یا اُس طرف

دردِ اُلفت سے کہیں شوخ حسیں ہیں واقف؟
اِس کو ہم جانتے ہیں اِس سے ہمیں ہیں واقف

اُسکے وعدے پہ جئیں اہلِ وفا کیا حاصل
بیوفائی سے تری جانِ حزیں ہیں واقف

نالہ کرنا کسے کہتے ہیں۔ کسے مرجانا
اِن طریقوں سے محبت میں ہمیں ہیں واقف

دل جلانے سے، ستانے سے، ستم ڈھانے سے
ابھی کم سن ہیں۔ ابھی آپ نہیں ہیں واقف

اے فلک ایک ہمیں کشتۂ آزار نہیں
تیری بیداد سے سب اہلِ زمیں ہیں واقف

کِس طرح خاک میں انسان مِلا کرتے ہیں
ہمسے پوچھے کوئی ہم خاک نشیں ہیں واقف

ہم یہ کہتے ہیں کہ تم سے بہت آگاہ ہیں ہم
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تم سے نہیں ہیں واقف

دیکھ لو ہے دلِ مضطر بھی مرا شوخ و شریر
اب نہ کہنا کہ شرارت سے ہمیں ہیں واقف

اپنی محفل ہی میں تم پوچھ لو ہے کون بُرا
غیر سے مجھ سے بہت لوگ یہیں ہیں واقف

دُور اُفتادہ اُسے ڈھب پہ لگائیں کیونکر
اِن قرینوں سے جو رہتے ہیں قریں ہیں واقف

ایسی شہرت نہ کسی کی کہیں دیکھی نہ سُنی
قہرؔ کے نام سے سب ماہ جبیں ہیں واقف

ردیفِ قاف

دیتا جو رنج و غم سے رہائی شبِ فراق
ایسا دیا نہ کوئی دکھائی شبِ فراق

آئے نہ تم نہ موت ہی آئی شبِ فراق
ہم سے تو سب نے آنکھ چرائی شبِ فراق

جب اور کچھ نہ ہم سے بن آئی شبِ فراق
دیتے رہے سحر کی دُہائی شبِ فراق

سر سے بلائے ہجر کا ٹلنا محال ہے
جانے کے واسطے نہیں آئی شبِ فراق

یہ اِنقلاب میرے مقدر کا دیکھئے
بدلے ہیں روزِ وصل کے پائی شبِ فراق

دیتے ہیں جانِ عاشقِ ناکام سیکڑوں
لیتی ہے اپنے سر یہ بُرائی شبِ فراق

نالے بھی ہیں فضول دعائیں بھی ہیں عبث
ہوتی ہے کب کسی کی رسائی شبِ فراق

صُبحِ شبِ فراق وہ آکر یہ کہہ گئے
کمبخت تجھکو موت نہ آئی شبِ فراق

مجھکو مرے رقیب نہ مُردہ سمجھ سکے
نالوں نے ایسی بات بنائی شبِ فراق

یہ کہکے روزِ وصل وہ گھر اپنے چلدیئے
"آئی وہ آئی۔ دیکھ وہ آئی شبِ فراق"

اے قہرؔ سرگذشتِ غمِ ہجر کیا کہوں
آفت ہیں دونوں روزِ جُدائی شبِ فراق

یہ قول تھا زندگی میں جنکا بنائینگے یادگارِ عاشق
ستم تو دیکھو مٹا رہے ہیں وُہی اب آکر مزارِ عاشق

کہا کس افسوس سے کسی نے اُڑا جو سر پر غُبارِ عاشق
یہ ہمنے کیا خاک میں ملا کر بڑھا دیا ہے وقارِ عاشق

بڑھے گھٹے۔ اِس سے بحث کیا ہے رہیگی لیکن بہارِ عاشق
حیاتِ عاشق، مُماتِ عاشق، سُرورِ عاشق، خُمارِ عاشق

فراقِ جاناں نے مار ڈالا غمِ محبت نے دم نکالا
رہیں جو صبر و قرار سے اب نہیں وہ صبر و قرارِ عاشق

نہ دل ہے وہ دوست جانتے ہیں نہ اپنا دشمن ہی مانتے ہیں
نہ ہے اِسمیں۔ نہ ہے اُسمیں نہیں کسیمیں شمارِ عاشق

بہار کا انتظار کب تک۔ جو سیرِ گلزار دیکھنی ہے
تو دیکھتے کیوں نہیں وہ آکر ابھی دلِ داغدارِ عاشق

وہ زندگی کیسی زندگی تھی۔ یہ موت ہے کیسی موت یارب
نہ تھا کوئی غمگسارِ عاشق نہ ہے کوئی سوگوارِ عاشق

مجھے یہ ڈر ہے جنابِ ناصح کہیں نہ رُسوائے دہر کردیں
ہوئے تو ہیں حالِ دل سے واقف بنے تو ہیں رازدارِ عاشق

غضب کی چتون بلا کی نظریں ستم بھرے اُسپہ ہیں یہ مژگاں
یہ تیر ہوں جسکے پاس وہ پھر کرے نہ کیونکر شکارِ عاشق

وہ کہتے ہیں میرے نامہ بر سے کیا تغافل کا اُسنے شکوہ
جفا یہ کیا جانیں کیا کریگا ہمیں نہیں اعتبارِ عاشق

جو سر ہو زانوئے مہ جبیں پر۔ تو پھر اترائے کیوں نہ دل میں
کرے نہ کیوں افتخارِ عاشق اگر ہو یوں اِفتخارِ عاشق

ردیفِ کاف تازی

اِے نجومی وہ حسیں مجھ سے ملے گا کب تک
پُوری ہوگی دلِ مضطر کی تمنا کب تک

مَوردِ طعنہ و دُشنام رہوں گا کب تک
وہ بُرا مجکو کہے جائیں گے اچھا کب تک

اب قسم ہے تمھیں ملنے کی نہ ملنا مجھ سے
میں بھی دیکھوں تو نہ ہوگا مرا چاہا کب تک

جان لینی ہے تو لے لیجیئے۔ آخر میں بھی
حسرتِ قتل میں بیتاب رہوں گا کب تک

اِس قدر جلوۂ دیدار سے بیہوش رہے
نہیں معلوم کہ ہم نے انھیں دیکھا کب تک

ہے قیامت کیلئے ایک ہی دن کی میعاد
حشر کوُچے میں رہے گا ترے برپا کب تک

اُن کو چاہوں گا مگر یہ تو بتا دیں مجکو
رنج و غم دیں گے محبت میں وہ کتنا کب تک؟

شاد ہونا بھی مقدر میں لکھا ہو کہ نہیں
قہرِ ناشاد رہے مَوردِ ایذا کب تک

یہ نہ سمجھو مرے ارمانِ دلی ہیں دو ایک
ابھی دو ایک تھے پھر اور ابھی ہیں دو ایک

آہ کی ہے کبھی میں نے کبھی کی ہے فریاد
اور کیا کی ہیں خطائیں یہی کی ہیں دو ایک

سب نگاہیں نہیں اُٹھتیں تری جانب اچھی
ایک دو ہیں اگر اچھی تو بُری ہیں دو ایک

شوخیاں کر کے بھی شوخی نہیں جاتی تیری
کی ہیں دس بیس جو تو نے تو گنی ہیں دو ایک

یوں نکلنے کو شبِ وصل ہزاروں نکلیں
حسرتیں پھر بھی مرے دل میں رہی ہیں دو ایک

اور کیا بات تھی آئیں جو بلائیں دل پر
ہاں مگر اس نے بلائیں تری لی ہیں دو ایک

محفلِ ناز تری غیر سے خالی نہ رہی
کبھی دو چار اگر ہیں تو کبھی ہیں دو ایک

کیوں خفا ہو اگر اک آدھ کیا ہے نالہ
مہرباں میں نے دعائیں بھی تو دی ہیں دو ایک

کیوں نہ دے قہر جگہ دل میں غم و ارماں کو
اُسکے مُونس ہیں تو لے دے کے یہی ہیں دو ایک

ردیفِ گاف فارسی

مژگانِ یار و ابروئے خمدار سے الگ
دل تیر سے جُدا رہے تلوار سے الگ

محفل میں بھی نکل نہ سکی میری آرزو
بیٹھا وہ اپنے طالبِ دیدار سے الگ

دل ہاتھ پر ہے اور کھڑا سوچتا ہوں میں
رکھوں اِسے کہاں نگہِ یار سے الگ

رکھتے ہزار کوئی اِسے روک تھام کر
ممکن نہیں کہ دل رہے دلدار سے الگ

جس وقت کی تھی میرے رقیبوں نے سرکشی
سر کر دیا نہ آپ نے تلوار سے الگ

دشمن بھی ہیں نگاہ میں۔ تم بھی نظر میں ہو
دربار سے جُدا ہوں نہ سرکار سے الگ

پوچھے وہ خاک بیٹھکے پہلو میں دردِ دل
بیٹھے جو میرے سامنے اِصرار سے الگ

جب دیکھتے ہیں بزم میں بیٹھا ہوا مجھے
باتیں وہ اُٹھکے کرتے ہیں اغیار سے الگ

کچھ دل ہیں رہ گئے ہیں۔ کچھ ارماں نکل گئے
دو چار سے قریب ہوں۔ دو چار سے الگ

کہتے ہیں جس کو دردِ محبت سب اہلِ درد
مشکل ہے وہ ہو مہرؔ کے اشعار سے الگ

ردیفِ لام

عُدو ہوں تیری بزمِ ناز میں تو تیر کے قابل
خدا کی شان۔ ایسے! اور اِس تقدیر کے قابل!

وہ دل کیوں ہو جفائے آسمانِ پیر کے قابل
جو ہو اُس تیغ کے لائق۔ جو ہو اُس تیر کے قابل

ستم ہے ضبطِ اُلفت حالِ دل کہنے نہیں دیتا
زُباں رکھتے ہیں پھر بھی ہم نہیں تقریر کے قابل

جو چاہا تم کو تو اِس میں خطا کی کون سی ہے نئی
مجھے سمجھے ہو کس تقصیر پر تعزیر کے قابل

فلک پر مُنہ چھپا کر کس لئے جا بیٹھتے عیسیٰ
اگر ہوتا ہمارا دردِ دل تدبیر کے قابل

فغاں کمزور۔ آہیں ناتواں بیمارِ فرقت کی
نہ یہ تاثیر کے قابل نہ وہ تاثیر کے قابل

نہ رکھوں کیوں اُسے دل میں نہ دیکھوں کیوں اُسے دل میں
یہی تو ہے اک آئینہ تری تصویر کے قابل

دلِ دیوانۂ اُلفت کو میں کیا باندھکر رکھوں
جو اِسکے پاؤں ہوں تو یہ بھی ہو زنجیر کے قابل

فروغِ بزمِ دشمن ہو تمہارے روئے روشن سے
وہ محفل اور ہو اُس شمع کی تنویر کے قابل!

یہی ہے شرح اِسکی۔ شرح اِسکی ہو نہیں سکتی
زیادہ اِس سے حالِ دل نہیں تفسیر کے قابل

دمِ آخر نہ دیکھا جائے گا رستہ قیامت کا
یہی ہو سادگی تو کیوں شکارِ دل کا ارماں ہو

نہیں یہ وقت تو اے حیلہ جو تاخیر کے قابل
کوئی ناوک بھی ہو ٹھٹکی میں اس نخچیر کے قابل

لکھے بھی قہر اُسے خط تو لکھے بھی کیا اُسے خط میں
وہ ہو تحریر کیونکر جو نہو تحریر کے قابل

یہ کہہ کر وہ میرا اُڑا لے گیا دل
جو دل لیکے تم مجھسے کہتے ہو لادل
کبھی تو نے رکھا نہیں دل کسی کا
ہمارا ہے دل۔ یا یہ دل ہے تمہارا
کہیں ہارے باندھے سی رہتا ہی یہ بھی
وہ کہتے ہیں مجھ سے کمی کیا ہی مجھ کو
کہوں کیا شبِ غم وہ آزار دیکھے
سببِ ترکِ اُلفت کا کیا پوچھتے ہو
وہ کہتے ہیں مجھ سے کہ پھر کیا کرے تو
شرارت میں تم سے کچھ کم نہیں ہی
دل آزار تو ہے۔ دل افگار ہم ہیں
مِلا اس طرح وہ ملے اس طرح ہم

ذرا میں بھی دیکھوں۔ مجھے تو دکھا دل
مرے پاس رکھا ہی کیا دوسرا دل
اگر دے بھی کوئی تو دے تجکو کیا دل
عبث کہہ رہے ہو مرا دل مرا دل
بہت ہمنے رکھا مگر کب رہا دل
کوئی پل ہی جائے گا اچھا بُرا دل
کہ بن بن گئی دم پہ ہل ہل گیا دل
مِلا دل مِلا دل۔ کھنچا دل کھنچا دل
اگر چھین لے تجھ سے کوئی ترا دل
اگر شوخ ہو تم۔ تو ہے چلبلا دل
ہمارا جُدا ہے۔ جُدا ہے ترا دل
مِلی آنکھ سے آنکھ۔ دل سے مِلا دل

گئی چیز کا قہر کرتے ہو کیا غم
گیا دل۔ گیا دل۔ گیا دل گیا دل

وہ نہیں کرتے دوائے دردِ دل
آئے گی پھر لذتِ تسکیں کسے
دیکھ کر وہ دل ہمارا کیا کریں
دل ہی جب ہو دردِ دل سے بیقرار
پھر مرا دل کیوں نہ تڑپے جب کوئی

دل ہی اب مٹکر مٹائے دردِ دل
جان توڑ کر نہ جائے دردِ دل
کچھ نہیں دل میں سوائے دردِ دل
کس جگہ پھر چین پائے دردِ دل
اُٹھکے پہلو سے اُٹھائے دردِ دل

خود مِٹے گا۔ یا ہٹائے گا مجھے
یوں تو مِل سکتی نہیں اِس سے نجات
دردِ دل کا وہ مُدا وا کیا کرے
حالِ دل ہی جب نہیں وہ دیکھتے
مرتے دم تک یہ مرا ہمدم رہا

کچھ تو ہو گی اِنتہائے دردِ دل
موت آجائے تو جائے دردِ دل
جو کہ دل ہے برائے دردِ دل
پھر کوئی کیونکر دکھائے دردِ دل
آپ نے دیکھی وفائے دردِ دل!

قہر اِسے سُن کر وہ برہم ہو گئے
اور کہیئے ماجرائے دردِ دل!

ردیف میم

اُس سے اُٹھتے کہ نہیں اُٹھتے ہیں خنجر کے ستم
اُس سے کیا خاک اُٹھیں تم سے ستمگر کے ستم
آہِ مظلوم سے شاید تراجی ڈرتا ہے
ناز۔ انداز۔ ادا۔ عشوہ۔ کرشمہ۔ شوخی
اور دھماں ہے کوئی دم کا مریضِ فرقت
ذبح کرتا ہے تو آنکھیں بھی نکال اے قاتل
نہ یہ مضطر ہے زیادہ۔ نہ وہ کم ہے بیتاب
اور کیا خاک ہے میرے لئے میخانے میں
کچھ تو دلبر نے ستایا۔ دلِ بیتاب نے کچھ
سچ تو یہ ہے کہ دل اُنکا ہے کلیجا اُنکا
عشق میں میرے سوا کون بد اختر وہ ہے

دیکھے تو مرے دشمن پہ کبھی کر کے ستم
اُٹھ سکیں جس سے نہ اپنے دلِ مضطر کے ستم
اِسلئے تُو نے مرے دل پہ کئے ڈر کے ستم
ایک دل اور پھر اُسپر ہیں یہ دلبر کے ستم
اور بیمارِ محبت یہ ہیں دم بھر کے ستم
اِن سے دیکھے نہیں جاتے ترے خنجر کے ستم
دل جگر دونوں اُٹھاتے ہیں برابر کے ستم
کبھی شیشے کے ستم ہیں کبھی ساغر کے ستم
مجھپہ کچھ ظلم ہیں باہر کے۔ کچھ اندر کے ستم
جو اُٹھاتے ہیں ترے عشق میں عمر بھر کے ستم
جسکی تقدیر میں ہیں چرخِ بد اختر کے ستم

کوئی صُورت ہو وہ اے قہر کہاں جاتے ہیں
جو ہیں تقدیر کے غم۔ جو ہیں مقدر کے ستم

مانو کہا۔ عُدو کے کہے میں نہ آؤ تم
یہ ماننے کی بات ہے۔ یہ مان جاؤ تم

کیا قہر ہے کہ پہلے مرا دل چُرا لیا
اب کہتے ہو یہ اور کو چوری لگاؤ تم

جبتک ہے دل مٹے گا نہ دل سے ہجومِ شوق
اِسکو اگر مٹاؤ تو اُسکو مٹاؤ تم

یہ اپنی لاگ اور یہ اچھا لگاؤ ہے
دل میں نہ آؤ اور نظر میں سماؤ تم

اچھی کہی رقیب کو ہم جانتے نہیں
ہم جانتے ہیں ہم سے نہ باتیں بناؤ تم

دل سے تو حسرتیں مرے دل کی نکال دو
میں تم کو روکتا نہیں جاتے ہو جاؤ تم

تلوار تیز ہے کہ نہیں یہ تو دیکھ لو
پہلے رقیب پر ہی اِسے آزماؤ تم

کیا اس ستم کو پہلوئے دشمن میں دل نہیں
کچھ فرض ہے کہ میرے ہی دل کو ستاؤ تم

دل پر ستم کئے ہیں تو فریاد بھی سُنو
کس نے کہا تھا دوست کو دشمن بناؤ تم

کوئے بتاں بھی غیرتِ جنت ہے زاہدو
لیکن نہ جاؤ تم تو جہنم میں جاؤ تم

وہ بے وفا تو پھر نباہیگا تم سے کیا
تمکو نباہنی ہے تو اُس سے نبھاؤ تم

دیکھنا کہتے ہیں کیا کیا داورِ محشر سے ہم
حشر میں چپ رہ نہیں سکتے تمھارے ڈر سے ہم

تنگ آئے ہیں یہاں بھی تو دلِ مضطر سے ہم
اب کہاں جائیں الٰہی کوچۂ دلبر سے ہم

خیر رستے ہی میں مل جائیں کسی دن اس طرح
آپ اپنے گھر سے نکلیں اور اپنے گھر سے ہم

کیا خبر تھی عشق میں پڑ جائیں گے یہ تفرقے
ہم سے دل ناآشنا ہو جائے گا دلبر سے ہم

قتل ہو کر بھی نہ مُرجھائے گُلِ داغِ جگر
کس قدر سیراب ہیں آبِ دمِ خنجر سے ہم

تیز رَو ایسا بھی دیکھا کوئی راہِ شوق میں؟
ہر قدم پر منزلوں آگے رہے رہبر سے ہم

تجکو رونا ہے فقط ناصح ہماری جان کا
اور کیا معلوم دے بیٹھے ہیں کیا کیا گھر سے ہم

اے شبِ غم ایسے نظّارے سے کچھ حاصل نہیں
صُبح تک آنکھیں لڑائیں دیدۂ اختر سے، ہم

ساقیٔ کمظرف تو دل توڑ کر چلتا ہُوا
خونِ دل پیتے رہے ٹوٹے ہُوئے ساغر سے ہم

اب ترے ہی سنگِ در کی کچھ خصوصیّت نہیں
اپنی قسمت پھوڑتے پھرتے ہیں ہر پتھر سے ہم

تو بتا۔ ہے اور دنیا میں ٹھکانا کونسا
جائیں تو جائیں کہاں اِن گھر سے ہم اِس در سے ہم

اپنے دَر سے اُس نے یہ کہہ کر اُٹھایا ہی مجھے
تو نہیں ہٹتا تو کیا نکلیں ترے سر پر سے ہم!

اُس زمیں پر پانوٗں رکھتے ہی تو سَر جاتا ہے قہر
چل سکیں کیا خاک قاتل کی گلی میں سَر سے ہم

وہ رنج دیں کہ مسرّت یہ مجکو کیا معلوم
دکھائے کیا مری قسمت یہ مجکو کیا معلوم

نظر کے سامنے سے آئینہ نہیں ہٹتا
تجھی کو ہے تری حسرت یہ مجکو کیا معلوم

ستم کریں گے۔ ستائیں گے۔ ظلم توڑیں گے
وہ مجھپہ ڈھائیں گے آفت یہ مجکو کیا معلوم

تمھاری بزم ہے ایسی۔ یہ میں نہ سمجھا تھا
فلک سے اُتری ہے جنّت یہ مجکو کیا معلوم

جو دیکھتا ہے اِنھیں اُنکے دَم پہ بنتی ہے
بُری ہے اچھوں کی صورت یہ مجکو کیا معلوم

ستم ہے دل کا لگانا غضب ہے دل کی لگی
عذاب ہے غمِ فرقت یہ مجکو کیا معلوم

کبھی لحد پہ وہ روئیں گے۔ یا وہ اشکوں سے
بہائیں گے مری تُربت یہ مجکو کیا معلوم

یقیں ہو کیا شبِ فرقت سحر کے آنے کا
وہ آئے گی کہ قیامت یہ مجکو کیا معلوم

کبھی جو تذکرہ آیا تو ہو گئے برہم
تمھیں ہے قہر سے نفرت یہ مجکو کیا معلوم

ٹالے سے جو ٹل جائیں کچھ آفت تو نہیں ہم
کیوں اُٹھیں ترے در سے قیامت تو نہیں ہم

ہونے دو اگر شکوۂ بیداد ہے دل میں
کرتے کبھی کچھ مُنھ سے شکایت تو نہیں ہم

کیوں کھانے کو ملتا ہے نیا غم ہمیں ہر روز
مہمان ترے اے شبِ فرقت تو نہیں ہم

آتی جو نہیں نیند تو موت آئے شبِ ہجر
بیدار رہیں غیر کی قسمت تو نہیں ہم

بیتاب ہیں۔ بیچین ہیں مضطر ہیں۔ بلا سے
لیکن تری آنکھوں کی شرارت تو نہیں ہم

مشکل جو ہُوا بیٹھ کر اُٹھنا ترے در سے
ظالم کہیں تیری ہی نزاکت تو نہیں ہم

رُوٹھے ہوئے دشمن کو تمھیں جا کے مناؤ
ہم سے نہ کہو۔ کرنے کے منّت تو نہیں ہم

کیوں ہمکو نکلواتے ہیں وہ بزم سے اپنی
ارماں تو نہیں ہم۔ کوئی حسرت تو نہیں ہم

دل لینے میں کیوں آپ کو اِتنا ہے تامّل
ٹھہراتے ابھی آپ سے قیمت تو نہیں ہم

کیوں جی سے بھلا کرنے لگا کوئی محبت
ہیں قہر تو ہوں۔ قابلِ اُلفت تو نہیں ہم

ردیفِ نون

میں کیوں خضر کے آبِ بقا پر مٹا رہوں — تجھ میں فنا رہا ہوں۔ تجھی میں فنا رہوں
تیرے سوا سمائے نہ جب کچھ نگاہ میں — پھر خاک محوِ خال و خطِ ماسوا رہوں
پھر بھی نہ مٹ سکے مری مٹنے کی آرزو — تیری ادا ادا پر اگر میں مٹا رہوں
رہتا وہ جلوہ پردۂ وحدت میں کس طرح — اُسکو ازل سو شوق تھا کثرت نما رہوں
بھرتے ہیں گھاؤ جب تری شمشیرِ ناز کے — دل چاہتا ہے زخمیِ تیرِ ادا رہوں
میرے لئے تو زندگیِ ہجر موت ہے — کب تک اُمیدوار ترے وصل کا رہوں
حسرت ہے مجکو بھی صفتِ عکسِ آئینہ — آجائے تُو نظر تو تجھے دیکھتا رہوں

اے قہر مجکو دردِ جدائی عذاب ہے
اُس سے جدا رہوں بھی تو کب تک جدا رہوں

کرتے ہیں جو حجاب۔ رہیں وہ حجاب میں — لیکن نہ جلوہ رُخ کا چھُپے گا نقاب میں
واعظ جو تُو نے صرف کیا ہے شراب میں — ہے وہ حساب پیرِ مُغاں کی کتاب میں
میری نہ سُنئے اِسکی طرف کیجئے نگاہ — کہنا ہے مجکو آپ سے کچھ دل کے باب میں
یہ ڈھنگ شوخیوں کے نہ آتے کسی طرح — تم دیکھتے اگر نہ مجھے اضطراب میں
لکھیں گے خط وہ مجکو اب اِسکی اُمید کیا — قاصد بھی تو پلٹ کے نہ آیا جواب میں
ڈھاتا نہیں ہے ظلم جوانی میں عشق ہی — ہوتا ہے قہر حُسن بھی عہدِ شباب میں
زاہد گھٹا اُٹھی ہے جو ساقی نہیں تو کیا — تُو ہی پلا کر آج ہو داخل ثواب میں
سوچو تو درج ہونگے یہ ظلم و ستم کہاں — میرے حساب میں؟ کہ تمہارے حساب میں!
ہو کیوں نہ مجکو نازِ دلِ بے قرار پر — آیا ہے اک یہی تو ترے انتخاب میں
اے خود نما بتا تو یہ طرزِ حیا ہے کیا — رہ کر حجاب میں بھی نہیں تو حجاب میں
مجکو فسانہ کہکے سُلا دے شبِ فراق — ممکن ہے قصہ گو چلے آئیں وہ خواب میں
گردش نصیبِ عشق میں مجھ سا کوئی نہیں — جب دیکھو مجکو میں ہُوں نئے انقلاب میں

ہو آنکھ تو یہاں بھی نظر کیوں آئے کچھ
سب کچھ ہے۔ کیا نہیں ہے جہانِ خراب میں

جُرم و گناہ میں کبھی میں نے نہ کی کمی
تو بھی نہ کر کمی کرمِ بے حساب میں

ناشاد و نامُراد تو کہتے ہیں قہر کو
اب دیکھئے بڑھائیں وہ کیا اِس خطاب میں

ناکامِ محبت ہُوں گرفتارِ بلا ہُوں،
پھر بھی یہ مجھے ناز ہے عاشق تو ترا ہُوں

یہ کیا کہُوں کیسا ہُوں۔ مگر تجھپہ فدا ہُوں
اچھا ہُوں تو اچھا ہُوں۔ بُرا ہُوں تو بُرا ہُوں

بیہوش مجھے کرکے یہ ہوش اُنکے اُڑے ہیں
یہ بھی نہیں معلُوم کہ میں ہوش رُبا ہُوں

چلتا ہُوا کِتنا ہے ترا فتنۂ رفتار
کہتا ہے کہ میں آپکے قدموں سے لگا ہُوں

غفلت تری عادت ہے جفا تیری ادا ہے
کس ظلم کا پھر دادطلب روزِ جزا ہُوں

کیا حال کہوں آپ سے میں اور کسی کا
خود مجکو نہیں اپنی خبر۔ کون ہُوں کیا ہُوں

یارب وہ گِنا کرتے ہیں کیوں میری خطائیں
میں ہُوں بھی تو بس ایک گنہگارِ وفا ہُوں

آگ اِنسے لگائی نہ گئی بزمِ عُدو میں
کیا کیا شبِ فرقت کی دُعاؤںسے جلا ہُوں

اُلفت میں یہ آپس کا مُعمّا نہیں کُھلتا
دل مجھ سے ہے ناراض کہ میں دل سے خفا ہُوں

پھر کس کے اِشارے سے قیامت نہ اُٹھے گی
ہر فتنہ یہ کہتا ہے اُن آنکھوں میں رہا ہُوں

اے قہر عبث ہے کسی بے مہر پہ مرنا
جو مجکو نہ چاہے اُسے میں کس لئے چاہُوں

یوں یقیں سوزِ دُرُوں کا تم کو آسکتا نہیں
داغِ دل میں چیر کر پہلُو دکھا سکتا نہیں

آسماں عُشّاق پر یہ ظلم ڈھا سکتا نہیں
ہے تو ظالم وہ بھی لیکن تجکو پا سکتا نہیں

کیا سُناؤں حالِ دل تم کو سُنا سکتا نہیں
جو مجھے کہنا ہے وہ کہنے میں آسکتا نہیں

کوئی ہمدم کیا شبِ غم آئے۔ آسکتا نہیں
وہ مری بیتابیوں کی تاب لاسکتا نہیں

کیا سمجھ کر میں نظر ڈالوں تری تصویر پر
عکس تیرا میری آنکھوں میں سما سکتا نہیں

چاہنے والے ہی پر معشوق کرتا ہے ستم
جو نہ چاہے وہ اُسے ہرگز سُتا سکتا نہیں

جان جانی ہے محبّت میں تو ناصح جائے گی
تو مری تقدیر کا لکھّا مِٹا سکتا نہیں

اُن سے دل کا مُدّعا کہہ دے زبانِ غیر میں
بھول جائے وہ مجھے میری بلا سے بھول جائے
او ستمگر یہ ہُوا معلوم مرجانے کے بعد،
ایک وہ ہیں جو مِلا سکتے ہیں مجکو خاک میں
کیوں عدو پر ظلم ڈھائیں وہ مرے ہوتے ہوئے
ایک دن مرنا تھا پھر میں کیوں نہ اُس پر مر گیا

نامہ بر اِتنا بھی میرے کام آسکتا نہیں
میں تو اے ناصح اُسے دل سے بھلا سکتا نہیں
میری مٹّی بھی ٹھکانے تو لگا سکتا نہیں
ایک میں ہُوں اُنسے آنکھیں بھی مِلا سکتا نہیں
میں اُٹھا سکتا ہُوں صدمے۔ وہ اُٹھا سکتا نہیں
جیتے جی یہ رنج میرے دل سے جا سکتا نہیں

اُس بُتِ بے مہر پر اے قہر دل کیوں آگیا
کیا بتاؤں اِسکو میں۔ یہ میں بتا سکتا نہیں

اب شدّتِ گریہ سے کہاں خُونِ جگر میں
دیکھا یہ اثر میں نے نیا تیرِ نظر میں
میں اِنکو بچاؤں بھی تو کیا خاک بچاؤں
اُس تیر کے آگے تو یہی سینہ سِپر ہے
کرتی ہے گراں قدرِ حسینوں کو نزاکت
ہر نقشِ قدم پر ہے گُماں لوحِ جبیں کا
کمبخت شبِ ہجر تو کاٹے نہیں کٹتی
یہ چھیڑ تو اچھی ہے مگر سوچ رہا ہُوں
مر کر بھی مٹّی دل سے نہ مرنے کی تمنّا،
کیا بات ہے اے چرخ یہ عُقدہ نہیں کھُلتا

یہ دیکھئے خاک اُڑنے لگی دیدۂ تر میں
یعنی تری آنکھوں میں ہے وہ میرے جگر میں
دل اُسکی نظر میں ہے جگر اُسکی نظر میں
چھنتی ہے غرض خُوب نظر اور جگر میں
تُلتے ہیں جو پھُولوں میں وہ تُلتے ہیں نظر میں
سجدے کیئے یہ کس نے تری راہ گذر میں
پتھرا گئیں آنکھیں مری اُمیدِ سحر میں
رکھُوں مژۂ یار کو دل میں۔ کہ جگر میں؟
پھرتی ہے مری رُوح تری راہ گذر میں
کیوں دیر ہوئی میری دعاؤں کے اثر میں

اے قہر مجھے دیکھ کر اُن کا رُخِ روشن
آتی ہیں نظر چھائیاں رُخسارِ قمر میں

وہ عاشق کون ہے تیرا وہ شیدا کون ہے میں ہُوں
نہ آئے صبر ہی جس کو۔ نہ آئے موت ہی جسکو
نگاہیں تو تمھاری کہہ رہی ہیں اور کچھ دل سے

جو غم سہ کر دُعا دے تجکو ایسا کون ہے میں ہُوں
محبّت میں وہ مایُوسِ تمنّا کون ہے میں ہُوں
کہے جا دائم اپنے مُنہ سے ۔ اچھا کون ہے میں ہُوں

کہیں بارد میں ذکر آیا تھا جھوٹوں سے خدا سمجھے
وہ تیر ہو کے بولے! اور جھوٹا کون ہے میں ہوں

وفا کیسی۔ کرم کیسا۔ محبت کیا۔ عنایت کیا
پھر اسیر بھی وہ جس نے تمکو چاہا کون ہے میں ہوں

زمانے بھر سے جو کرتا ہے پردہ کون ہے۔ تم ہو
زمانے بھر میں جو ہوتا ہے رسوا کون ہے میں ہوں

قرینِ شمع و گل پروانہ و بلبل بھی رہتے ہیں
مگر وہ دور جسکو تم نے رکھا کون ہے میں ہوں

جفا کا نام ہے تم سے۔ وفا کا نام ہے مجھ سے
اب ایسا کون ہے تم ہو اب ایسا کون ہے میں ہوں

جو مجھکو آزماتا ہو تو خنجر سامنے رکھ دو
گلا خود کاٹ کر مر جائے تنہا کون ہے میں ہوں

کہاں کی بیخودی اے مہر آنکھیں کھل گئیں اپنی
کہا جب یہ کسی نے "تو نے دیکھا! کون ہے؟ میں ہوں"

یہاں یہ حال ہوتا ہے وہ گھر سے جب تک آتے ہیں
کلیجا منہ کو آتا ہے تو نالے لب تک آتے ہیں

کیا تھا وعدہ کل آنے کا لیکن اب تک آتے ہیں
یہ ہمکو دیکھنا ہے کہ اب وہ کب تک آتے ہیں

ہجومِ یاس میں امید ہو کیا دم نکلنے کی
بڑی دشواریوں سے رک کے نالے لب تک آتے ہیں

وہی ہیں ایک جو پوچھیں نہ بجھوائیں مجھے ورنہ
جہاں میں نامہ و پیغام سب کے سب تک آتے ہیں

دفورِ غم سے ہم اظہارِ غم بھی کر نہیں سکتے
زباں ہوتی ہے اپنی بند جب مطلب تک آتے ہیں

ہمیشہ وہ یونہیں آزار دیں گے کون کہتا ہے
کئے جاتے ہیں مجھ پر ظلم انکو جب تک آتے ہیں

خدائی خوار دن بھر یوں کوئی پھرتا ہے الفت میں
سحر کے نکلے نکلے اپنے گھر ہم شب تک آتے ہیں

لڑائے مہر سے آنکھیں قریب اگر وہ مشکل ہے
یہ دیکھا ہے کہ اسکو دور ہی سے سب تک آتے ہیں

کیوں جائے کوئی جھگڑا محشر کے شور و شر میں
آؤ یہیں نہ کر لیں طے مل کے گھر کے گھر میں

دل میں ادھر سمائی اتری ادھر جگر میں
کیا کوٹ کر بھری ہے بجلی تری نظر میں

ہیں خلد کے حسیں بھی زاہد مری نظر میں۔
حوروں میں وہ کہاں ہے جو بات ہے بشر میں

پردے میں بیٹھ کر کب پردے میں رہ سکے تم
پوشیدہ ہو نظر سے۔ پھر ہو مری نظر میں

دے کر پیام میرا اس شوخ کے قدم لے
لیکن کہاں ہے اتنی جرأت پیامبر میں

اس ناز اس ادا نے عالم کو مار ڈالا
تلوار باندھتے ہو کس کے لئے کمر میں

جاتا ہوں روز چل کر۔ آتا ہوں روز پھر کر
قاتل کی رہگذر سے۔ قاتل کی رہ گذر میں

اتنی اگر سمجھ ہے تو کیوں نہیں سمجھتے
کرتے ہیں غیر کیوں شر کیا فائدہ ہے شر میں

کھویا غمِ عدو نے سب رنگ روپ تیرا
کیا جانیں کیا بلا تھی کمبخت کی خبر میں

کچھ پیار کچھ محبت۔ کچھ قہر۔ کچھ عداوت
کیا کیا بھرا ہوا ہے کافر تری نظر میں

لعنت ہیں کوئی دم بھی آرام سے نہ بیٹھے
مثلِ نفس رہے ہیں ہر وقت ہم سفر میں

یوں عاشقی کے فن میں ہوتی ہے کس کی شہرت
پایا ہے نام تم نے اے قہر اس ہنر میں

تری محفل میں جانے پر بھی یوں اغیار بیٹھے ہیں
ابھی دو چار اُٹھے ہیں ابھی دو چار بیٹھے ہیں

ہزاروں صورتیں تو ہر جگہ ہیں دید کے قابل
وہ جا کر طور پر کیوں طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

الٰہی خیر کرنا رات کو یہ خواب دیکھا ہے
ہمارا سر ہے وہ کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں

رہا کرتے ہیں اُن آنکھوں کے آگے پھول نرگس کے
تماشا ہے لئے بیمار کو بیمار بیٹھے ہیں

خدا رکھے عجب مجمع ہے میخانے میں رندوں کا
یہاں دو چار بیٹھے ہیں۔ وہاں دو چار بیٹھے ہیں

ستم کیوں توڑتا ہے ظلم کیوں صیاد ڈھاتا ہے
قفس میں آپ ہی ہم جان سے بیزار بیٹھے ہیں

بتائیں کیا کسی کو قہر اب نام و نشاں اپنا
بڑی مدت سے ہم چھوڑے ہوئے گھر بار بیٹھے ہیں

چمن پر موسمِ گل میں گھٹائیں چھائی جاتی ہیں
بہت اترائی پھرتی ہیں بہت اترائی جاتی ہیں

ادھر ہم ہیں۔ اُدھر وہ بیچ میں دیوار حائل ہے
ترستی ہیں نگاہیں دید کو ترسائی جاتی ہیں

جفاؤں میں مزا آنے لگا کچھ کچھ وفاؤں کا
تغافل میں توجہ کی ادائیں پائی جاتی ہیں

ادھر اقرارِ فردا کا یقیں مطلق نہیں آتا
تسلی کو اُدھر قسموں پہ قسمیں کھائی جاتی ہیں

پہونچتا بھی نہیں گلچیں کا ہاتھ اب دامنِ گل تک
تماشا ہے کہ کلیاں خود بخود شرمائی جاتی ہیں

جگہ پاتیں نہیں جب کلفتیں دشمن کے بھی دل میں
تو دیکھیں یہ کہاں پھینکی کہاں ٹھکوائی جاتی ہیں

تمنائیں نکلنے کو کبھی گھبرائی جاتی تھیں
دعائیں اب نکلنے کے لئے گھبرائی جاتی ہیں

مسرت اس کو کہتے ہیں مسرت ایسی ہوتی ہے
جو باتیں خوش کریں دل کو زباں پر آئی جاتی ہیں

دیا اللہ نے اے قہرؔ عالیجاہ[1] کو بیٹا،
مُبارکبادیاں بزمِ طرب میں گائی جاتی ہیں

شکوۂ ظلم و ستم ہم کیا کریں
غم جو ہو قسمت میں تو غم کیا کریں

ساری دُنیا دل لگا کر مر گئی
ساری دنیا کا وہ ماتم کیا کریں

وصف سُنکر ہی یہ عالم ہو گیا
دیکھکر ہم اُنکا عالم کیا کریں

اور ہم کس کو سُنائیں حالِ دل
آپ ہی جب یہ کہیں "ہم کیا کریں"!

بھُولے بسرے تم سے ملجاتے ہیں ہم
راہ و رسم اب اِس سے بھی کم کیا کریں

چھُپ نہیں سکتا ہمیں سے رازِ عشق
جب یہ صورت ہے تو محرم کیا کریں

زُلفِ برہم کچھ ہمیں تو ہی بتا
جب کوئی ہو جائے برہم کیا کریں!

اُنکو حاصل عیشِ بزمِ غیر ہے
وہ مرا ماتم - مرا غم کیا کریں

کہہ گئے ٹھک کر پیامی قہرؔ سے
وہ تو آتے ہی نہیں ہم کیا کریں!

رہ کے دیکھو جو تڑپنے کا تماشا دل میں
دل کلیجے میں نظر آئے کلیجا دل میں

مہرباں پا کے جو پُوچھا کبھی ہے کیا دل میں؟
تو کہا اُس نے کہ ہے تیرا کلیجا دل میں

خاک اے دیدۂ تر حوصلہ تیرا نکلے،
خُون رُونے کو نہیں خون کا قطرا دل میں

جلوۂ عشق نہ تھا جب تو یہ عالم بھی نہ تھا
اب نظر آتی ہے کچھ اور ہی دُنیا دل میں

کیا قیامت ہے جو ہے درد کا دینے والا
درد رکھتا ہے زمانہ بس اُسی کا دل میں

کھیل جائے گا عُدو جان پہ ممکن ہی نہیں
پہلے پیدا تو کرے اِتنا کلیجا دل میں

وہ سمجھتے ہیں کہ خنجر ہے اُٹھانا مشکل
ہو مرے قتل کی حسرت بھی تو ہو کیا دل میں

خارِ حسرت کوئی کیا جلد نکل جاتا ہے
تا دمِ مرگ کھٹکتا ہے یہ کانٹا دل میں

تم تو کہتے ہو کہ ہم سا نظر آتا ہی نہیں
اور جو ہم نے دکھایا کوئی تم سا دل میں!

وہ ہمیں دل سے سوا تھا جو نکلتا دل سے
مگر ایسا کوئی ارمان نہ نکلا دل میں

[1] ہز ہائی نس مہاراجہ کرنل سر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادُر بہ القابہ والئِ ریاست گوالیار

خُوبرویوں کو سوا اِسکے کوئی کام نہیں
ایک دو اشک اگر ہوں تو کوئی ضبط کرے

کبھی آنکھوں میں سمانا کبھی رہنا دل میں
بند ہو کر نہ رہے گا کبھی دریا دل میں

اور کیا مہر کو حسرت ہے یہی حسرت ہے
سر میں سودا ہو ترا۔ درد ہو تیرا دل میں

اب کہاں جمعِ اُمید و تمنّا دل میں،
باعثِ رشک ہُوا آپ کا رہنا دل میں
چین لینے نہیں دیتی کہیں شوخی اُسکو
یہ بھی کہنا کہ کرو صاف دل اپنا ہم سے
نیل تو ناخنِ وحشت کے نظر آتے ہیں
دل جو لے لیں گے تو کس دل سے یہ چاہے گا ہمیں
اپنے گھر میں بھی تو نکلا نہیں بیٹھا جاتا
آتشِ عشق نے کچھ بھی نہیں رکھا باقی
ضبطِ فریاد و فغاں پر بھی کسی نے یہ کہا۔
جان جب جسم میں آئی تو محبت آئی
تم تو وہ ہو کہ کسی کو نظر آنے ہی نہیں
سُرخ آنسو مری آنکھوں میں نظر آتے ہیں

ایک رہنے نے ترے کچھ بھی نہ رکھا دل میں
دل کو خوش دیکھکے جلتا ہے کلیجا دل میں
وہ کبھی دل میں بھی آیا تو نہ ٹھہرا دل میں
اور پھر یہ بھی کبھی صاف نہ ہونا دل میں
لُطف جب ہے نظر آنے لگے صحرا دل میں
مہربان آپ نے اِتنا بھی نہ سوچا دل میں
کبھی ہوتا ہے کبھی وہ نہیں ہوتا دل میں
ہم نے گھر پھُونک کے دیکھا یہ تماشا دل میں
چُپکے چُپکے مجھے پھر آپ نے کوسا دل میں
ساتھ ہی دل کے ہُوا درد بھی پیدا دل میں
کیا نظر ہے مری بیٹے تمھیں دیکھا دل میں
کر دیا اس نے کیا خونِ تمنا دل میں؟

داغِ دل مہر۔ بنا مہر کبھی۔ ماہ کبھی
کبھی ایسا اِسے دیکھا۔ کبھی ویسا دل میں

زندہ رہتے ہیں یہ زہر آب جو پی جاتے ہیں
دردِ دل ہمکو وہاں کھینچ کے لے جاتا ہے
ایسی جلدی میں نہ نکلے گی تمنا کوئی
کس قدر سہل ہے عشاق کو مرنا۔ جینا
کر دیا ہم کو محبت نے کچھ ایسا مجبور

جو ادا پر تری مر جاتے ہیں جی جاتے ہیں
ورنہ کیا غیر کے گھر اپنی خوشی جاتے ہیں
ابھی آتے ہیں مرے گھر وہ ابھی جاتے ہیں
روز مر جاتے ہیں یہ روز یہ جی جاتے ہیں
گالیاں بھی کوئی دیتا ہے تو پی جاتے ہیں

بات کرنے کیلئے آپ سے ہم آئے تھے
آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی جاتے ہیں

کیا کریں اسکے سوا دستِ جنوں کی تدبیر
بخیہ گر روزِ گریباں مرا سی جاتے ہیں

اُنکے حصّے کی پیالے سے چھلک جاتی ہے
پینے والے تو تہِ خاک بھی پی جاتے ہیں

مر رہے ہیں یونہیں بے موت مریضِ اُلفت
آپ کیوں اُنکے لئے لیکے چھری جاتے ہیں

کیا ہُوا ہم سے جو ظاہر ہیں وہ ہنس بول لئے
دل سے غیروں کے کہیں رنج کی جاتے ہیں

عشق میں مہر کی ہے زندگی و موت نئی
آپ ہی مرتے ہیں پھر آپ ہی جی جاتے ہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ میں کچھ سرِ محشر نہ کہوں۔
جو ہے کہنا مجھے وہ لاکھ میں کیونکر نہ کہوں!

دل کو پتھر نہ کہوں۔ آنکھ کو کافر نہ کہوں
اور پھر تجکو بھی اے شوخ۔ ستمگر نہ کہوں

سروِ قد کہنے سے تو ٹیڑھے ہی تم چلتے ہو
کیا قیامت کو بھی قامت کے برابر نہ کہوں

ڈالدو زلف کا سایہ مجھے نیند آجائے
رات بھر مجھ پہ جو گزری ہے وہ دن بھر نہ کہوں

وہ بھی جا ہیں تو ہو وصل کی تدبیر درست
کیا کہوں۔ اسکو اگر اپنا مقدر نہ کہوں

فیصلہ تُو نے تو سب کہنے پر اُسکے رکھا
کچھ کہوں میں بھی کہ اے داورِ محشر نہ کہوں

سنگدل کہنے سے اُس بُت کا بگڑتا ہے مزاج
کیا قیامت ہے کہ پتھر کو بھی پتھر نہ کہوں

مانئے بات مری تو کہوں میں بھی کوئی بات
اور آئے نہ اگر آپ کو باور نہ کہوں

تم جو چھیڑو تو کہوں کیوں نہ کہانی اپنی
جب تمہیں پوچھو تو حالِ دلِ مضطر نہ کہوں!

بیٹھ پیچھے اُسے کیوں لاؤں زباں پر اے مہر
مجکو کہنا ہے جو کچھ غیر کے منھ پر نہ کہوں؟

کوئی ناشاد یوں بیٹھا ہے اُس قاتل کی محفل میں
دلِ مجروح پہلو میں اُمیدِ قتل بھی دل میں

نہ دل ہے اُسکے گیسو میں نہ گیسو ہے مرے دل میں
نہیں معلوم پھر رہتا ہوں کیونکر سخت مشکل میں

اگر ہے بھی کہیں تو داغ تیرے عشقِ صادق کا
مگر دل میں ہے۔ یا لالے میں ہے یا ماہِ کامل میں

قضا کو بھی شبِ غم کس قدر اِعماض تھا مجھسے
بڑی مشکل سے وہ بھی کام آئی میری مشکل میں

گلا کیوں کاٹنا اُن کو نہیں منظور عاشق کا
وہ کیا اسکو وفا سمجھے ہیں اپنے زعمِ باطل میں

جو وہ نکلے تو یہ نکلے جو یہ نکلے تو غم نکلے
پئے مشقِ ستم کیا کم تھا دل کی خاک کا تودہ
کبھی باہر نکلتے قیس نے اس کو نہیں دیکھا
زباں میں میری لغزش بل جبیں پر اُس ستمگر کی
خیال آئے کسی کو کس طرح میری رہائی کا
جنابِ خضرِ راہِ عشق و اُلفت خاک طے ہو گی
تأمل ہی جو آنے میں اُنھیں تو موت آ جائے

یہاں ہے مدعا دل میں وہاں ہے مدعی دل میں
ہُوا قاصد مرا کیوں ڈھیر جا کر کوئے قاتل میں
الٰہی آرزو ہے دل میں یا لیلیٰ ہے محمل میں
پھر اس پر طولِ عرضِ مدعا مشکل ہی مشکل میں
فغاں سنتا ہی یا رب کون اس شورِ سلاسل میں
کہ تھک کر رہ گئے ہیں آپ تو پہلی ہی منزل میں
نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں پڑا ہوں سخت مشکل میں

ذرا اے مہرؔ سوچو دل میں کیوں لی بلائے ہیں
نہیں رکھتے ہیں تم کو حضرتِ سائلؔ[1] اگر دل میں

خدا جانے اثر کیا تھا نگاہِ یاسِ بسمل میں
جو دیکھی اُس نگاہِ تیز اِس حسرت بھرے دل میں
کہاں کا قتل یہ کب چھوڑتی ہیں جان بسمل میں
جگر کے ٹکڑے کر دیتی ہیں چُبھ جاتی ہیں وہ دل میں
وہ اِس کو دیکھ کر بیخود۔ یہ اُسکو دیکھ کر بیخود
رہے یا جان جائے اب یہاں سے ہم نہ جائیں گے
جلائیں شوق سے دل داغِ حسرت شعلہ زن ہو کر
اُدھر وہ قتل پر اُٹھی۔ اِدھر جانبازِ اُلفت کا
ہمارے قتل کو خنجر نہیں ہے تو نہ ہو خنجر
یہاں شوقِ شہادت ہے۔ وہاں عذرِ نزاکت ہے
نکالے جان دل سے۔ تو نکالے دل کے ارماں بھی
مجھے بھی تو بتا اے زلفِ پُرخم کیا سُنا تو نے
رہے یہ اُسکے دل میں اور وہ اِسکے تو ایسا ہو

کہ خود شمشیر کھچکر آ گئی ہے دستِ قاتل میں
نہ ہے یہ بات بسمل میں۔ نہ ہے وہ بات قاتل میں
ادائیں سب کی لوٹ کر بھر دی ہیں قاتل میں
نگاہیں ہیں کہ چھریاں ہیں الٰہی چشمِ قاتل میں
نہ ہے بسمل ہی بسمل میں نہ ہے قاتل ہی قاتل میں
جو تُربت بھی بنے گی تو بنے گی کوئے قاتل میں
بجھائے آبِ خنجر سے کب اتنا دم ہے قاتل میں
نظر آیا سرِ تسلیم خم شمشیرِ قاتل میں
ادا جو جان لیتی ہے وہ ہے موجود قاتل میں
مرے دم پر بنی ہے۔ دم نہیں بازوئے قاتل میں
جو یہ خوبی ہو۔ تو ہم بھی کہیں خوبی ہے قاتل میں
دہانِ زخمِ دل کیا کہہ رہے تھے گوشِ قاتل میں
اِدھر قاتل ہو بسمل میں اُدھر بسمل ہو قاتل میں

[1] طوطیِ ہند ثانیِ داغ ابو المعظم نواب میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی۔

کیے ہیں نیم بسمل سیکڑوں اُن کُند چُھریوں نے
بھلا اِس زندگی پر تیغ کو بھی کیوں نہ رشک آئے
اِدھر تیرِ نگاہِ یاس۔ اُدھر تیغِ تغافل ہے
بہت ہے عاشقی میں شوق ہمکو سرفروشی کا
وہ نکلیں کس طرح اب دیکھنے کو حالِ بسمل کا
مجھے ڈر ہے وہ دردِ فرقتِ دشمن نہ لے بیٹھیں
وہ مرنے کی خوشی میں کیوں نہ شادی مرگ ہو جائے
بھلا مجھ سخت جاں کا قتل ممکن ہو تو کیونکر ہو
اِدھر کو اُسکے چلتے ہی قیامت کب رہی اپنی
وہ میری جان کا خواہاں ہے مجکو جان دُوبھر ہے
حیاتِ جاوداں پائی ہے مر مر کر ہزاروں نے

رہیں نیچی ہی کب نیچی نگاہیں چشمِ قاتل میں
بسر کی ہے لبِ زخمِ جگر نے شُکرِ قاتل میں
قیامت ہو اگر مِل جائے اب بسمل ہیں قاتل میں
مگر کچھ سر کی قیمت ہی نہیں بازارِ قاتل میں
نگاہیں تو ندامت سے چھُپی ہیں چشمِ قاتل میں
کہوں کیونکر کہ بے دردی ہُوا کرتی ہے قاتل میں
نظر آجائے جب بسمل کو خنجر دستِ قاتل میں
نہ اِتنا دم ہے خنجر میں نہ اِتنی جان قاتل میں
کہ سدِّ راہ ہو جاتی پھر اُٹھ کر راہِ قاتل میں
نہیں معلوم پھر اَن بَن ہی کیا ہے مجھ میں قاتل میں
بجائے آب کیا آبِ بقا ہے تیغِ قاتل میں؟

دلِ زخمی بھلا اب مہر کے پہلو میں کیا ہو گا
اگر ہو گا۔ تو وہ ہو گا خدنگِ نازِ قاتل میں

ہجر میں ہم آہ و زاری کیا کریں
غیر سے پیدا کریں ہم رسم و راہ؟
اب نہیں ہے تم میں وہ پہلی سی بات
اُنکو آرایش سے فرصت ہی نہیں
ہر گھڑی ناکامیاں ہیں اور ہم
شام سے پہلے ہی آجائے قضا
اُنکو عُذرِ نازکی ہے قتل میں،
چھوڑ بیٹھے حضرتِ زاہد شراب
ہمتو ناصح دل پہ کرتے جبر بھی،
خاک ہو کر مِل گئے ہیں خاک میں

کون سُنتا ہے ہماری کیا کریں
دشمنوں سے دوستداری کیا کریں
ہم تمنا اب تمہاری کیا کریں
وہ کسی کی سوگواری کیا کریں
یوں نہیں گُزری عمر ساری کیا کریں
رات بھر اختر شماری کیا کریں
ہے بہت تلوار بھاری کیا کریں
اور وہ پرہیزگاری کیا کریں
ہو وہ صورت پہلی ری پیاری کیا کریں
اور عاشق خاکساری کیا کریں

مہر جو کرتے نہیں قدرِ وفا
قدردانی وہ ہماری کیا کریں

اُف نہیں کرتے ہیں گو ہم پہ ستم ہوتے ہیں،
چاہنے والے بھی اِس رنگ کے کم ہوتے ہیں

نئے انداز سے اب مجھ پہ ستم ہوتے ہیں
میرے حصّے کے رقیبوں پہ کرم ہوتے ہیں

خوف ہے اُنکو کہ محشر میں نہ تھامے دامن
ذبح سے پہلے مرے ہاتھ قلم ہوتے ہیں؟

مہربانی سے سوا تیرے ستم میں ہے مزا
ہم تو مرتے ہیں اگر جَور بھی کم ہوتے ہیں

خواب آتا ہے نہ جنکو نہ قضا آتی ہے
کس مصیبت میں وہ یارب شبِ غم ہوتے ہیں

جن سے ایمان بچائے نہ بچے اے زاہد
سچ بتا۔ ایسے بھی جنت میں صنم ہوتے ہیں؟

شمع کیوں جلتی ہے اِن سے کہ یہ شب وانے
تجھ پہ قرباں ترے سَر کی قسم ہوتے ہیں

ہم نے مانا کہ رقیبوں سے تو کچھ رسم نہیں
خط پہ خط روز یہ پھر کس کو رقم ہوتے ہیں

دل تڑپتا ہے الگ دم پہ الگ بنتی ہے
ہجر میں جان پہ صدمے کوئی کم ہوتے ہیں؟

وہ گھڑی دید کے قابل ہے جہاں میں اے مہر
جس گھڑی عاشق و معشوق بہم ہوتے ہیں

نئے سر سے بہار آئینگو ہے صحرا و گلشن میں
بنا رکھوں نہیں جتنے گریباں اپنے دامن میں

ستم سہتے ہیں۔ آفت جھیلتے ہیں غم اُٹھاتے ہیں
وہ اپنی جان کے دشمن ہوئے ہیں عشقِ دشمن میں

کمی اُنکی تمھیں کیا ہے اُٹھاؤ جس قدر چاہو
بھرے ہیں سیکڑوں فتنے تمھاری چشمِ پُرفن میں

کسی کی آنکھ کیسی ہے کسی کی آنکھ کیسی ہے
ستمگر فرق ہوتا ہے نگاہِ دوست دشمن میں

یہ حسن و عشق کیا کیا آفتیں ڈھاتے ہیں عالم پر
اُڑا کر خاک صحرا میں۔ کھلا کر پھول گلشن میں

نگاہِ ناز و چشمِ شوق کا چھپنا چھپانا کیا
رُکے گی یہ نہ چلمن سے۔ رہے گی وہ نہ چلمن میں

کروں تو ناوک و خنجر کی مہمانی مگر کیونکر
نہ اِتنا خون ہے دل میں۔ نہ اِتنی جان ہے تن میں

جلا کر خاک کر دے برق ہی اِسکو تو اچھا ہو
کھٹکا رہتا ہے دلِ صیّاد کا میرے نشیمن میں

خدا رکھے مقابل جب گل و ریحاں کے رکھا ہے
لگائی ہے مرے داغِ جگر نے آگ گلشن میں

مرادل ہے کہ ہے میرے عدو کا دل نہیں کھلتا
ذرا میں بھی تو دیکھوں کیا بندھا ہے تیرے دامن میں

نہ دیکھی قہر ہم نے وہ مہ و خورشید میں ہرگز
تجلّی جو نظر آئی کسی کے رُوئے روشن میں

عرض کیا آپ سے حالِ دلِ ناشاد کریں
اور بھی ہمیہ جو کرنی ہو وہ بیداد کریں

وہ ستمگر ہیں جو چاہیں ستم ایجاد کریں
ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

یہ تو ممکن نہیں ہم شکوۂ بیداد کریں
خاک میں دل کو ملا دیں کہ وہ برباد کریں

کونسا آپ نے احساں کیا تھا مجھ پر
میں اُسے بھول گیا۔ آپ ہی ارشاد کریں

سخت جانوں میں تو اب کوئی بھی باقی نہ رہا
تیز وہ کس کے لئے خنجر فولاد کریں

یوں اُٹھائے گا کوئی صدمۂ فرقت کب تک
کیوں مقرر نہ وہ اس کام کی میعاد کریں

کر چکے کتنے ستم۔ بل چکے کتنے آزار
آپ کو یاد نہ آتے ہوں تو ہم یاد کریں

محفلِ غیر کی رونق یہ تعجب کیسا
کیوں وہ آباد نہو جسکو وہ آباد کریں

میں نے کی آہ حسینوں کو ستایا میں نے
داورِ حشر سے جا کر مری فریاد کریں

مُنھ پر آتی ہے تو آتا ہے کلیجا مُنھ کو
کس طرح اُن سے بیاں ہجر کی رُوداد کریں

بیٹھے بیٹھے یونہیں شوخی سے اُڑے جاتے ہیں
کیوں پر و بال کا ارمان پریزاد کریں

دشمنوں سے تو مجھے عشق میں کیسی اُمید
دوست بھی کہتے ہیں ہم کیا تری امداد کریں

جب بُلاتے ہیں تو خلوت میں بُلائیں اُسکو
یاد کرتے ہیں تو یوں قہر کو وہ یاد کریں

جو نکلے میرے دل سے ہو نکلنا جسکا امکاں میں
نہ حسرت ہے، وہ حسرت میں نہ ارماں ہے وہ ارماں میں

عدوئے عیش ہیں رشکِ عدو گو بزمِ جاناں میں
مگر میں پھر بھی ہُوں محفل میں ہُوں محفل کے ساماں میں

بہت جوڑا ہے دل میں زخمِ تیرِ نازِ جاناں کا
لگا رکھا تھا کیا ظالم نے خنجر کوئی پیکاں میں؟

غلط سو بار نکلا پھر بھی سچ اُسکو سمجھا ہُوں،
غضب کی دلفریبی ہے ستمگر تیرے پیماں میں

یہ تم نے کیا طریقہ سیر کرنے کا نکالا ہے؟
پھرا کرتے ہو گھر بیٹھے ہوئے چشمِ نگہباں میں

ترے دامن میں وہ ہوگا۔ تری مٹھی میں وہ ہوگا
یہ مانا میں نے میرا دل نہیں زلفِ پریشاں میں

بدلنا آپ کو اپنی طبیعت کا تو مشکل ہے
بدل دیں آپ دل میرا نہیں کیا یہ بھی امکاں میں؟

مے و معشوق کو کہتا ہے کس منہ سے برا زاہد
ذرا دیکھے تو وہ منہ ڈال کر اپنے گریباں میں

لیا ہے دل تو دے مجکو عوض میں دل کے دل اپنا
یہ ہے ایمان کی۔ آگے جو آئے تیرے ایماں میں

رہائی مجکو ملجائے شب فرقت کے صدموں سے
الٰہی کوئی وہ دن بھی ہے دورِ چرخِ گرداں میں

محبت دیکھنی ہے تو کلامِ قہرؔ کو دیکھو
محبت کے سوا مضموں نہیں اور اُسکے دیواں میں

جب آنکھوں آنکھوں میں وہ ہمکلام ہوتے ہیں
ہزاروں ایک اِشارے میں کام ہوتے ہیں

یہاں وہ آئیں گے قاصد یقیں نہیں آتا
کہ ایسے وعدے وہاں صبح و شام ہوتے ہیں

یہ آج کونسی تقصیر ہو گئی مجھ سے +
یہ آج کیوں مجھے جھک کر سلام ہوتے ہیں

عبث تم اپنے مریضوں کی جان لیتے ہو
وہ آپ ہی کوئی دم میں تمام ہوتے ہیں

زباں دے کے پلٹتے ہو اپنے عدوں سے
وہ کیا کلام تھے؟۔ یہ کیا کلام ہوتے ہیں؟

اسیرِ دامِ بلا۔ نامراد۔ خانہ خراب
جو تم پہ مرتے ہیں اُنکے یہ نام ہوتے ہیں

یہ حیلہ جو ترے وعدے ہیں کس قیامت کے
نہ صبح ہوتے ہیں پورے نہ شام ہوتے ہیں

تم اپنے چاہنے والوں میں قہرؔ سا کوئی،
نکال دو تو ابھی ہم غلام ہوتے ہیں،

جب سے اُس شوخ کی پھرتی ہے نظر آنکھوں میں،
برق سی کوندتی ہے آٹھ پہر آنکھوں میں

سوزِ دل کا یہ اثر ہے مری تر آنکھوں میں؛
اشک بھی بنتے ہیں جل جل کے شرر آنکھوں میں

خوبرو رکھتے ہیں یہ خوب ہنر آنکھوں میں
دل چُرا تے ہیں نگاہوں میں جگر آنکھوں میں

تم اگر رہتے ہو تو لطف یہ ہے رہنے کا
بن کے دم دل میں رہو بن کے نظر آنکھوں میں

ہم نے تیری سی تو آنکھیں کہیں دیکھیں نہ سُنیں
دیکھتے دیکھتے کرتی ہیں یہ گھر آنکھوں میں

رہ گئے دیکھ کے منہ کچھ بھی بنائے نہ بنی
دل اُڑا لے گیا وہ شوخ نظر آنکھوں میں

آرزو یہ ہے کہ اُس شوخ سے چار آنکھیں ہوں
آنکھیں ڈالی نہیں جاتی ہیں مگر آنکھوں میں

اُنکی نظریں جو پریشان نظر آتی ہیں
ہے پریشانیٔ عاشق کا اثر آنکھوں میں

ایک سے ایک زیادہ ہے خدا خیر کرے
ہے ادھر دل میں شرارت تو اُدھر آنکھوں میں

اس طرف پلٹی۔ اُدھر پہونچی۔ یہ آئی۔ وہ گئی۔
کبھی نچلی نہ رہی اُن کی نظر آنکھوں میں

آج پھر قہر کی چتوں یہ کہے دیتی ہے
کُھب گیا کوئی نیا رشکِ قمر آنکھوں میں،

راحت و عیش میں سرگرمِ فغاں ہوتے ہیں
ہم سے غم دوست بھی دُنیا میں کہاں ہوتے ہیں

دل جو مِٹ مِٹ کے تہِ خاک نہاں ہوتے ہیں
آپ کے نقشِ قدم اُن کے نشاں ہوتے ہیں

ناتوانی میں کوئی کام نہیں ہوتا ہے
نالے کرتا ہوں تو نالے بھی کہاں ہوتے ہیں

کسکا دل ہے جو اِنھیں دل میں چھپا کر رکھّے
رازِ اُلفت تو نگاہوں سے عیاں ہوتے ہیں

تم سے نازک کی جگہ کیوں دلِ نازک میں نہو
جیسے ہوتے ہیں مکیں ویسے مکاں ہوتے ہیں

آپ چھپتے ہیں مری چشمِ تصور سے کہاں
یہ بھی ہوتی ہے وہاں آپ جہاں ہوتے ہیں

جمع ہوتے ہیں جہاں داد کے خواہاں دو چار
تیری بیداد کے قصّے ہی بیاں ہوتے ہیں

ہے وہی اُسکی گلی۔ ہے وُہی اُسکی محفل،
ظلم پر ظلم عزیزوں پہ جہاں ہوتے ہیں

بدگماں ہم تو کسی سے نہیں ہوتے اے قہر
جنکو ہوتے ہیں گماں اُنکو گماں ہوتے ہیں

غمگساروں میں نہ ہیں اور نہ ہیں یاروں میں
آپ بن بیٹھے ہیں کیوں میرے عزاداروں میں

ڈھونڈھیئے جنسِ وفا اپنے خریداروں میں
یہ ہے وہ چیز جو ملتی نہیں بازاروں میں

لُطف جینے کے اُٹھاتے ہیں یہ کس لُطف کے ساتھ
دیکھ تو بیٹھکے زاہد کبھی مے خواروں میں

دیکھنے والونکی آنکھیں جو جھپک جاتی ہیں
بجلیاں کوندتی ہیں کیا ترے رخساروں میں

فرق ہے آپ میں ہم میں تو فقط اِتنا ہے
ہم دلِ افگاروں میں ہیں آپ دل آزاروں میں

قابلِ رحم مرا حالِ زبُوں ہے صیّاد
میں بھی ہوں ایک ترے تازہ گرفتاروں میں

دردمندانِ محبّت کو قرار آجائے
ہوں مسیحا بھی اگر آپ کے بیماروں میں

کس طرح ہجر میں وہ عمر گزارے تنہا
جسکی ہنس بول کے ہوتی ہو بسر یاروں میں

شوقِ دیدار میں نظروں نے بنائے سوراخ
وہ سمجھتے ہیں کہ روزن ہیں یہ دیواروں میں

غنچۂ خاطرِ عاشق ہی شگفتہ نہ ہوا
پھول کھِلتے ہیں بہار آتے ہی گلزاروں میں

اب زمانے میں وفائیں ہیں اسی کے دم سے
قہر کا دم بھی غنیمت ہے وفاداروں میں

دو غزلہ

وہ یہ کہکر دلِ ناکام لئے جاتے ہیں
ابھی آتے ہیں ابھی دام دیئے جاتے ہیں!

اور کیا یہ بُتِ خودکام کیئے جاتے ہیں
غم دیئے جاتے ہیں آرام لیئے جاتے ہیں

تھے غمِ ہجر میں کیا ایک ہمیں مرنے کو
جینے والے سحر و شام جیئے جاتے ہیں

اللہ اللہ رے اُنھیں حفظِ مراتب کا خیال
غیر کے نام سے پیغام دیئے جاتے ہیں

قابلِ رشک ہے مرنا ترے جانبازوں کا
جان دیتے ہیں مگر نام کیئے جاتے ہیں

وہ بُرا کہکے مجھے کچھ نہیں کہنے دیتے
ہونٹ بھی تو دمِ الزام سیئے جاتے ہیں

کوئی تقصیر مری؟ کوئی خطا بھی میری؟
یا یُہیں وہ مجھے بدنام کیئے جاتے ہیں

نشہ اُنکا ہے۔ سُرور اُنکا ہے۔ کیف اُنکا ہی
چشمِ میگوں سے جنھیں جام دیئے جاتے ہیں

کوئی بس میں دلِ دیوانہ کو رکھے کیونکر
ایسے وحشی بھی کہیں رام کیئے جاتے ہیں!

اُنکے وعدے تو کسی دن نہیں پُورے ہوتے
دم دلاسے سحر و شام دیئے جاتے ہیں

بعدِ رخصت کے یہاں موت کسے آئے گی
آپ میرا تو ابھی کام کیئے جاتے ہیں

سرِ میخانہ بھی واعظ کے سخن سُن سُن کر
خون کے گھونٹ مے آشام پیئے جاتے ہیں

بدزبان ہونے کا الزام بھی لینا ہوگا
آپ دینے کو تو دشنام دیئے جاتے ہیں

جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ تری اُلفت میں
شکوۂ گردشِ ایّام کیئے جاتے ہیں

چھیڑ کر خود تو وہ سُنتے ہیں شکایت اپنی
اور اُلٹا مجھے الزام دیئے جاتے ہیں

نام جب کر نہیں سکتے ہیں محبت میں رقیب
مُفت کیوں قہر کو بدنام کیئے جاتے ہیں

دل لگی میں کچھ ہُوا تو یہ ہُوا حاصل ہمیں
مل گیا رکھنے کو دل میں داغِ مرگِ دل ہمیں

ہو گئی اب اِسکے ہاتھوں زندگی مشکل ہمیں
ایسے ملنے سے تو بہتر تھا نہ ملتا دل ہمیں

تجھ سے مل کر یہ ملا اے خنجرِ قاتل ہمیں
نذر کر دینا پڑا اپنی گرہ سے دل ہمیں

سوزِ اُلفت نے گھلایا رفتہ رفتہ مثلِ شمع
دُور ہی رکھنا تھا اِس دل کی لگی سے دل ہمیں

دُور وہ بیٹھے ہیں کھچکر مجھ سے اِس دعوے کے ساتھ
اب تو دیکھیں اب تو کھینچے تیرا جذبِ دل ہمیں

ہم اُلفت بھی قیامت ترکِ اُلفت بھی ستم
اِک نہ اِک مشکل میں رکھتا ہے ہمارا دل ہمیں

اس طرح ملجائے گا۔ یوں ہی کیجئے دل کی تلاش
ہر گلی میں کہتے پھرئیے۔ چاہیئے اک دل ہمیں

بھٹکتے پھرتے ہیں اب کوئے حسیناں میں اسے
کیا قیامت ہے کہ دُوبھر ہو گیا ہے دل ہمیں

ایک دیدیتے بُتوں کو ایک رکھتے اپنے پاس
دل ہی دینا تھا تو دیدیتا خدا دو دل ہمیں

ہر کسی کو غم ہُوا کرتا ہے اپنی چیز کا
آنکھ پُرنم ہو گئی یاد آگیا جب دل ہمیں

دل میں اُنکے ہے کہ ملجائے تو لے لیں ہم اسے
مُنھ سے کہتے ہیں نہیں درکار تیرا دل ہمیں

ہم یہ کہتے ہیں کہ دردِ دل سے ہم ہیں بیقرار
وہ یہ کہتے ہیں نہیں آتا علاجِ دل ہمیں

غم اُٹھا کر بھی نہ اُٹھا کوچۂ دلدار سے
اب ملا کر ہی رہے گا خاک میں کیا دل ہمیں

ہم سے کہتے ہیں کہ کہتے ہیں تمھیں سب باوفا
ہم تو جب جانیں اگر دے دو تم اپنا دل ہمیں

آپ ہی فرمائیں پھر دل کس طرح دیں آپکو
دل بھی دینے کے لئے درکار ہو جب دل ہمیں

قہر کیا غم ہے جو اُس سے تیغ اُٹھ سکتی نہیں
اپنے قاتل کا تو آتا ہے بڑھانا دل ہمیں

مغموم تو لذت سے ہوں مغموم نہیں کیوں
معلوم اُنھیں اب تک نہیں معلوم نہیں کیوں

اور اس کے مقدر میں تو کچھ بھی نہیں لیکن
محروم جفا سے دل محروم نہیں کیوں

تیرے ہی ستم سہتے ہیں یہ کس لئے ظالم
مظلوم کسی اور کے مظلوم نہیں کیوں

اے نامہ رسا خط میں بجز وعدۂ دیدار
مرقوم ہے سب کچھ بھی مرقوم نہیں کیوں

نالے بھی یہ ہم سوچ سمجھ کر نہیں کرتے
مذموم ہے جو کام وہ مذموم نہیں کیوں

مُردے یہ تو دشمن کے بھی کرتے ہیں ترحم
مرحوم مگر بیسر دلِ مرحوم نہیں کیوں

معلوم ہے۔ معلوم ہے سب حال تمہارا
معلوم نہیں کیوں ہیں معلوم نہیں کیوں

کہتے ہیں وفا جسکو وہ دیکھی بھی کسی میں
معدوم ہے دنیا سے تو معدوم نہیں کیوں

اِس پردۂ محبت میں کریں کیوں نہ حکومت
محکوم یہ اُن کا دلِ محکوم نہیں کیوں

کم عُمر بھی معشوق ستم کرتے ہیں کیا کیا
معصوم ہیں یا رب تو یہ معصوم نہیں کیوں

میں جسکو سمجھ لُوں جو سمجھ میں مری آئے
مفہوم وہ ناصح ترا مفہوم نہیں کیوں

اے قہرؔ غزل ہی تو ہے عاشق کا خطِ شوق
منظوم ہے نامہ مرا۔ منظوم نہیں کیوں

جلوے اکثر مجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں
تجکو روزن ہی ترے در کے دکھا دیتے ہیں

لیجئے آپ کو ہم مر کے دکھا دیتے ہیں
صرف کہتے ہی نہیں کر کے دکھا دیتے ہیں

تجکو کیا ناز ہے فتنے تو اُٹھا تو چل کر
سیکڑوں تیرے برابر کے دکھا دیتے ہیں

لے لگا لیتے ہیں مقتل میں گلے سے اسکو
لے تری تیغ کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں

عرصۂ حشر میں بھی ہمکو وہ آنکھیں کیا کیا
سامنے داورِ محشر کے دکھا دیتے ہیں

ابھی خوش ہو۔ ابھی ہو جاؤ گے ناخوش ہم سے
اب نہیں بعد گھڑی بھر کے دکھا دیتے ہیں

مجکو محفل میں دکھا کر وہ گلابی آنکھیں
دَورِ چلتے ہُوئے ساغر کے دکھا دیتے ہیں

نہیں ممکن کہ لگی ہو نہ بُتوں کے دل کو
آگ ہم سینے میں پتھر کے دکھا دیتے ہیں

برق و سیماب کا دیکھوں نہ تماشا کیونکر،
ڈھنگ کچھ یہ دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں

کب سے مُشتاق ہُوں اتنا نہیں کہتا کوئی
چل اُسے ہم تجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں

کیا قیامت ہے کہ آئینے کو میرے ہوتے
آپ جلوے رُخِ انور کے دکھا دیتے ہیں

اور ہے کون بجز حسرت و ارماں دل میں
رہنے والے تمھیں اِس گھر کے دکھا دیتے ہیں

قہرؔ نے لُطفِ ستم کے تو اُٹھائے ہیں بہت
ناز اُٹھا کر بھی ستمگر کے دکھا دیتے ہیں

دیکھ لیتے ہیں تجھے اے بُتِ طنّاز کہیں
باز دیدار سے آتے ہیں نظر باز کہیں!

دل کو معلوم تو ہوں عشوہ و انداز کہیں،
غیر پر ہی کوئی ڈالے نگہِ ناز کہیں

ہم نے نالہ بھی کبھی دل سے نکلنے نہ دیا
یہ سمجھ کر کہ نہو یہ بھی ترا راز کہیں

مجکو ڈر ہے یہ کہیں تیری نظر سے نہ گرے
دل کو میرے نہ کرے تو نظر انداز کہیں

جاں جائے گی تو کیا لُطفِ ستم آئے گا
نیم بسمل ہی رہیں آپ کے جانباز کہیں

غم کھلاتا تو ہے مجکو مگر اِتنا غم ہے
یہ بھی اے عشق نہو دعوتِ شیراز کہیں

میں بھلا دل کے فریبوں میں نہ آتا کیونکر
آسماں لاکھ مٹاتا ہے ۔ مگر مٹتا ہے
شرط ہے دیکھنا ۔ ہو دیکھنے والا کوئی
رازِ دل آپ سے کیوں حضرتِ ناصح کہدوں

دوست کو کوئی سمجھتا ہے دغا باز کہیں
حُسن کا سحر کہیں عشق کا اِعجاز کہیں
آہی جاتا ہے نظر حُسنِ خداساز کہیں
کوئی ایسوں کو بناتا بھی ہے ہمراز کہیں

شمع کے ساتھ جو پروانے کو دیکھا تو کھُلا
سوز ہے پھر محبت میں کہیں ساز کہیں

بڑی قسمت ہے اُنکی وہ بڑی تقدیر رکھتے ہیں
ہمارے نالۂ غم بھی اگر تاثیر رکھتے ہیں
محبت کا صلہ اِس کے سوا کیا اور ملتا ہے
اِدھر بھی ہوں اشارے چشم و ابرو کے تو میں دیکھوں
عُدو کے نامہ و پیغام سے ناحق مکرتے ہو
تعلق کیوں نہو گہرا نگاہِ نازِ جاناں سے
اسیری میں بُرا ہو ضعف کا اِس ضعف کے ہاتھوں
کماں رکھ رکھ کر اپنے دوش پر تم کیا دکھاتے ہو

جو دل کے آئینے میں آپ کی تصویر رکھتے ہیں
دکھا دینگے جو کچھ ہم دل میں چرخِ پیر رکھتے ہیں
جو دل دیتا ہے اُنکو اُسکو وہ دلگیر رکھتے ہیں
وہ کیسی تیغ رکھتے ہیں وہ کیسے تیر رکھتے ہیں
یہ دیکھو ہم تمہارے ہاتھ کی تحریر رکھتے ہیں
ہم اپنے دل میں بے دیکھے یہی اِک تیر رکھتے ہیں
مرے دستِ دعا بھی پاؤں میں زنجیر رکھتے ہیں
کلیجا اُنکا دیکھو جو جگر میں تیر رکھتے ہیں

عُدو بنکر فلک اے پھر کیا ہمکو بگاڑے گا
نہ ہم منصب ہی رکھتے ہیں نہ ہم جاگیر رکھتے ہیں

نکہتِ گُل کی طرح ہمکو چمن یاد نہیں
نہیں بھولا کہ تجھے بھول گیا عہدِ وفا
پوچھ لو دل سے جو کچھ اور ہو گزری دل پر
کیا اسی یاد پہ پیمانِ وفا باندھا تھا
پوچھتا ہے کوئی مجھ سے تو غضب یہ دیکھو
عشق میں دل بھی عجب بندۂ راحت نکلا
پھر کرو شکوۂ بیداد ۔ یہ کیا خوب کہی!

کیا غریب الوطنی ہے کہ وطن یاد نہیں
یاد ہے یا تجھے اپنا وہ سخن یاد نہیں
مجکو کچھ اور بجز رنج و محن یاد نہیں
عہد بھی اپنا تجھے عہد شکن یاد نہیں
بات کہنے کی دمِ عرضِ سخن یاد نہیں
کہ اُسے عیش تو ہے یادِ محن یاد نہیں
کیا مجھے آپ کے ماتھے کی شکن یاد نہیں

دل لیا تم نے۔ مگر عہدِ وفا بھول گئے
اُن سے آنکھیں لڑیں بیہوش ہُوا اے واعظ
آسماں پردہ بنا تھا کبھی اپنا لیکن

اِک سُخن یاد رہا۔ ایک سُخن یاد نہیں
اور پھر اِس کے سوا مُشفقِ من یاد نہیں
پیرہن تھا کہ ہمارا وہ کفن۔ یاد نہیں

ایک دو ہوتے تو میں یاد بھی رکھتا اے قہر
اِس قدر مجکو ملے رنج و مِحَن یاد نہیں

معلوم نہیں کیا بات ہوئی۔ کیا جی میں سمائی ہولی میں
یہ دن تو خوشی کے دن ہیں مگر رہتا ہی مجھے غم آٹھ پہر
تم ہم سے جُدا دل ہم سے جُدا تم پاس نہیں دل پاس نہیں
جب تم نہ ہمارے پاس آئے جب ہم سے نہ تم ہولی کھیلے
کیا یاد کسی کو وہ کرتے۔ کیا یاد اُنھیں کوئی آتا
بُوندیں ہیں لہُو کی چہرے پر دھبے ہیں لہُو کے دامن پر
یہ دن ہیں گلے ملنے کیلئے ملتے ہیں اِسی دن لوگ گلے
دم بھر نہ رہی آرام سے وہ بیتاب کیا بیخواب کیا
جب یاد کسی کی آتی ہے کیا غم کی آگ جلاتی ہے

صُورت بھی تو اپنی ظالم نے ہمکو نہ دکھائی ہولی میں
بچھڑا ہوں کسی سے میں مِل کر دیکھی ہے جُدائی ہولی میں
یوں ہمنے منائی بھی ہولی تو خاک منائی ہولی میں
اغیار نے دے دیکر طعنے کیا جان جلائی ہولی میں
رہتی ہی نہیں ہے جب سُدھ بُدھ کچھ اپنی پرائی ہولی میں
مجکو مری آنکھوں نے رو کر ہولی یہ کھلائی ہولی میں
اُس شوخ نے غیروں سے مِل کر کیا بات بنائی ہولی میں
دن رات ہمارے نالوں نے یہ دھوم مچائی ہولی میں
دینا ہی مرا دل جل جل کر ہولی کی دُہائی ہولی میں

کیا قہر جلے اپنے دل میں کیا رشک کے شعلوں نے پھونکا
ہمراہ رقیبوں کے اُس نے جب آگ لگائی ہولی میں،

دل تو وہ مال ہے جسکی کوئی قیمت ہی نہیں
غیر کے عشق و محبت کا مزا دیکھ لیا
حال اپنا جو کہے کوئی تو کس وقت کہے
جو نکلے سے نکل جائے وہ ارمان ہی کیا
یا وہی جائے گی یا جان مری جائے گی
سُن لیا اُلفتِ اغیار کا چرچا ہر سُو
اِک زمانہ ترا شرمندۂ احساں ہوتا

تم یہ کہتے ہو ہمیں اِسکی ضرورت ہی نہیں
اب وہ تو ہی نہیں۔ اب وہ تری صورت ہی نہیں
آپکو شانہ و آئینہ سے فرصت ہی نہیں
گھر بنا کر نہ رہے دل میں وہ حسرت ہی نہیں
آج یا میں ہی نہیں یا شبِ فرقت ہی نہیں
تم تو کہتے تھے کہ اِسکی کہیں شہرت ہی نہیں
کیا کرے تو کہ اِن آنکھوں میں مروّت ہی نہیں

عیش ہو غم ہو - کرم ہو - کہ ستم ہو - کچھ ہو
عُمر بھر جو رہے ایسی کوئی صُورت ہی نہیں

قہرؔ شکوے بھی جو کرتا تو ندامت ہوتی "
شُکر کرتا ہُوں مجھے کوئی شکایت ہی نہیں

وہ کیوں آسودگانِ خاک سے بگڑ کر نکلتے ہیں
بھلا مُردے بھی قبروں سے کہیں باہر نکلتے ہیں

بلا ہیں تیری مژگاں بھی غضب ہیں تیرے ابرو بھی
وہ چھُریاں کُند ہوتی ہیں تو یہ خنجر نکلتے ہیں

کسی کے سنگِ در پر کوئی اپنا سر ٹپکتا ہے
جو یوں ارماں نکلتے ہیں تو کیا پتھر نکلتے ہیں

مرے ہی گھر نہیں آتے نہیں آتے نہیں آتے
نکلنے کو تو وہ اکثر ادھر ہو کر نکلتے ہیں

کہیں دیکھو کہیں ڈھونڈو ٹھکانا ہی وہی اُنکا
عُدو کے گھر وہ ملتے ہیں عُدو کے گھر نکلتے ہیں

نکلنے کو تو نکلے میرے گھر سے میری محفل سے
مگر اب دیکھنا ہی دل سے وہ کیونکر نکلتے ہیں

کبھی تھمنا کبھی بھرنا کبھی رُکنا کبھی چلنا
نئے ہر دم تری شمشیر کے جوہر نکلتے ہیں

کسی کے دل میں رہنا جم کے کیا جانیں ترے ناوک
یہ دم لینے کو آتے ہیں - یہ دم لیکر نکلتے ہیں

پڑے ہیں میکدے میں دم بخود سب خوفِ واعظ سے
نہ اب شیشے نکلتے ہیں نہ اب ساغر نکلتے ہیں

کبھی جو چبھ گئے تھے دل میں ناوک انکی مژگاں کے
وہ اب میرے دہن سے آہ بن بن کر نکلتے ہیں

وہ اپنے چاہنے والوں کے درجے کیا کریں قایم
جنھیں بدتر سمجھتے ہیں وُہی بہتر نکلتے ہیں

کسی کا دم نکل جائے نکل جائے نکل جائے
حیا والے بھی پردے سے کہیں باہر نکلتے ہیں

جنابِ قہرؔ اُلفت میں عبث ہے گریہ و زاری
کہیں رونے سے ارمانِ دلِ مضطر نکلتے ہیں

موت کا اپنوں کی ہوتا کس جگہ پر غم نہیں
مرگِ عاشق کا قیامت ہے کہیں ماتم نہیں

یوں تو اے قاتل کئے ہیں اس نے بیدم سیکڑوں
کیا ترے خنجر میں میرے قتل ہی کو دم نہیں ؟

کیوں نہ اِس حُسن و جوانی پر زمانہ جان دے
جس کا شیدا ہو نہ عالم - وہ ترا عالم نہیں

قتل پر خنجر نہ اُٹھے - بہرِ قتل آئے تو آپ
یہ عنایت بھی ہمارے حال پر کچھ کم نہیں

روئی تھی بلبل جو رات اس سے جدا ہوتے ہوئے
باغباں گُل پر یہ اُسکے اشک ہیں شبنم نہیں

چاٹتے ہی اِسکو تیغِ تیز بیدم ہو گئی،
تیرے کُشتے کا کہیں قاتل لہُو تو سم نہیں

قہرؔ رو رو کر کئے دیتے ہو ٹھنڈا کیوں اِسے
کیا دلِ بیتاب میں اب تابِ سوزِ غم نہیں؟

لاکھ اندازِ ستم خنجرِ جاناں میں رہیں
پھر بھی لاکھوں کے دم اُس جان کے خواہاں میں رہیں

یونتو ہیں اور بھی اُمید پہ جینے والے
حسرت اُنپہ رہے جو کافر ترے ارماں میں رہیں

جب وہ آئیں مرے گھر یا وہ بُلائیں مجکو
ایسے دن بھی تو کبھی گردشِ دوراں میں رہیں

رہنے دے ہمکو جو صیاد تو ہم سب سے الگ
صُورتِ سبزۂ بیگانہ گلُستاں میں رہیں

تُوہی اے موت بتا کونسے روز آئے گی
کونسے دن وہ مرے قتل کے ساماں میں رہیں؟

تمکو چھُپنا نگہِ شوق سے دُوبھر ہو جائے
میری نظریں بھی اگر چشمِ نگہباں میں رہیں

نالے رُکنے کے نہیں آپکے دیوانوں کے
جنکی تقدیر میں زنداں ہے وہ زنداں میں رہیں

کیا ضرورت کہ رہیں دل ہی میں خارِ حسرت
کیوں یہ کانٹے بھی نکل کر نہ بیاباں میں رہیں

اشک جاری ہوں کبھی خاک کبھی دل میں اُڑے
کبھی ساحل پہ رہیں ہم کبھی طُوفاں میں رہیں

اس قدر دست درازی نہ کرائے دستِ جنُوں
تار کچھ میرے کفن کو بھی گریباں میں رہیں

بندشِ غم سے تعلق نہیں جنکو وہ کیا۔
دل وہی ہیں جو تری کاکُلِ پیچاں میں رہیں

یو پُچھتے ہو عرقِ شرم کے قطرے ناحق
یہ ستارے بھی تمھارے رُخِ تاباں میں رہیں

یہ خیالِ رُخ و گیسُو نہیں اچھّا اے قہرؔ
آپ للّٰلہ نہ اس خوابِ پریشاں میں رہیں

قیامت آپکی چشمِ فسُونگر کے اِشارے ہیں
کبھی یہ تیر چھوڑے ہیں کبھی وہ تیر مارے ہیں

ہزاروں اِسکے زخمی ہیں۔ ہزار دل اِسکے مارے ہیں
تری تیغِ جفا کے تو ستمگر وارے نیارے ہیں

کہیں کیا کس طرح فرقت کے دن ہمنے گزارے ہیں
یہ دل ہی جانتا ہے درد جو اس نے سہارے ہیں

اُٹھایا یہ سمجھکر ظلم ہم نے خُوبرُویوں کا
جفا چھوٹوں کی اچھّی ہے۔ ستم پیاروں کے پیارے ہیں

وفائیں ہم کریں اُنسے جفائیں وہ کریں ہم پر
کسی کا کیا اِجارہ ہے۔ ہم اُنکے۔ وہ ہمارے ہیں

بنا کر آنکھ کی پتلی اُنھیں آنکھوںمیں رکھتا ہوں
جو پُتلے حُسن کے ہیں وہ مری آنکھوں کے تارے ہیں

کوئی ہتھے چڑھا ہے ایک بھی دل سا دُہی کہدے
تری زلفِ دوتا نے تو ہزاروں مال مارے ہیں

ہمارا قتل کرنا کیا کوئی آسان ہے اُن کو
بہت ہیں سخت جاں ہم بھی جو وہ دل کے گزارے ہیں

کوئی دیکھا ہے ہم سا بھی شناورِ بحرِ الفت کا
ابھی ہم اِس کنارے تھے۔ ابھی ہم اُس کنارے ہیں

کریں ہم کس لئے زاہد تمنا حورِ جنت کی
ہمیں حاصل یہاں بھی خوبرویوں کے نظارے ہیں

جو ہو تاثیر تو اک آہ کافی ہے شبِ فرقت
مگر قہر اپنے نالے بے اثر سارے کے سارے ہیں

حقدار اِک نگاہِ کرم کے بھی ہم نہیں
ظالم پھر اور کیا ہے اگر یہ ستم نہیں ؟

سوزِ الم سے تو مری آنکھوں میں نم نہیں
وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب اِسکو غم نہیں

دمباز آپ ہیں جو غضب کے تو غم نہیں
آجائیں دَم میں آپ کے۔ ایسے بھی ہم نہیں

قاصد۔ وہ آئیں گے۔ مجھے کیونکر یقین آئے
وعدہ نہیں ہے قول نہیں ہے قسم نہیں

وہ پُوچھتے ہیں خواب میں آکر مرا مزاج
کیونکر کہوں کہ مجکو جدائی کا غم نہیں

اِسکو جو میرے دل کا جلانا ثواب ہے
یارب عذاب تو کہیں عشقِ صنم نہیں

آنکھومنیں دَم ہے صبحِ شبِ وعدہ ہے قریب
اے نامہ بر وہ اَب بھی نہ آئے تو ہم نہیں

ڈھانے کو لاکھ ڈھائے ستم مجھ پر آسماں
کیا لُطف اُس ستم میں جو تیرا ستم نہیں

ساقی نہ ہوگی توبہ تو مجھ بادہ خوار سے
گو جانتا ہوں دَور ترا دَورِ جم نہیں

لازم ہے زندگی کے لئے غم کی چھیڑ چھاڑ
کیا اُسکی زندگی ہے جسے کوئی غم نہیں

مرنے کے بعد ماتمِ ہستیِ عشق ہے
آسودہ زیرِ خاک بھی اہلِ عدم نہیں

میں جاں بہ لب ہُوں۔ اور کسی کو یہ رشک ہے
کیوں اس طرح عدو کی محبت میں ہم نہیں

میں اور کیا بتاؤں اِسے۔ اور کیا کہوں،
مرنے سے قہر زندگیِ ہجر کم ہیں،

یہ تو نہیں کہ خوگرِ بیداد ہم نہیں
ہم سے جو اُٹھ سکیں وہ تمہارے ستم نہیں

اب آہ کے لئے بھی مرے دل میں دم نہیں
کیا قہر ہے کہ طاقتِ اظہارِ غم نہیں

دل بیچ کر کوئی بھی خریدارِ غم نہیں
بازارِ عشق سرد ہے جس دن سے ہم نہیں

کیا کیا ہے اِسمیں او یہ میری نظر سے پوچھ
کافر تری حیا میں ستم ہی ستم نہیں

کیوں پوچھتے ہو غیر سے تم میرے غم کا حال
کیا میں تمھاری بزم میں تصویرِ غم نہیں!

لایا ہے مجکو تیغ کے مُنہ پر اُبھار کر
دل بھی مرے لئے مرے قاتل سے کم نہیں

بدلی ہوئی نگاہ ہے۔ دل ہے بھرا ہُوا
کہنے کو آپ کہیئے کہ ناراض ہم نہیں

اے ضعف کیوں صبا سے دبیں راہِ شوق میں
ہم ناتواں ہیں سُست ہمارے قدم نہیں

کافر کہا جو میں نے تو ناراض کیوں ہُوئے
کیا توبہ توبہ آپ خدا ہیں! صنم نہیں

یہ تم سے شوخ ہے۔ کہ تم اِس سے شریر ہو؟
تم دل سے کم نہیں ہو۔ کہ دل تم سے کم نہیں؟

کیوں نقدِ دل کو ہاتھ میں لیتے ہی رکھدیا
پرکھیں تو اِسکو آپ۔ یہ کھوٹی رقم نہیں

کعبے میں کیوں رہیں تری محفل کو چھوڑ کر
ہم صیدِ تیغِ ناز ہیں۔ صیدِ حرم نہیں

دامِ بلائے عشق سے چھُٹنا محال ہے
ہو جائیں جو رہا وہ گرفتار ہم نہیں

لکھتا ہوں قہر میں اُنھیں حالِ دلِ فگار
تصویرِ زخمِ دل ہے۔ شگافِ قلم نہیں

پُوچھ کر اِسلئے ہم پر وہ جفا کرتے ہیں
لوگ جانیں کہ یہ اُنکا ہی کہا کرتے ہیں

ہم تو شکوے کی جگہہ شکرِ جفا کرتے ہیں
جو بُرا کہتے ہیں ہمکو وہ بُرا کرتے ہیں

جو ستم سہہ کے بھی ہر وقت وفا کرتے ہیں
آپ کرتے ہیں جفا اُنپہ۔ یہ کیا کرتے ہیں!

چین سے کب ترے عشاق رہا کرتے ہیں
کچھ فغاں سے نہیں ہوتا۔ تو دُعا کرتے ہیں

اور کیا عشق میں اربابِ وفا کرتے ہیں
خود بھی ہوتے ہیں فدا! دل بھی فدا کرتے ہیں

اِسمیں کیا بحث ہے بخشے کہ نہ بخشے کوئی
ہم خطاوارِ محبت ہیں خطا کرتے ہیں

دُوسرا دل کبھی مِل جائے یہ ممکن ہی نہیں
ہائے کس چیز کو مجھ سے وہ جُدا کرتے ہیں

خُوبرُویوں کا کوئی ٹوکنے والا ہی نہیں،
جی میں آتا ہے جو اِنکے وہ کیا کرتے ہیں

وعدۂ وصل سے کیونکر ہو تسلّی مجکو
کہیں بدعہد بھی عہد اپنا وفا کرتے ہیں

شکوۂ غم سے تلافیٔ مصیبت کیسی
اُس نے یہ بھی نہ کہا۔ آپ کیا کرتے ہیں!

حالِ دل۔ حال ہے دل کا۔ کوئی قصّہ تو نہیں
ہم کہا کرتے وہ اِسکو سُنا کرتے ہیں

باز آئیں گے نہ وہ ظلم وستم سے ہرگز
لوگ کیوں روزِ جزا۔ روزِ جزا کرتے ہیں

سیکھ لے ہم سے کوئی روز کا مرنا جینا
خواہشِ مرگ میں مر مر کے جیا کرتے ہیں

میں کروں ضبط بھی تو ضبط سے کیا ہوتا ہے
رازِ اُلفت بھی چھپائے سے چھُپا کرتے ہیں؟

بت ہوئے ـ تیغ ہوئی ـ چرخِ ستمگار ہوا
یہ کسی سے بھی زمانے میں وفا کرتے ہیں

دیکھکر چپ انھیں بے فکر نہ جانے کوئی
بیٹھتے اُٹھتے وہ ہنگامے بپا کرتے ہیں

کیوں بگڑتے ہو دمِ عرضِ تمنا ہم سے
ہم تو جو دل نے کہا ہے وہ ادا کرتے ہیں

مہرِ آشفتہ کو پھر ڈھونڈیئے کس کے دل میں
سارے معشوق تو بے مہر ہُوا کرتے ہیں

دل رکھدیا جو ہم نے کبھی لالہ زار میں
داغوں نے اِسکے آگ لگادی بہار میں

کیا دل میں رہ سکیں یہ شبِ انتظار میں
صبر و قرار ہی نہیں صبر و قرار میں

یہ سیر ہے نئی چمنِ روزگار میں ،،
دیکھو بہار آکے دلِ داغدار میں

بیتاب جان تک ہے یہاں ہجرِ یار میں
دل کس شمار میں ہے جگر کس قطار میں

پی لیں گے خونِ دل ہی نہ ہوگی اگر شراب
توبہ تو ہم سے ہو نہ سکے گی بہار میں

آتے ہیں وہ نہ جان ہی جاتی ہے۔ کیا کریں
یہ اِختیار میں ہے۔ نہ وہ اِختیار میں

دل اُسکا صاف ہم سے بسِ مرگ بھی نہیں
اب بھی تو ہے غبارِ عُدو کے غبار میں

کیوں اُنگلیوں پہ گنتے ہو تم ان کو بار بار
آتے ہیں کب گناہِ محبت شمار میں

کٹتی ہے کس طرح شبِ وعدہ وہ جان جائیں
بیٹھیں جو دو گھڑی بھی مرے انتظار میں

جھُکنے میں بھی دل اُس نے ہمارا اُڑا لیا
شوخی چھُپی تھی کیا نگہِ شرمسار میں

اللہ رے مجھے دلِ گُم گشتہ کی تلاش
بعدِ فنا بھی ڈھونڈ رہا ہُوں مزار میں

پھر دُعائے مرگِ جنُوں میں نہ اُٹھ سکے
اُلجھے جو اپنے ہاتھ گریباں کے تار میں

کیوں دل میں تم سے ترکِ محبت کی ٹھان لیں
وہ کام کیوں کریں جو نہ ہو اِختیار میں

پھرتی ہے کیوں اُڑائے ہُوئے اِسکو ہر طرف
رکھّا ہے کیا صبا مرے مُشتِ غبار میں

منظور دیکھنی ہوں نہ بیتابیاں اگر
آ بیٹھیں آپ میرے دلِ بیقرار میں

چمکے گا کیوں نہ اپنی جبیں کا بھی اب نصیب
ذرّے چُنے ہیں اِس نے بہت کوئے یار میں

اک قہر ہی کے دم سے محبت ہی یادگا
کہدیں یہ ہم ہزار میں کیا سو ہزار میں

میرے دل میں تم ہو اب میں بھی تمہارے دل میں ہوں
زہر ہو آبِ دمِ شمشیر یا آبِ حیات
یہ تو میری ہی خطا ہے۔ یاد اگر آتا نہیں
اور تیری بزم کی زینت کو اب کیا چاہیئے
کیا عجب راحت ملے مدفن میں مرجانیکے بعد
دیکھ کر قاتل تڑپنا اِس کا تیرے سامنے
خیر بن جائے نہیں میرا تمہارے دل میں گھر
کیا ستم ہے لطف اُٹھانے کیلئے اغیار ہیں
قیس کی صحرانوردی پر یہ لیلیٰ نے کہا
تُو خدا جانے یہاں سے کب کی جا پہونچی وہاں
مجکو بسمل کر کے قاتل تو گھر اپنے چل دیا

تم ہو اس منزل میں تو میں کیوں نہ اُس منزل میں ہوں
مرنے جینے کیلئے میں کوچۂ قاتل میں ہوں
یاد آؤں اُنکو میں تو میں بھی اُنکے دل میں ہوں
شمع تو محفل میں ہے پروانہ میں محفل میں ہوں
زندہ رہکر میں تو زیرِ آسماں مشکل میں ہوں
برق کو بھی آرزو ہے میں رگِ بسمل میں ہوں
غیر کی حسرت ہی بنکر میں تمہارے دل میں ہوں
اور جلنے کیلئے میں آپ کی محفل میں ہوں
ڈھونڈتا ہے کیوں مجھے میں تو تُہی کے دل میں ہوں
اور میں اے موج ابتک حسرتِ ساحل میں ہوں
میں نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں عجب مشکل میں ہوں

قہر خالِ رُخ کو بھی ہے فخر حسنِ یار پر،
کہہ رہا ہے داغ ہوں لیکن مہِ کامل میں ہوں

آگیا آج کیا خیال ہمیں
اُف یہ مجبوریاں محبت کی
پہلے تیرا خیال تھا ہر دم
دل مرا پھیر کر کہا اُس نے
اُنکے آتے ہی موت بھی آئی
کوئی دشمن کو دوست رکھتا ہے
گردشِ چرخ کیا مٹائے گی
کیوں وہ بگڑے ہیں پوچھتے اُنسے

زندگی ہو گئی وبال ہمیں
جان دینی بھی ہے مُحال ہمیں
اب ترا بھی نہیں خیال ہمیں
اب نہیں چاہیئے یہ مال ہمیں
وصل بھی ہو گیا وصال ہمیں
کیوں نہ ہو غیر سے ملال ہمیں
تم کرو چل کے پائمال ہمیں
مگر اِتنی کہاں مجال ہمیں

قہر اپنی یہی تمنا ہے
نظر آئے وہ مہ جمال ہمیں

وہ کریں بھی کچھ مرے واسطے بغرض اِس سے کیا مجھے کیا کریں
جو کرم نہو تو ستم کریں۔ جو وفا نہو تو جفا کریں
رہیں ایک حال پہ کس لئے۔ مجھے لُطف دیتی ہیں شوخیاں
کبھی مِل کر آپ لڑا کریں۔ کبھی لڑ کر آپ مِلا کریں
عبث اِس کا اُن کو خیال ہے۔ اِسے ہو شِفا یہ محال ہو
وہ مریضِ عشق کے واسطے نہ دوا کریں نہ دُعا کریں
ہوئی ظلم و جور کی پُوچھ گچھ چھڑے واقعاتِ غم والم
مجھے خوف حشر میں ہے یہ اب۔ کوئی حشر وہ نہ بپا کریں
دلِ زار یہ ہے سوال کیوں۔ یہ خیال کیوں۔ یہ ملال کیوں
کبھی ہم سے وعدہ نباہ کا۔ نہ کیا ہو تو وہ کیا کریں
نہیں آتے وہ تو نہیں سہی۔ نہیں مِلتے وہ تو یونہیں سہی
مگر اس کی ہمکو ہے آرزو کہ جواب خط کا لکھا کریں
نہیں ظلم و جور کی حد کوئی نہیں رنج و غم کی کچھ اِنتہا
مگر اُن کے عشق کا حکم ہے۔ اِنھیں اہلِ عشق سہا کریں
رہے شرم اُنکی نگاہ میں کہ دن آگئے ہیں شباب کے
کسی رُوشناس کا ذکر کیا وہ اب آیئنے سے حیا کریں
مری جان جائے کہ اب رہے۔ مجھے جان کا کچھ الم نہیں
جو ہے فرض اُنکے شباب کا وہ ادائیں اُنکی ادا کریں
وہ فسانہ عشق و فراق کا ابھی یاد اہلِ وفا کو ہے
جو نہ تم سُنو تو یہ کیا کہیں۔ جو سُنا کرو تو کہا کریں
کوئی بار بار کہے گا کیا کہ بگڑ کر اُس نے یہ کہدیا

کبھی ہم نے مہر کا ماجرا جو سُنا نہو تو سُنا کریں [ط]

کیا کہا۔ تیری فغاں میں کچھ اثر ہے کہ نہیں؟ | سنگدل تم بھی ہو۔ یہ تمکو خبر ہے کہ نہیں
میں نے دیکھا نہیں۔ تُو نے تو نہیں دیکھا ہے | تیرا ثانی کہیں اے رشکِ قمر ہے کہ نہیں؟
جسکو دیکھو وہی بسمل وہی کُشتہ اِس کا | اب بتا دُو تمھیں قاتل یہ نظر ہے کہ نہیں
تُو دکھا دے ہمیں ابتک نہیں دیکھا ہمنے | باغباں نخلِ محبت میں ثمر ہے کہ نہیں
میں تو دل کیلئے روتا ہُوں وہ یہ دیکھتے ہیں | دیدۂ تر میں کوئی لختِ جگر ہے کہ نہیں
زخم اِسکا کبھی بھرتے ہُوئے دیکھا تم نے | تیغ و خنجر سے سوا تیرِ نظر ہے کہ نہیں
بہ گیا کیا مری آنکھوں سے وہ آنسو بنکر | چیر کر دیکھئے پہلو کو جگر ہے کہ نہیں
بدگماں۔ دیکھ لیا۔ جانچ لیا۔ جان لیا؟ | میرے دل میں تری ایک ایک نظر ہے کہ نہیں؟
اُنکا جلوہ نظر آیا تو گیا ہاتھ سے دل ؛ | نفع کے ساتھ محبت میں ضرر ہے کہ نہیں
سیکڑوں داغِ ستم آپ نے دیکھے ہونگے | دل میں رہ کر بھی مرے دل کی خبر ہے کہ نہیں
ہے اِدھر ختم شبِ وصل۔ اِدھر جلتے ہو | تمھیں کہہ دو یہ قیامت کی سحر ہے کہ نہیں
سُن کے آہیں مری حیرت سے وہ یہ پُوچھتے ہیں | اِن میں بیتابیٔ دل کا بھی اثر ہے کہ نہیں
جب یہ صورت ہو تو کیوں دل کوئی اپنا دیدے | بیوفا۔ تجھ میں وفا۔ کسکو خبر۔ ہے کہ نہیں
پہلے تھا دل ہی نگاہوں سے لُٹانا منظور | اب کچھ اور اِسکے سوا مدِ نظر ہے کہ نہیں
بُھل گیا آپ کا خنجر جو مجھے قتل کیا | دیکھئے سوزِ محبت میں اثر ہے کہ نہیں
مجھپہ جب ظلم کئے تم نے تو سوچا یہ بھی | اِسکے دل ہے کہ نہیں۔ اِسکے جگر ہے کہ نہیں
میری بیتابیٔ دل پر وہ خفا ہوتے ہیں | اپنی بھی شوخ نگاہی پہ نظر ہے کہ نہیں
دیکھتے کیا ہو تم اب تیرِ نظر۔ یہ دیکھو | ٹکڑے ٹکڑے مرے پہلو میں جگر ہے کہ نہیں
دل چُرا لے گئی پہلو سے بھری محفل میں | کہیئے اب چور یہ دزدیدہ نظر ہے کہ نہیں
رات بھر جاگے ہیں دن بھر وہ پریشاں رہے | یہ مری آہِ شبِ غم کا اثر ہے کہ نہیں
دوست دشمن کی نگاہوں کا پرکھنا کیسا | پہلے یہ دیکھو تمھیں اپنی نظر ہے کہ نہیں
خُون رو رو کے مرا دل تو جلایا تُونے | آگ تجھ میں بھی لگی دیدۂ تر ہے کہ نہیں

[ط] برغزل نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل - قافیہ بہ قافیہ

تمکو اپنی ہی نگاہوں کی قسم۔ سچ کہنا
قہر پر اب وہ محبت کی نظر ہے کہ نہیں؟

ردیف واو

یہاں تو۔ وہاں تو۔ نہاں تو عیاں تو
جگہہ کونسی ہے نہیں ہو جہاں تو

نہیں دیکھتیں تجکو آنکھیں ہی۔ ورنہ
جہاں ہو نہاں تو۔ وہاں ہو عیاں تو

ترا نور ہوں پھر بھی کیا تجھ سے نسبت
کہاں تو۔ کہاں میں۔ کہاں میں۔ کہاں تو

پتا مجکو ملتا ہے منزل بہ منزل
نہیں جادۂ عشق میں بے نشاں تو

جدا ہو گیا ورنہ کیسی جدائی
جہاں تو وہاں ہو جہاں میں وہاں تو

تغافل سے کچھ اور مطلب نہیں ہے
فقط کر رہا ہے مرا امتحاں تو

ترے عشق کا لطف ملتا کہاں پھر
جو مجکو عدم سے نہ لاتا یہاں تو

کھلائے ہوئے ہیں یہ سب پھول تیرے
جہاں باغ ہے۔ اور ہو باغباں تو

نہ طالب ہی ہوتا نہ مطلوب ہوتا
اگر اپنے جلوے کو رکھتا نہاں تو

یہی آرزو ہے۔ نہیں اور حسرت
رہے قہر پر ہر گھڑی مہرباں تو

ایذا ہی کیوں نہو مگر اُس میں کمی نہو
یہ کیا کہ دل میں درد کبھی ہو۔ کبھی نہو

وہ عرضِ حال پر کہیں ناراض ہو نجائیں
ڈرتا ہوں مدعا بھی مرا مُدعی نہو

کیا خارِ آرزو کی خلش کا یقین آئے
اُس نازنیں کو پھانس بھی جسکے چبھی نہو

میں جی رہا ہوں صرف کسی کے خیال میں
یہ بھی اگر نہو تو مری زندگی نہو

آئیں گے کیا فلک سے فرشتے زمین پر
غمخوار آدمی کا اگر آدمی نہو

لکنت بھی ہے زباں میں آنکھیں بھی سُرخ ہیں
میں شرط باندھتا ہوں جو واعظ نے پی نہو

کوئی سوالِ وصل پہ یہ کہکے چلدیا
تیری خوشی ہو اور ہماری خوشی نہو!

اے قہر ذوق و شوق کے دم سے ہو لطفِ عشق
دل کا لگاؤ کیا ہو جو دل کو لگی نہو

اِس محبت کی خوشی کیا دلِ شیدا مجکو،
غیر کی ضد سے ستمگار نے چاہا مجکو

جب نکلتی ہوئی دیکھی نہ تمنا کوئی
حسرت آئی دلِ ناکام یہ کیا کیا مجکو

جسکا دل مجھ سے ملے جس سے مرا دل ملجائے
نہیں ملتا کوئی ایسا نہیں ملتا مجکو

وُہی جھڑکی۔ وُہی دھمکی۔ وُہی غُصّہ ہردم
یہ تو فرمائے کیا آپ نے سمجھا مجکو

یوں ہُوا دشت نوردی کا تصوُّر دل میں
گھر بھی اپنا نظر آنے لگا صحرا مجکو

میں نے چاہا جنھیں ایسے تو ملے مجکو بہت
نہ ملا کوئی مرا چاہنے والا مجکو

وہ تو اس غم میں پریشان نظر آتے ہیں
مرگِ دشمن پہ مسرّت ہو بھلا کیا مجکو

کعبہ و دَیر میں کیوں خاک اُڑاؤں جاکر
اُس ستمگر نے کہیں کا بھی نہ رکھا مجکو

دل گرفتوں سے ہنسی کوئی ہنسی کھیل نہیں
بس بس اب آپ ہی جانیں گے جو چھیڑا مجکو!

قابلِ داد ہے قسّامِ ازل کی تقسیم
حُسن اُس شوخ کو بخشا۔ دلِ شیدا مجکو

قہر جلوے سے ہوئے غش تو کسی نے یہ کہا
تُونے اے دیکھنے والے مرے۔ دیکھا مجکو!

دُکھا کر نہ دل تم مری جان جاؤ
یہ کہنا کرو۔ یہ کہا مان جاؤ

نہیں جانتے تم۔ اگر جان جاؤ
ہماری محبت کے قربان جاؤ

یہ ہم جانتے ہیں نہ آؤ گے جاکر
اگر جاؤ تو کر کے پیمان جاؤ

زمانہ بُرا ہے نگاہیں بُری ہیں
جہاں جاؤ لے کر نگہبان جاؤ

یہ صُبحِ شبِ وصل کیونکر کہوں میں
نہیں اب کوئی دل میں ارمان جاؤ

اِسی میں ملے گا نشانِ محبت
مرے دل کو اچھی طرح چھان جاؤ

یہ کیا آنا۔ جانا تری بزم کا ہے
پریشان آؤ۔ پشیمان جاؤ

تمھارا اگر جا کے آنا ہے مشکل
اجل کا تو آنا ہے آسان جاؤ

نہ جائیں گے ہم غیر کی انجمن میں
تمھیں کس نے روکا ہے۔ مہمان جاؤ

مجھے در سے اُس نے یہ کہکر اُٹھایا
نہیں تم سے کچھ جان پہچان جاؤ

فلک کو بھی بیدرد کہنا ہے مشکل
کہیں تم نہ اِس پر بُرا مان جاؤ

چلے قہرؔ پھر ایک بے مہر کے گھر
خدا ہے تمھارا نگہبان جاؤ

دل کو دم بھر تو خمِ زلف میں رہ لینے دو
اس پہ گزری ہے جو کچھ کان میں کہہ لینے دو

ضبطِ گریہ کی ہے تاکید ابھی سے کیسی
ابھی دریا مری آنکھوں سے تو بہہ لینے دو

ہاتھ رکھو نہ دمِ عرضِ تمنا منھ پر
آگئی ہے جو زباں پر اُسے کہہ لینے دو

کوئی دن اور بھی مہماں اِسے میں رکھ لوں
کوئی دن اور مری جان کو رہ لینے دو

وصل کی قدر نہ کچھ یوں تو عدو کو ہو گی
کوئی دن ہجر کے صدمے اُسے سہہ لینے دو

کیوں ہٹے جاتے ہو تم جلد مرے آگے سے
محوِ دیدار کو محو اور ابھی.... رہ لینے دو

کیا ضرورت ہے کھلیں رخ پہ دوبارہ زلفیں
ایک ہی بار نہ کیوں چاند کو گہہ لینے دو

جنکو میں سہہ نہ سکوں تم وہ ستم پھر کرنا
جور سہنے کے جو ہیں وہ ابھی سہہ لینے دو

قہرؔ کہنے سے کسی کے کوئی ہوتا ہے بُرا
تمکو کہتا ہے بُرا کوئی تو کہہ لینے دو،

تم یہ مُنھ دیکھے کی اُلفت بھی جتاتے کیوں ہو
دل تو ملتا ہی نہیں آنکھ ملاتے کیوں ہو

آپکے جانے کو اُس بزم میں جاتے کیوں ہو
قہرؔ کہنے میں دلِ زار کے آتے کیوں ہو

دل میں رہنے کے لئے ہے تمھیں آنا مشکل
ایسے نازک ہو تو آنکھوں میں سماتے کیوں ہو

ہو کے ناراض چلا میں تو منانا کیسا
اُس نے یہ بھی نہ کہا روٹھ کے جاتے کیوں ہو

تمکو حسرت ہے مرے دل کی تو دل کو میرے
ہدفِ ناوکِ بیداد بناتے کیوں ہو

کوئی دم میں وہی دُنیا سے اُٹھا جاتا ہے
اپنے بیمار سے تم ہاتھ اُٹھاتے کیوں ہو

کیا تماشا ہے مری جان بھی وہ لیتے ہیں
اور پھر پوچھتے ہیں جان سے جاتے کیوں ہو؟

یہ بھی کیا گھر ہے تمھارا کہ لرز جائے کوئی
عرصۂ حشر میں تم مجکو ڈراتے کیوں ہو

دل کرے آہ تو دل پر ہیں جفائیں لازم
جو ستاتا نہیں تم اُسکو ستاتے کیوں ہو

میں ہوں میں آتشِ اُلفت میں جلا جاتا ہوں
طعنے دیدے کے مجھے اور جلاتے کیوں ہو

جب یہ تم جانتے ہو ایک ہی عیار ہے وہ
قہرؔ فقروں میں پھر اُس شوخ کے آتے کیوں ہو

بزم میں جانبِ اغیار نہ دیکھو۔ دیکھو
دیکھو ہو جائے گی تکرار نہ دیکھو۔ دیکھو

اِس سے آتا ہے تمھاری نگہِ ناز پہ حرف
دیکھ کر تم مجھے .. تلوار نہ دیکھو۔ دیکھو

بیٹھ جاؤ نہ کہیں آپ ہی دل تھام کے تم
چال اپنی دمِ رفتار نہ دیکھو۔ دیکھو

چشمِ مشتاق نہ رکھدی ہو کسی نے اِسمیں
جانبِ روزنِ دیوار نہ دیکھو۔ دیکھو

بھولے بسرے کبھی اُلفت کی نظر بھی ہو جائے
قہر کی آنکھ سے ہر بار نہ دیکھو۔ دیکھو

ہے جو حالِ دلِ مضطر کا دکھانا مشکل
دیکھنا بھی تو ہے دشوار نہ دیکھو۔ دیکھو

تابِ دیدار ہو اے قہر تو دیکھو بھی اُسے
کون کہتا ہے رُخِ یار نہ دیکھو۔ دیکھو

بلائے گا قیامت میں یہ کیونکر ہو یقیں ہمکو،
یہیں اللہ نے رکھا کہیں تمکو۔ کہیں ہمکو

جنوں کا پردہ رکھنا تھا اگر اے ہمنشیں ہمکو
بنائی تھی گریباں میں بھی کوئی آستیں ہمکو

بٹھایا درد نے غم نے کیا زار و حزیں ہمکو
اُٹھائے ناز پھر ناز آفریں کے۔ آفریں ہمکو

وفا کیا چیز ہے۔ یہ جان اپنی دیکے سمجھاتے
مگر ہم کیا کریں وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہمکو

نہ ملنا تھا اگر تو نہ ملتا اور کچھ۔ لیکن
نہوتا آسماں جس پردہ ملجاتی زمیں ہمکو

فراقِ نازنیں میں دل سے لب تک آ نہیں سکتی
اب آہِ ناتواں بھی ہو گئی ہے نازنیں ہمکو

نہ تو ہے عہد کا سچا۔ نہ تو ہے قول کا پورا
تری باتوں کا آئے بھی تو کیا آئے یقیں ہمکو

ہماری رائے میں مل بیٹھنے کا لطف تو جب ہے
کہ ہم اُنکے قریں بیٹھیں۔ بٹھائیں وہ قریں ہمکو

تمھیں کیا مہ جبیں ہو۔ نازنیں ہو۔ مل ہی جائینگے
ہزاروں نازنیں ہمکو۔ ہزاروں مہ جبیں ہمکو

یہ کیا معلوم تھا مٹ جائینگے ہم تیرے کوچے میں
یہ کیا معلوم تھا کھا جائیگی اِسکی زمیں ہمکو

جو اُنسے پوچھتا ہوں میں کہ تمکو بھی محبت ہے
تو کہتے ہیں محبت ہے۔ مگر تجھ سے نہیں ہمکو

اِسی کے پاس ہوگا وہ اِسی کے پاس نکلے گا
نظر آتی ہے دل کی چور زلفِ عنبریں ہمکو

سمایا ہے تمھارا حسن جس دن سے نگاہوں میں
زمانے میں نظر آتا نہیں کوئی حسیں ہمکو

اُسے معلوم ہو جائے۔ ہمارا مرتبہ کیا ہے
جو دیکھے خاکِ کوئے یار پر عرشِ بریں ہمکو

یہ مانا تو کہے گا نامہ بر جو تو نے دیکھا ہے
مگر آئے یقیں اُنکو۔ نہیں اِسکا یقیں ہمکو

اُٹھائے رنج۔ دیکھا رشکِ دشمن بھی محبت میں
نہ کرنے کی جو باتیں تھیں وہ سب کرنی پڑیں ہمکو

جہاں پیدا نہ ہوتے ہوں کسی کے چاہنے والے
بتائے تو کوئی دُنیا میں ایسی سرزمیں ہمکو

یہ اپنی روز کی ناکامیوں سے ہو گیا باور
جو ہوتی۔ تو نکلتی۔ کوئی حسرت ہی نہیں ہمکو

ہُوا کیا دل کا عالم ہجر میں یہ بھی بتا دینگے
بلائے گا کبھی جب اُنسے رَبُّ العالمیں ہمکو

یہ پُوچھا قہر سے اُس نے محبت کی شکایت پر
محبت کیوں نہیں ہمکو؟۔ بتاؤ یہ تمھیں ہمکو

دل میں مرے پیکان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو
اِس گھر میں یہ مہمان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

کیا سجدۂ شکرانۂ الفت سے اُٹھاؤں
سَر پر مرے اِحسان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

دل دینے پر آمادہ ہُوں۔ جی کھونے کو تیار
مرجانے کا ارمان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

گو اور بھی حیرت سے تمھیں دیکھ رہے ہیں
آئینہ تو حیران ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

دشمن کو بھی اللہ نہ دے دردِ محبّت
یہ درد مری جان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

ارمان ہزاروں ہیں مرے خانۂ دل میں
اِس پر بھی یہ ویران ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

سمجھاتا ہے اُسکو جو نہ سمجھائے سے سمجھے
ناصح بھی تو نادان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

پہونچے گا وہاں کیا کوئی دشمن کے سبب سے
اُس در پہ یہ دربان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

ماتھے پہ بل۔ ابرو پہ شکن۔ قہر نظر میں
یہ قتل کا سامان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

اُلجھی ہوئی زلفیں جو نہ سُلجھیں تو وہ بولے
دل اِنسے پریشان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

دُشوار ہے پہلُو سے مرے دل کا اُڑانا
لیکن اُنھیں آسان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

دنیا میں بہت ناز تھا ظالم کو جفا پر
محشر میں پشیمان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

سب جھُوٹ ہے جو تم نے سُنا قہر کی نسبت
واللہ وہ انسان ہے ایسا کہ نہ پُوچھو

نگاہِ قہر دشمن پر کبھی ہو بھی تو کیونکر ہو
وہ جس سے خوش ہیں اُس سے ناخوشی ہو بھی تو کیونکر ہو

مِلے گا جی مرا کیونکر کسی کے مُوئے مژگاں سے
دل آزاروں سے ایسی دل لگی ہو بھی تو کیونکر ہو

نہ دشمن ہم سے مِلتا ہے نہ ہم دشمن سے مِلتے ہیں
ہماری اور اُس کی دوستی ہو بھی تو کیونکر ہو

مزا کیا زندگی کا دل نہیں جب میرے پہلو میں
کہ غم ہو بھی تو کیونکر ہو خوشی ہو بھی تو کیونکر ہو

مٹے چینِ جبیں بھی زلف کے بل بھی نکل جائیں
مگر سیدھی مقدّر کی کجی ہو بھی تو کیونکر ہو

خوشی جب قتل کی مرنے نہیں دیتی تو جیتے ہیں
ہمیں اس مرنے جینے کی خوشی ہو بھی تو کیونکر ہو

خدا کی بندگی جب زاہدوں سے بن نہیں سکتی
پھر ایسوں سے بتوں کی بندگی ہو بھی تو کیونکر ہو

بنے تیری گلی میں قبرِ دشمن ہم نہ مانیں گے
کہ جو ہو دوزخی وہ جنتی ہو بھی تو کیونکر ہو

نہ پانی چشمِ گریاں دے نہ گرمی آہِ سوزاں دے
مری شاخِ تمنا پھر ہری ہو بھی تو کیونکر ہو

یقیں کیا اِسکا آئے۔ اُنکے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں
جو ہو معشوق اُس سے عاشقی ہو بھی تو کیونکر ہو

مری خاطر سے جھیلی قہر زحمت لشکر[1] آنے کی
ادائے شکرِ نوح[2] ناردی ہو بھی تو کیونکر ہو

نظر میں اپنی رکھو یا دلِ روشن میں تم رکھو
رہونگا میں اسی مسکن میں جس مسکن میں تم رکھو

مجھے صحنِ چمن یا دشت کے دامن میں تم رکھو
جہاں رکھو وہاں یادِ رُخِ روشن میں تم رکھو

جلا ڈالے گی مجھکو برقِ رشکِ غیر دم بھر میں
یہ چنگاری نہ میری جان بنے خرمن میں تم رکھو

مسل جاؤ مرا دل پہلے اگر میرے پہلو میں
قدم اپنا پئے گلگشت پھر گلشن میں تم رکھو

جو ہوں عشوے کرشمے صرف کردو وہ مرے دل پر
جو فتنے ہوں وہ اپنے دیدۂ پُرفن میں تم رکھو

دل اپنا دے چکے ہم اب تمھیں ہے اختیار اِس کا
اُسے برباد کردو یا اُسے دامن میں تم رکھو

جو آئے ہو تو بہرِ فاتحہ اب ہاتھ اُٹھاؤ بھی
فنا کرکے مجھے بیتاب کیوں مدفن میں تم رکھو

رفو میرا دلِ صد چاک پھر بخیہ گرو کرنا
رگِ جاں پہلے اپنی دیدۂ سوزن میں تم رکھو

وہ مضطر باہر آتے کو۔ یہاں بھی شوقِ نظارہ
بھلا دیکھیں تو ہم جلوے کو اب چلمن میں تم رکھو

گلے کا ہار میرے کیوں نہ تیغِ رشک ہو جائے
حمائل غیر کے ہاتھوں کو جب گردن میں تم رکھو

تمھارے ہاتھ میں خنجر ہے میں مرنے کو حاضر ہوں
قسم ہے اب جو میری جان میرے تن میں تم رکھو

ابھی تو جان نکلی ہے اُنھیں آنے دو میّت پر
ابھی سے تو نہ اے یارو مجھے مدفن میں تم رکھو

اگر ڈرتے ہو دل میں قہر کی فریاد و زاری سے
تو اُسکو رات دن کیوں نالہ و شیون میں تم رکھو

[1] قہر لشکر پایۂ تخت ریاست گوالیار۔ [2] تاج الشعرا ناخدائے سخن جانشینِ حضرت داغ دہلوی محمد نوح تعلقہ دار نارہ ضلع الٰہ آباد

مجھے حسرت ہے اُسکے حُسن کا گھر گھر نہ چرچا ہو
جو ہو پوشیدہ پردوں میں وہ کیوں عالم میں رُسوا ہو

مرے پہلو میں یا رب دل اگر ہو بھی تو ایسا ہو
جسے ارمان ہو تیرا جسے تیری تمنا ہو

غضب ہے بیٹھنا پڑے میں چُھپکر اُن حسینوں کا
خدا نے دیکھنے کے واسطے جنکو بنایا ہو

دلِ مضطر کو لے کر چاہیئے کچھ دلنوازی بھی
کہیں ایسا نہو پھر یہ نہ میرا ہو نہ تیرا ہو

مزا جب ہے جُنونِ فتنہ ساماں کی ترنگو نکا
مری وحشت کو تم بھی دیکھ کر محوِ تماشا ہو

وہ مجکو کم سنی میں سیکڑوں آزار دیتے ہیں
ابھی سے اُنکا یہ عالم ہے آگے دیکھئے کیا ہو

نگاہیں حُسن کے جلوے کو فوراً تاڑ لیتی ہیں
اُسی پر آنکھ پڑتی ہے جو سو اچھوں میں اچھا ہو

وہ حالِ زارِ عاشق سُنکے بولے بھی تو یہ بولے
"بلا جانے ہماری کوئی جیتا ہو کہ مرتا ہو"

عُدُو کے گھر نہ جائیں وہ ہمارے گھر چلے آئیں
الٰہی نالۂ دل میں اثر اتنا تو پیدا ہو

ہمیں نے تمکو چاہا تو مزہ اِس چاہ کا کیا ہے
تمھیں ہم چاہتے ہیں دل سے تم بھی ایسا ہی چاہو

یہ مانا قہر نے سب وہ جھیلیں سختیاں لیکن
ترا ملنا رقیبوں سے اُسے کیونکر گوارا ہو،

ردیفِ ہائے ہوز

خیالِ عارض میں خاک دیکھوں ترا گلِ نو بہار جلوہ
کہاں وہ جلوہ۔ کہاں یہ جلوہ۔ دکھائے یوں تُو ہزار جلوہ

ستم کیا پردۂ حیا نے بہت رہا بے قرار جلوہ
اُٹھاؤ اب تم نقاب رُخ سے دکھائے اپنی بہار جلوہ

جَلا کے دل جان لی کسی کی کسی کو بیتاب کر کے مارا
بنے ہیں قاتل وہ مُنہ دکھا کر ترے ستم کے نثار جلوہ

وفا کریں گے نبھائیں گے ہم اُٹھائینگے سب ستم تمھارے
کریں گے قربان جان تم پر۔ دکھا بھی دو ایک بار جلوہ

وہ پیچھے چلمن کے بیٹھے آکر اسی نظر سے۔ اِسی سبب سے

کہ کھلے ٹٹی کی آڑ سے اب ہمارے دل کا شکار جلوہ

جمالِ عارض دکھانے والو بہارِ داغِ جگر بھی دیکھو
دکھا رہا ہے ہمارے سینے میں کھل کے کیا لالہ زار جلوہ

تمھیں جہاں میں نہیں ہو ظالم۔ جو ہے وُہی اِنمیں ہے مگر
نگاہ۔ غمزہ۔ ادا۔ کرشمہ۔ حیا۔ شرارت۔ شعار جلوہ

طرح طرح کے حسین ہیں زاہد۔ جو اِنکو دیکھے وہ اِنکو جانے
کسی میں ہے شانِ دلرُبائی کسی کا ہے شان دار جلوہ

نہیں یہ زیبا نہیں یہ شایاں کہ تُو نظر سے نہاں ہوا اتنا
کسی کے مشتاقِ دید کو ہے ترا بہت انتظار جلوہ

یہ بات کیا ہے جو مہر صاحب ہوئے ہیں غش ایک ہی جھلک میں
اِنھیں تو ارمان تھا کہ دیکھیں کسی کا ہم بار بار جلوہ

ہر وقت رہا مائل بیداد و جفا وہ — مِلتا کوئی گیا اُس سے کسی سے نہ مِلا وہ

کب عیش میں وہ لطف ہے کب غم میں مزا وہ — اگلی نہ وہ دُنیا ہے۔ نہ دُنیا کی ہوا وہ

سُن لیں گے اگر اِنکو تو ہو جائیں گے بے چین — سمجھے ہیں مرے نالہ و فریاد کو کیا وہ

مر جائیں گے ہم شوخی و انداز و ادا پر — کم سن ہیں ابھی ہوں تو جواں نامِ خدا وہ

ہے بعد ہمارے اُنھیں اب جسکی ضرورت — مِلتی نہیں ڈھونڈے سے دوا کو بھی وفا وہ

اُلفت میں تری ہر کس و ناکس کی زباں سے — اب تک نہ سُنا تھا جو کبھی ہم نے۔ سُنا وہ

تُو نام نہ لے اور مرا حال سُنا دے — اے نامہ رسا آئے گا اِس دم میں بھلا وہ

کس طرح نظر اُنکی نگاہوں سے مِلاؤں — مِلتیں ہی نہیں اور سے دشمن کے سوا وہ

بیتاب جو کر دے ہمیں بے چین جو کر دے — شوخی میں وہ شوخی ہے۔ حیا میں ہے حیا وہ

کہتا تھا پیامی۔ یہ کہونگا۔ وہ کہونگا! — جب سامنے اُنکے گیا کچھ کہہ نہ سکا وہ

ہم پہلے تو دے بیٹھے اُنھیں دل بھی جگر بھی — اب پوچھتے ہیں یہ تمھیں درکار ہے یا وہ؟

یوں تو نظر آئے ہیں ترے سیکڑوں انداز — جو سب سے نرالی ہو ادا ہمکو دکھا وہ

جب مہرؔ کے اشعار سُنے مہرؔ کو دیکھا
پہچان گیا۔ جان گیا۔ مان گیا وہ

کہوں کیا بار بار اُن سے دلِ پُرغم کا افسانہ
یہ کاغذ ہی کہے گا تُو نہ کہنا اُن سے اے قاصد
ہزاروں آفتیں گزری ہیں اُس بے غمگساری میں
دلائی یاد واعظ اُس لبِ جاں بخش کی تُو نے
پیامی کی ضرُورت کیا خبر ایسی نہیں چھُپتی
ہمارے زخمِ دل تو اور بھی رِسنے لگے سُن کر
جوانی کی اُمنگیں ہیں مسرّت کا زمانہ ہے
گلوں کو داستانِ الفت لیلیٰ سے کیا مطلب

وہ کہدیں گے کہ ہم سُنتے نہیں ہر دم کا افسانہ
لکھا ہے میں نے اپنے خط میں اپنے غم کا افسانہ
بڑا ہے میرے قصے سے مرے ہمدم کا افسانہ
سُنا کر آج مجھکو عیسیٰ مریمؑ کا افسانہ
ہُوا ہر اُڑ کے پہونچے گا مرے ماتم کا افسانہ
زباں پر چارہ گر کی ہے مگر مرہم کا افسانہ
بلا اب اُنکی سُنتی ہے کسی کے غم کا افسانہ
سُنا کرتے ہیں وہ تو رات بھر شبنم کا افسانہ

جو کھا کر ٹھوکریں اے مہرؔ نکلے کوئے جاناں سے
تو ہمکو یاد آیا حضرتِ آدم کا افسانہ

گالیاں ہو کے خفا دیتے ہو اللہ اللہ!
ہم جفا پر بھی دعا تم کو دیا کرتے ہیں
تیغ کھینچتی بھی نہیں اور ہزاروں کو نہیں
بعد کو طالبِ دیدار سے ہلتی ہے نظر
بات کرنے کا طریقہ کوئی تم سے سیکھے
تکو مٹ کر بھی جو جینے کی دُعا دیتے ہیں
کیا یہ دُنیا ہے جو ڈر جائے گا تم سے کوئی
چھین کر دل مجھے تم داغِ جگر دیتے ہو

اور پھر بات بنا دیتے ہو اللہ اللہ!
تم وفا پر بھی دغا دیتے ہو اللہ اللہ!
اِک اشارے میں لُٹا دیتے ہو اللہ اللہ!
خاک میں پہلے مِلا دیتے ہو اللہ اللہ!
بات مطلب کی اُڑا دیتے ہو اللہ اللہ!
جیتے جی اُن کو مٹا دیتے ہو اللہ اللہ!
دھمکیاں روزِ جزا دیتے ہو اللہ اللہ!
تم یہ کیا لیتے ہو۔ کیا دیتے ہو اللہ اللہ!

یہ وفا مہرؔ کہیں ہم نے نہ دیکھی نہ سُنی
بے وفاؤں کو دُعا دیتے ہو اللہ اللہ!

ردیفِ ہائے مخلوطہ

رشکِ اغیار مرے دل میں ہے پیکان کے ساتھ
ایک ناخواندہ بھی مہمان ہے مہمان کے ساتھ

وعدہ دل لیکے کیا تمنے کہ احسان کے ساتھ
ہو جو ایمان کی کہہ دو تمہیں ایمان کے ساتھ

جیتے جی وصل کا ارمان نکلتا ہے کہیں،
یہ تو جائیگا مرے دل سے مری جان کے ساتھ

تم جو آئے نہیں تو آنے کو کیوں کہتے ہو،
عہد کے۔ قول کے۔ اقرار کے پیمان کے ساتھ

شکوۂ عشق پہ یہ عُذر دیا اُس نے جواب
کیوں محبت نہو انسان کو انسان کے ساتھ

قتل تُو نے جو کیا تو یہ بہت خوب کیا
میرا ارمان بھی نکلا ترے ارمان کے ساتھ

ہم نے جب دیکھا ہے وہ ہمکو نظر آیا ہے
نئی ترکیب۔ نئی وضع۔ نئی شان کے ساتھ

تجکو معلوم بھی ہے؟ دیکھنے والے تیرے
دیکھتے ہیں تجھے کس شوق کس ارمان کے ساتھ!

تیر دل سے مرے کھینچیں گے نہ اِس خوف سے وہ
کہیں ارمان نکل جائے نہ پیکان کے ساتھ

اُن سے کب قہر نکالے کوئی ارماں دل کے
خواب میں بھی تو وہ آتے ہیں نگہبان کے ساتھ

اُس کی رسم و راہ میں کام آئے کیا سمجھ
میری جُدا سمجھ ہے تمھاری جُدا سمجھ

وعدہ اگر کریں تو سمجھ سوچ کر کریں
اتنی کہاں سمجھ ہے ابھی ہیں وہ نا سمجھ

اب بھی تری ضدیں ہیں وُہی بات بات پر
آیا شباب اور نہ آئی ذرا سمجھ

سمجھاؤں کس طرح تجھے اے دل نہیں سہی
اپنی خطا نہ مان تو میری خطا سمجھ

جو ہے تمہارے دل میں سمجھتے ہیں اُسکو ہم
سمجھے ہُوئے ہو کیا ہمیں تم کوئی نا سمجھ

سمجھا بجھا کے دل کو وُہی اُس سے پھیر دیں
رکھتے ہیں مجھ سے حضرتِ ناصح سوا سمجھ

یہ انقلابِ حُسن و محبت کا دیکھئے
اچھا بھی میں کہوں تو وہ جائیں بُرا سمجھ

کچھ بیخودیِ شوق میں مُنہ سے نکل گیا
بیجا اُسے سمجھ کہ اُسے تو بجا سمجھ

معشوق کو خدا کے برابر سمجھ لیا،
اے قہر آپ کی بھی ہے واللہ کیا سمجھ،

ناخوشی تھی۔ یا خوشی تھی کچھ نہ کچھ
اب نہیں تو کیا کبھی تھی کچھ نہ کچھ

تمکو بھی اُلفت مری تھی کچھ نہ کچھ
دل لگی میں دل لگی تھی کچھ نہ کچھ

ذبح کیوں کرتے وہ خوش ہو کر مجھے
اِس میں میری بھی خوشی تھی کچھ نہ کچھ

ہو وہ قتلِ غیر یا ہو وصلِ غیر
آپ کے دل میں ٹھنی تھی کچھ نہ کچھ

تمکو وہ اپنا زمانہ یاد ہے
دشمنوں سے دوستی تھی کچھ نہ کچھ

میں درازیٔ شبِ غم کیا کہوں
تیری زلفوں سے بڑی تھی کچھ نہ کچھ

تم نہ آتے یہ بھی کوئی بات تھی
جذبِ دل ہی میں کمی تھی کچھ نہ کچھ

نزع میں دیکھا کیے ہم اُنکی راہ
یاس میں اُمید بھی تھی کچھ نہ کچھ

قہر دل آزار کو دل کیوں دیا
سوچنی اچھی بُری تھی کچھ نہ کچھ

ستم سہے ہیں اُٹھائے ہیں جَور کیا کیا کچھ
ابھی ہیں مری قسمت میں اَور کیا کیا کچھ

تری نگاہ نے سیکھے ہیں طَور کیا کیا کچھ
غضب کے۔ قہر کے۔ غصے کے اَور کیا کیا کچھ

ہمارے دل کا کوئی آج فیصلہ ہوگا؟
ابھی تو اِس میں کریں گے وہ غَور کیا کیا کچھ

تری نگاہ کی گردش۔ فلک کی گردش ہے
دکھائے دیکھئے ہمکو یہ دَور کیا کیا کچھ

جو نامراد ہی کہتے تو کوئی بات بھی تھی،
وہ کہہ گئے مجھے کیا جانے اَور کیا کیا کچھ

وہ تم کہ تم نے اُٹھائے نہ اپنے جَور سے ہاتھ
وہ ہم کہ ہم نے اُٹھائے ہیں جَور کیا کیا کچھ

کبھی حجاب ہے مجھ سے۔ کبھی حجاب نہیں
بدلتے رہتے ہیں وہ اپنے طَور کیا کیا کچھ

ہمارے دل میں خدنگِ نظر تو ڈھونڈ لیا
بھلا بتاؤ تو ہے اِس میں اَور کیا کیا کچھ؟

دَوا نے بھی نہ کیا کچھ دعا نے بھی نہ کیا
مریضِ غم کی ہوئی ورنہ غَور کیا کیا کچھ

اُٹھائے گردشِ چشمِ سیاہ مست کے لُطف
چلے ہیں بادۂ گلگوں کے دَور کیا کیا کچھ

نظر بھی تم سے تو اُٹھتی نہیں۔ اِدھر دیکھو
تمہارے ہم نے اُٹھائے ہیں جَور کیا کیا کچھ

لیا ہے دل ہی ابھی قہر کا ابھی کیا ہے
کسے خبر وہ کریں ظلم اَور کیا کیا کچھ

ردیفِ یائے معروف

اللہ رے نازکی نہیں ہوتا یہ کام بھی
لیتے ہیں کب وہ ہاتھ اُٹھا کر سلام بھی

کیونکر وہ روک لے تجھے دامن کو تھام کر
جو اپنے دل کی کر نہ سکے روک تھام بھی

اب دل ہے اور رات دن اُلفت کے تذکرے
پہلے نہ جانتا تھا یہ اُلفت کا نام بھی

پہونچائے ہونگے اُس نے عُدو کو کسی کے خط
لایا کبھی یہاں تو نہ قاصد پیام بھی

آؤ گے میرے گھر ۔ مرے پہلو سے جاؤ گے
ہو گی وہ صبح بھی کبھی ہو گی وہ شام بھی!

وہ اور ہیں جو کہتے ہیں ناصح سے حالِ دل
ایسوں سے ہم تو کر نہیں سکتے کلام بھی

یوں میکشی اگر ہو تو ہے میکشی کا لُطف
ساقی بھی ماہوش ہو چھلکتا ہو جام بھی

اے نامہ بر یہاں سے وہ آتے ہی جائیں گے
یا کوئی دن کریں گے مرے گھر قیام بھی؟

جُھنجلا کے اُس نے شکوۂ دشمن یہ کہدیا
ہو گا کبھی یہ آپکا جھگڑا تمام بھی

اغیار کہہ چکے ہیں بہت میرے برخلاف
اب تم سُنو تو عرض کرے کچھ غلام بھی

وہ مہ جبیں دکھائے گا جلوہ نہ قہرؔ کو
یہ جانتے جو ہم تو نہ رکھتے یہ نام بھی

کیا حُسن کے جلوے میں تاثیر نظر آئی
تصویر بھی تو انکی۔ تصویر نظر آئی

کچھ دیر اجل کو بھی ہم نزع میں ٹالینگے
آنے میں اگر اُنکے تاخیر نظر آئی

قاتل کی نظر نکلی قاتل سے سوا قاتل
شمشیر تو جب دیکھی شمشیر نظر آئی

ہر بات میں پہلو ہے ۔ ہر لفظ میں جادو ہے
تقریر سُنی اُسکی ۔ تحریر نظر آئی

دل اُس سے اگر بچتا ۔ تو اس سے نہ بچ سکتا
جو تیری نظر دیکھی وہ تیر نظر آئی

کس بات کا پھر اے دل ہم اُس سے گلہ کرتے
ہر بات میں جب تیری تقصیر نظر آئی

دل اپنا نظر آیا اُس زلفِ پریشاں میں
یہ خوابِ پریشاں کی تعبیر نظر آئی

جب جاکے دیکھی ہے زاہد نے عقیدت سے
خاکِ درِ میخانہ اکسیر نظر آئی

اب دیکھئے یہ باہر کیا ہم کو نظر آئے
دل میں تو نظر تیری اِک تیر نظر آئی

کیا قہر سے دیکھا ہے گردوں کو ستمگر نے
جب کچھ مرے نالوں نہیں تاثیر نظر آئی

جب مہر کا دل دیکھا تو اُسمیں ہیں کیا کیا
تیرے رُخِ روشن کی تنویر نظر آئی

یہ اگر سچ ہے مری مشکل میں آسانی نہ تھی
تمکو عہدِ وصل پر جھوٹی قسم کھانی نہ تھی

اِس نے کیوں جانا محبت دشمنِ جانی نہ تھی
میں تو دیوانہ تھا۔ میری عقل دیوانی نہ تھی

کوئی حیرانی نہ تھی کوئی پریشانی نہ تھی،
بات جب تک دل کی میں نے عشق میں مانی نہ تھی

چارہ جو۔ دس بیس آہوں سے بگڑنا تھا بجا
ایک نالے پر قیامت آپکو ڈھانی نہ تھی

کیوں نہ دیتے مشورہ مشکل میں مرنے کا مجھے
میری آسانی میں کیا غیروں کی آسانی نہ تھی

ڈھونڈتا میں ہی کہیں اپنی اجل کو ہجر میں
لیکن اُسکی شکل میری جانی پہچانی نہ تھی

غیر کے قابو میں وہ رشکِ پری کیوں آگیا
غیر کے قبضے میں کچھ مُہرِ سلیمانی نہ تھی

جل کے ہم ٹھنڈے جو ہوتے بھی تو ہوتے کس طرح
آتشِ سوزِ محبت تم آگ تھی۔ پانی نہ تھی

عشق نے جیسا بنایا جسکو وہ ویسا بنا،
قیس صحرائی نہ تھا۔ لیلیٰ بیابانی نہ تھی

میرے گھر سے تم نے جب چاہا گھر اپنے چل دیئے
غیر کے گھر میں تو یہ من مانی گھرجانی نہ تھی

جب ہُوئے تم مہرباں دل کو ملایا خاک میں
کب تمھاری مہربانی ظلم کی بانی نہ تھی

کیوں مرے دل سے نکلتے کیوں وہ پھرتے جابجا
اِسکی ویرانی میں کیا اُنکی پریشانی نہ تھی

غیر کے دل پر گرانی تھیں ستم کی بجلیاں
میرے سر پر تو فلک یہ آگ برسانی نہ تھی

موت ہی اے مہر آجاتی مجھے روزِ فراق
وصل کی شب میری قسمت سے اگر آنی نہ تھی

بتا اے ناتوانی رہ گئی اب بات کیا میری
وہ کہتے ہیں کہ تجھ سے اُٹھ نہیں سکتی جفا میری

سُنوگے بعدِ عُذرِ جَور دل سے التجا میری
ابھی کیا ہے۔ ابھی تو رنگ لائے گی وفا میری

گئی کیوں جان خنجر تھامتے ہی کچھ نہیں کھُلتا
دھری تھی ایسی کیا قاتل کی مٹھی میں قضا میری

وہ دل لے کر چلے تھے میں نے جب پُوچھا کب آؤگے
تو بولے اب غرض تجھ سے اب آئے گی بلا میری

جو اسکے سُننے والے ہیں کلیجا تھام لیتے ہیں،
اُسے معلوم کیا پُر درد کیسی ہے صدا میری

کسی کا نام لو۔ آخر یہ خنجر کیوں سنبھالا ہے
قضا آئی ہے دشمن کی کہ آئی ہو قضا میری

دھواں آہوں کا زیرِ آسماں کیوں تھم رہا جاکر
الٰہی کیا ڈبوئے گی زمیں کو یہ گھٹا میری

علاجِ دردِ فرقت حضرت عیسی سے مشکل ہو
عیادت کو تم آجاؤ تو ہوجائے دوا میری

یہاں تو سر نہیں اُٹھتا ہے نادم دیکھکر اُنکو
وہ یہ سمجھے ہیں اِسنے بھی اُڑائی ہے حیا میری

اٹھائیں آپ پہلے تیغ پھر میں جان دینے سے
چُراؤں جان تو جو چور کی ہو وہ سزا میری

ابھی اخفائے رازِ عشق کی تاکید تھی مجکو
ابھی دشمن سے ہوتی ہے شکایت برملا میری

کسی کے عشق و اُلفت میں یہ کیسا رنج پھیلا ہو
کہ دل بھی مجھ سے ناخوش جان بھی مجھ سے خفا میری

دعائیں کیوں نہ دوں میں قتل ہو کر تیغِ قاتل کو
یہ کام آئی ہو میرے۔ ہو یہی حاجت روا میری

اُٹھا تلوار بھی۔ مجھ نیم جاں میں جان ہی کیا ہے
بہانہ ڈھونڈتی ہے اب تو اے قاتل قضا میری

کوئی پتھر کا دل تو اپنے پہلو میں نہیں رکھتا
تڑپ اُٹھتا ہے سُن سُن کر جو سُنتا ہو بُکا میری

یہ اک پُرسانِ حالِ ہجر ہے اسکو خدا رکھے
خبر لیتی ہے اُس کوچے سے آآکر صبا میری

کوئی سُنکر یہ اُنکی گفتگو کیوں کر نہ مرجائے
ادا سے دیکھکر کہتے ہیں وہ۔ دیکھی ادا میری!

کہاں ہے اے اجل مجھ سے تو یہ دیکھا نجائیگا
کہ دیکھے آسماں کا مُنہ شبِ فرقت دعا میری

وہ میرا دل تو کیا لیتے ہیں میری جان لیتے ہیں
کہ جبتک دل ہو پہلو میں جبھی تک ہو بقا میری

عدو بھی پھر اُٹھ اُٹھ کر مجھے تعظیم دیتے ہیں،
بندھی ہے آجکل یہ اُسکی محفل میں ہوا میری،

یوں ختم حُسن و عشق کی تکرار ہو گئی
اُنکے ہمارے بیچ میں تلوار ہو گئی

میری دُعا جو ہجر میں بیکار ہو گئی
ایسی جلی کہ آہِ شرر بار ہو گئی

یہ کہہ کے جلد وہ مرے آگے سے ہٹ گئے
پوری تمھاری حسرتِ دیدار ہو گئی

اِک بار بھی نہ آئی قیامت ہمارے گھر
لیکن تری گلی میں وہ سو بار ہو گئی

اُسکی نگاہ سے نہ لڑی بیخودی میں آنکھ
بیہوش میں ہوا تو یہ ہشیار ہو گئی

ہر روز کوئی رنج ہو ہر وقت کوئی غم
اُلفت ہماری جان کا آزار ہو گئی

میری نگاہِ شوق نے سُوراخ کر دیئے
چھلنی تمام آپ کی دیوار ہو گئی

ابتو قمارِ عشق میں دل کو لگا دیا
یا جیت ہو گئی مری یا ہار ہو گئی
یہ کیا غضب ہے دل سے ابھی دل نہیں ملا
تیری نگاہ لڑنے کو تیار ہو گئی
ہوتا نہیں کبھی مری فریاد کا اثر
یہ تیری بات ناصحِ غمخوار ہو گئی

اے قہرؔ اب فغاں سے محبت میں فائدہ
ہونی جو کچھ تھی وہ تو مرے یار ہو گئی

مجکو کیا خیر ہوئی یا ہوئی جانوں کی
رہ گئی بات تو قاتل ترے پیکانوں کی
دل کے چرچے تو حسینوں میں شب و روز رہے
بات پوچھی نہ کسی نے مرے ارمانوں کی
جان پر کھیل کر اُس بزم میں جانا ہوگا
ہر نگہ تیغ سے بڑھکر ہے نگہبانوں کی
سر مرا جھک کے غمِ ہجر میں جب اُٹھتا ہے
یاد آتی ہے مجھے وصل کے احسانوں کی
جوشِ وحشت سے نشانِ در و دیوار کہاں
خاک اُڑتی ہے مرے گھر میں بیابانوں کی
اور پھر کون رہے اسمیں جو ارماں نہ رہیں
خانۂ دل تو ہے منزل انھیں مہمانوں کی
آئینے کو دلِ عشاق سے نسبت کیا ہے
تم نے دیکھی نہیں صورت ابھی حیرانوں کی
دشت پر ہی نہیں موقوف تماشائے جنوں
سیرِ گلشن میں بھی ہر چاک گریبانوں کی
وعدۂ مہر و وفا روز کہاں تک ہونگے
کوئی حد بھی ہے ستمگر ترے پیمانوں کی
ہم ترے پاس تصور میں بھی آسکتے ہیں
روک لیں ہمکو یہ طاقت نہیں دربانوں کی
دل کے دو حرف بھی تو جمع نہیں ایک جگہ
اُف پریشانیٔ دل تیرے پریشانوں کی
میں کدھر سے تجھے ہشیار سمجھ لوں ناصح
تیری جو بات ہے وہ بات ہے نادانوں کی
دیکھیں صورت تری کیونکر۔ ترا شکوہ کرکے
آنکھیں اُٹھتیں نہیں محشر میں پشیمانوں کی

اُس نے کب تم پہ دھرے ظلم و جفا کے الزام
قہرؔ پر کس لئے بوچھار ہے بہتانوں کی!

جیسی صورت تری حسین دیکھی
تو بتا۔ تو نے بھی کہیں دیکھی؟
دلِ شیدا جہاں نہو پیدا
کوئی ایسی بھی سرزمین دیکھی؟
بات جو دیکھنی ہے اُلفت میں
سچ تو یہ ہے۔ کہیں نہیں دیکھی

فتنے اُٹھتے ہیں اُنکے کوُچے سے
اِس قیامت کی بھی زمیں دیکھی!
واہ رے صبر۔ اُف رے ضبط مرا
اُنکے لب پر بھی آفریں دیکھی
خوش نہو دل۔ یہ ہے نگاہِ کرم
ابھی چیں جبیں ہنسیں دیکھی!
جو کہی تُو نے چُبھ گئی دل میں
تیری ہر بات دلنشیں دیکھی
کب شبِ غم ہمارے نالوں سے
آسماں نے زمیں نہیں دیکھی
اُف۔ وہ کافر نگاہِ سحر آگیں
ناز میں نازآفریں دیکھی
تمھیں کہدو کہ دل سی شے تم کو
کہیں آئی نظر؟ کہیں دیکھی!
صاف ہے دل ترا۔ کسے معلوم
بات میں تو چُناں چُنیں دیکھی
آئینہ دیکھ کر وہ کہتے ہیں +
"ایسی صورت کہیں نہیں دیکھی"!
ماہ نے جب وہ ماہوش دیکھا
اپنی چمکی ہوئی جبیں دیکھی
دل دکھا کر اُنھیں کہا میں نے
اب بھی دل کی لگی نہیں دیکھی!
کیا تصور ہے۔ ہم نے وہ صورت
دُور رہ کر بھی تو قریں دیکھی
حسرتِ دل نے گھر بنانے کو
میرے سینے ہی میں زمیں دیکھی

قہر کی سی وفا زمانے میں
نہیں دیکھی کہیں نہیں دیکھی

قضا ہی جب نہیں قسمت میں تو شفا کیسی
مجھے وہ زہر بھی دیتے نہیں دوا کیسی
جھکی ہے اُٹھ کے تری چشمِ فتنہ زا کیسی
جو شوخیوں ہی کی ٹھہری تو پھر حیا کیسی
ملے نگاہ کے ملتے ہی آپ دشمن سے
طبیعت آپ کی ہے زود آشنا کیسی
جو دلربا تھے اُنھیں بھی خیالِ دل نہ رہا
بدل گئی ہے زمانے کی اب ہوا کیسی
تری زباں تو خوشامد سے آشنا ہی نہیں
یہ دُور باررقیبوں کی التجا کیسی
بُتوں کے رعب نے یوں بُت بنا دیا ہمکو
زباں ہی نہ کھُلی۔ عرضِ مدعا کیسی
نہ اب ستم ہے۔ نہ اب جور ہے۔ نہ اب ہے جفا
یہ کیا ستم ہے۔ یہ کیا جور۔ یہ جفا کیسی
جو ہے علاج ہی کرنا۔ تو کر علاج اپنا
مریضِ عشق کی اے چارہ گر دوا کیسی

مزاج پوچھنے کا یہ نیا طریقہ ہے
ستم کے بعد جھکا مجھ سے آسماں کیسا
دکھا کے آنکھیں مجھے کوئی یہ دکھاتا ہے
لیا ہے جُرمِ محبت کا اپنے سر الزام

وہ کہہ رہے ہیں کہ ہے آپکی بلا کیسی!
رسا ہوئی مری اب آہِ نارسا کیسی!
کہ اپنے جھانکتے ہی ہے تجھے قضا کیسی
یہ کر کے میں نے خطا اور کی خطا کیسی

جو کچھ لگاؤ ہو تجھکو تو قہر یہ ہے بجا
بُتوں سے لاگ مگر بندہ خدا کیسی

جب کھلی آنکھ نظر رنج کی صورت آئی
تیرے کُشتوں کو دمِ ذبح وہ لذّت آئی
دوارِ حشر کی بھی اُسپہ طبیعت آئی
وہ جو پہونچے تو اُٹھا حشر میں ہر سمت یہ غل
حسرتِ قتل کا مقتل میں نکلنا کیسا
یہ مرے بس کی نہیں۔ یہ مرے قابو کی نہیں
محفلِ عیش میں بھی منہ کو کلیجا آیا
اُٹھیں وہ اُٹھیں۔ وہ پھر شوخ نگاہیں اُٹھیں
میں نے آنکھوں میں جو کاٹی تھی کبھی ہجر کی شب
جسکو دیکھا اُسے اپنوں ہی پہ مرتے دیکھا
دل میں جبتک ہے فغاں خیز جبھی تک سمجھو

صُبح ہوتے ہی بلائے شبِ فرقت آئی
"ہم نہ کیوں مر گئے"۔ یہ خضر کو حسرت آئی
لو۔ یہ اِک اور قیامت میں قیامت آئی
گئی۔ اب جان گئی۔ آئی۔ اب آفت آئی"
دم ہی خنجر میں نہ تھا جب مری نوبت آئی
پھر گئی پھر گئی۔ جب آئی طبیعت آئی
یاد جب کوئی مجھے اپنی مُصیبت آئی
آئی۔ وہ آئی۔ وہ آنکھوں میں شرارت آئی
اُونگ پر اونگ مجھے صبحِ قیامت آئی
تیری آئی بھی۔ تو غیروں پہ طبیعت آئی
لب پہ جس وقت یہ آئی۔ تو قیامت آئی

اگر اے قہر وہ جب اڑ گئے دل لینے پر
کام پھر کوئی نہ منّت نہ سماجت آئی،

ابھی کم سن ہیں انھیں کچھ نہیں اُلفت دل کی
وہ عداوت سے چھپاتے ہیں محبت دل کی
جلوہ گر میں بھی وہ جلوہ نظر آیا نہ مجھے
اِسکے گاہک ہیں بہت۔ آپ نہیں ہیں۔ تو نہوں

وہ بھی دن آئیں گے جب ہوگی ضرورت دل کی
دل میں رہ رہ کے بھی ہوتی ہے شکایت دل کی
سامنے میرے کھڑی ہوگئی حسرت دل کی
بیچ ڈالوں گا جو مل جائے گی قیمت دل کی

دفعتہً چونک اُٹھے چونک کے بیتاب ہوئے
خواب میں کیا نظر آئی انھیں صورت دل کی

اِسکو پابندِ ادا رکھ۔ کہ گرفتارِ بلا
ابتواے زلف ترے ہاتھ ہے عزت دل کی

یہ نہ پوچھو کہ شبِ ہجر گزاری کیونکر
اِک مصیبت سی مصیبت تھی مصیبت دل کی

کھُب گیا تیری نظر میں تو مقدر دل کا
نہ سمایا تری آنکھوں میں تو قسمت دل کی

باغ میں غنچہ و گُل کو وہ مسل دیتے ہیں
ملتی جلتی ہے جو کچھ اُنسے شباہت دل کی

لاکھ تدبیر کروں۔ لاکھ چھپاؤں لیکن
نہیں چھپتی نہیں چھپتی کبھی اُلفت دل کی

ہو گیا دم کی طرح اِس کا نکلنا مشکل
جزوِ دل بنکے رہی دل ہی میں حسرت دل کی

آپ کیا جانیں اُسے۔ آپ کو معلوم نہیں
دیکھنے والوں نے دیکھی جو اذیّت دل کی

تاک میں تھی نگہِ شوخ کسی کی اے قہر
اپنے پہلو میں خبر لیجیے حضرت دل کی

مہربانی بھی مرے حق میں عداوت ہوگی
وہ عنایت نہ کریں گے تو عنایت ہوگی

کم نگاہی کی تری خاک شکایت ہوگی
جب مجھے چشمِ تغافل بھی غنیمت ہوگی

تیسری کیا شبِ غم شغل کی صورت ہوگی
نالہ کرلیں گے جو فریاد سے فرصت ہوگی

رنج کے بعد مجھے کون سی راحت ہوگی
اب جو قسمت ہے وہی جب بھی قسمت ہوگی

خبر سے اپنی خبر بھی نہیں تجکو ظالم
اور کیا اِس سے زیادہ تری غفلت ہوگی

میں خریدار بنوں جان سے تیرا کیونکر
یہ فقط اِک نگہِ ناز کی قیمت ہوگی

گُل مجھے دیکھکے پھاڑیں گے گریباں اپنا
میری وحشت بھی نئے رنگ کی وحشت ہوگی

حُسن بخشا نہیں بیکار بتوں کو زاہد
کچھ نہ کچھ اسمیں بھی اللہ کی حکمت ہوگی

کوہ پر ہو کہ چمن میں وہ مرا دل ہوگا
جس کلی میں بھی نہ بوئے محبت ہوگی

تم سے ہوگی کہ وہاں مجھسے ستم کی پرسش
کس پہ گزرے گی قیامت جو قیامت ہوگی!

رو دیئے دیکھ کے ناصح بھی مرا حالِ زبوں
میں تو سمجھا تھا کہ کچھ مجکو نصیحت ہوگی

مجکو رکھے گا وہاں میرا تصور ہر دم
مجھ سے خالی نہ کبھی آپ کی خلوت ہوگی

مہرباں جَور کا انجام پشیمانی ہے
دیکھنا آپ کو آخر میں ندامت ہوگی

قہر تو دل میں تجھے دیکھ لیا کرتے ہیں
جسکو ہوگی۔ ترے دیدار کی حسرت ہوگی

اب ایسے ہیں تو لوٹل ہے خبر مجھ زار و مضطر کی
کہ دم آیا لبوں پر۔ جان ہے مہمان دم بھر کی

بتاؤں کیا کسی کے دل میں گھر صورت بھی ہو گھر کی
ٹھہرنے ہی نہیں دیتی کہیں گردش مقدّر کی

غضب ڈھایا یہ طُرفہ اور میری چشمِ پُرنم نے
مرادامن تو تر ہی تھا۔ تری بھی آستیں تر کی

سیاہی سب سمٹ کر آگئی میرے مقدر میں
اُنھیں بھی کچھ خبر ہے۔ لیں خبر زلفِ معنبر کی

ہماری حشر میں محلیں سُنیں ہم کیا تری واعظ
یہاں ہنگامہ برپا ہے۔ پڑی ہے تجکو محشر کی

اُڑائی دولتِ غم دل نے روزِ ہجر سے پہلے
جو باقی رہگئی تھی۔ اب وہ کھائی کر برابر کی

پلانی ہو اگر ساقی۔ تو خم کا خُم پلا ہمکو
ہماری پیاس بھی ہے کیا کوئی دو چار ساغر کی!؟

زمانے بھر میں کیوں ہوتی ہیں حُسن و عشق کی باتیں
مرے گھر ہوں ترے گھر کی۔ ترے گھر ہوں مرے گھر کی

وہ کہتے ہیں ہمارے قد سے نسبت کیا قیامت کو
نہ وہ اسکے برابر ہے۔ نہ وہ اِسکے برابر کی

ہزاروں سجدہ کرتے ہیں۔ ہزاروں چُوم لیتے ہیں
تراد رمِل گیا اُسکو۔ یہ ہے تقدیر پتھر کی

وہ تیرِ ناز چھوڑیں میرے دل پر۔ دل کرے ہیں
مزا ہو۔ یوں چلیں چوٹیں برابر سے۔ برابر کی

صبا نے اُنکے رُخ سے زلف سرکائی بہت لیکن
نہیں سَر کی نہیں سَر کی نہیں سَر کی نہیں سَر کی

دمِ بسمل نہیں اک میں ہی محوِ جلوۂ قاتل
غضب دیکھو کہ مُڑ کر دیکھتی ہے دھار خنجر کی

نہ دیکھا قہر سا بھی تیز رَو راہِ محبت میں،
فلک ہے ایک گردش کا۔ زمیں ہے ایک چکر کی

لوٹ کر نوک نہ اُس تیرِ نظر کی نکلی
نکلنی تھی۔ نہ یہ پھانس جگر کی نکلی

تھی بہت مجکو دعائے شبِ غم سے اُمید
وہ بھی تقدیر سے محتاج اثر کی نکلی

خنجرِ ناز سے دونوں کا ہُوا کام تمام
آرزو دل کی۔ تمنا بھی جگر کی نکلی

زلفِ پیچاں پہ مجھے وہم تھا دل لینے کا
اور چوری تری وزدیدہ نظر کی نکلی

میں سمجھتا تھا شبِ وصل رہے گی برسوں
یہ تو مہمان فقط چار پہر کی نکلی

سب لہُو چُوس لیا کیا ترے پیکانوں نے!
بو جگر میں نہ ذرا خونِ جگر کی نکلی

وصل کی شب مری قسمت کا ستارہ چمکا
وہ یہ سمجھے کہ سفیدی یہ سحر کی نکلی

شوقِ دل لے تو گیا ہمکو کسی کے گھر تک
کوئی صورت نہ وہاں اپنے گزر کی نکلی

کچھ تو دنیا میں رہا حسن کا جلوہ کمیاب
کچھ کمی دیکھنے والوں کی نظر کی نکلی

یوں تو سو بار ہلی یہ بھی ہوا سے لیکن
شاخِ گل میں نہ لچک تیری کمر کی نکلی

ہم نے جنت میں بھی زاہد اسے دیکھا بھالا
حُور کی آنکھ نہ نکلی جو بشر کی نکلی

اُنکے کوچے کی صبا اُن سے سوا نازک ہے
شام کو گھر مرے آئی ہے سحر کی نکلی

دل ہمارا جو نہ بسمل ہُوا۔ تو کچھ نہ ہُوا
کیا ادا اس میں تری تیغِ نظر کی نکلی

رنج و راحت کا لیا جائزہ جب اُلفت میں
غم مرے گھر کا۔ خوشی آپ کے گھر کی نکلی

پھر طوفاں تو شبِ ہجر اُٹھائے اِس نے
پھر بھی حسرت نہ مرے دیدۂ تر کی نکلی

ہجر میں جب یاد آتی ہے گھٹا برسات کی
آہِ دل اُٹھ کر دکھاتی ہے گھٹا برسات کی

اِس طرف میں ہوں جدائی میں کسی کی اشکبار
اُس طرف آنسو بہاتی ہے گھٹا برسات کی

ساقیٔ مہوش نہیں تو لطف کیا برسات کا
اُٹھ کے زحمت کیوں اُٹھاتی ہے گھٹا برسات کی

چال مستانہ کسی کی یاد آتی ہے مجھے
جھُوم کر جس وقت آتی ہے گھٹا برسات کی

آپ ہی جلتا ہوں میں سوزِ فراقِ یار میں
مجکو آکر کیوں جلاتی ہے گھٹا برسات کی

اِسکو کیا دیکھوں کہ اُس زلفِ سیہ کے سامنے
کب نگاہوں میں سماتی ہے گھٹا برسات کی

عاشقِ مہجور مر مٹتے ہیں اسکو دیکھ کر
موت آتی ہے کہ آتی ہے گھٹا برسات کی

میرے سینے میں بھی ہو جاتے ہیں زخمِ دل ہرے
رنگ جب اپنا جماتی ہے گھٹا برسات کی

طالعِ خفتہ مرا بیدار ہو ممکن نہیں
ورنہ سوتوں کو جگاتی ہے گھٹا برسات کی

خار سے میری نظر میں کم نہیں بے وصلِ یار
گو بہار اپنی دکھاتی ہے گھٹا برسات کی

دیدۂ تر کے مقابل آئے تو معلُوم ہو
کس طرح دریا بہاتی ہے گھٹا برسات کی

تازہ کرتی ہے مرے داغِ جنُوں اِسکی بہار
مجکو دیوانہ بناتی ہے گھٹا برسات کی

پھر ساون میں دلا کر یاد وہ برقِ نگاہ
بجلیاں دل پر گراتی ہے گھٹا برسات کی

خیال ہی سے ترے عرضِ آرزو کرنی
کسی طرح تو نہیں تجھ سے گفتگو کرنی

یہ تمکو کس نے سکھائی ہے گفتگو کرنی
کہ آگئی تھیں ہر وقت تم سے تو تو کرنی

جو آؤں آپ میں تو میں کروں کسی کی تلاش
مجھے ابھی تو ہے اپنی ہی جستجو کرنی

یہ آرزو ہے فقط - اور آرزو کیا ہے
تجھے بھی آئے یونہیں میری آرزو کرنی

ہوگی پاسِ وفا سے محال کیوں مجکو
شکایت اُسکی خدا کے بھی روبرو کرنی

جگر کا چاک تو کیا بخیہ گر رفو ہو گا
کہ مجکو آتی نہیں جیب بھی رفو کرنی

بلا سے تو جو نہیں مانتا - نہ مان اے دل
وہی کر اب جو تجھے ہو مرے عدو کرنی

چھپائے غیر محبت چھپا نہیں سکتا
کہ ہے اُسے تو یہ مشہور چیارسو کرنی

پھر آرزو کے نکلنے کی کونسی اُمید
جب آرزو کی بھی ہو مجکو آرزو کرنی

تجھے جو قہر سے ترکِ وفا کا شکوہ ہے
تجھے بھی یاد ہے کچھ اپنی کینہ جو کرنی

بدلو قدم قدم پہ روش تم نہ چال کی
مٹی خراب ہوگی کسی پائمال کی

اللہ رے بیخودی دلِ آشفتہ حال کی
تدبیر پوچھتا ہوں عدو سے وصال کی

اُلفت میں سوجھتی نہیں مجکو تو حال کی
مجکو پڑی ہے ناصحِ ناداں مآل کی

مرنا پڑا ہے فکرِ ملاقات میں مجھے
وجہِ وصال ہو گئی حسرت وصال کی

جو کچھ دلوں پہ عشق میں گذری نہ پوچھئے
اللہ کو خبر ہے غریبوں کے حال کی

کیا شاد ہونگے مجکو وہ دل شاد دیکھکر
اُنکو تو ہے خوشی مرے حزن و ملال کی

دکھایا دیکھکر کہ کوئی دیکھتا نہ ہو
کیا بات چشمِ یار تری دیکھ بھال کی

پہلو میں دل کا چین سے رہنا محال ہے
کیونکر رہے گی دل میں تمنا وصال کی

یہ مانتا ہوں مجھ سے وہ برہم ہیں نامہ بر
لیکن ہے کوئی وجہ بھی اُنکے ملال کی؟

طرزِ خرامِ ناز پہ وہ بھی نثار ہیں
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں روش اپنی چال کی

پھر سرمگیں نگاہ سے دیکھو مری طرف
تمکو قسم ہے اپنے ہی حسن و جمال کی

آنکھیں اُٹھا کے دیکھوں تو آنکھیں نکالئے
بیوجہ مجھپہ آپ نے کیوں آنکھ لال کی

طرزِ نگاہِ یار سے پہچانتے ہیں ہم
نکلے جو آہ بھی تو بگڑ کر وہ یہ کہیں

یہ آنکھ شرم کی ہے۔ یہ ہے انفعال کی
پھر تم نے مجھ سے چھیڑ کی پھر تم نے چال کی!

چٹکی میں دل کو مَل کے کہا اُس نے قہر سے
آباد اِس میں کیوں رہے حسرت وصال کی

جو وہ ہم سے محبت ہی جتا کر کھیلتے ہولی
جُدا رہ کر ہی کیوں ہم آج ہولی کی طرح جلتے
جو ہوتا وصل ہولی میں۔ جو مِلتا کوئی ہولی میں
گلال اُسکو بھی ہولی کا سمجھتے اُنکے دیوانے
یہ ہولی کا زمانہ ہے نہ چلتی اُنکی کچھ اِس میں
جو ہولی کھیلتا ہے کوئی تو یہ دل میں آتی ہے
نکل جاتی مری دیدار کی حسرت بھی ہولی میں
اگر تمکو حیا آتی تھی آنے میں کُھلے بندوں
جنھیں دل توڑنا بھی قمقمے کا توڑ دینا ہے

تو آنکھوں سے لہو کیوں ہم بہا کر کھیلتے ہولی
اگر ہمکو وہ اپنے گھر بلا کر کھیلتے ہولی
تو قصّہ ہم جُدائی کا سُنا کر کھیلتے ہولی
اگر وہ خاک ہی اُن پر اُڑا کر کھیلتے ہولی
وہ ہم سے رُوٹھتے تو ہم منا کر کھیلتے ہولی
کسی سے ہم بھی اپنا دل مِلا کر کھیلتے ہولی
اگر وہ چاند سا چہرہ دکھا کر کھیلتے ہولی
تو دل میں چھُپ کر آنکھوں میں سما کر کھیلتے ہولی
وہ ہم سے کیوں ہمارا دل بڑھا کر کھیلتے ہولی

نہ پینا بھی تمھارا مہر ہولی میں نہیں اچھا
اگر پیتے۔ تو اُن سے پی پلا کر کھیلتے ہولی

یہ دل ہے!۔ تو وفا کس دل سے ہوگی
رواں وہ تیغ پھر مشکل سے ہوگی
دلِ بسمل کہیں گے حال تیرا
بڑی مشکل سے وہ ہم سے کھُلیں گے
تمھیں سوچو کسی کے دل کو کیونکر
کرے کیا کوئی جنت کی تمنا
گلہ مجھ ناتواں سے خاک ہوگا
مرادل لے کے کوئی پوچھتا ہے

جفا بھی آپ سے مشکل سے ہوگی
جو بسمل حسرتِ بسمل سے ہوگی
اگر کچھ گفتگو قاتل سے ہوگی
یہ مشکل حل بڑی مشکل سے ہوگی
تسلّی وعدۂ باطل سے ہوگی
وہ کب اچھی تری محفل سے ہوگی
فغاں بھی ضعف میں مشکل سے ہوگی
طلب اِس دل کی اب کس دل سے ہوگی؟

رہے گی جان جبتک میرے دل میں
جو پوری ہو گی میری کوئی حسرت

جفا پر بھی وفا قاتل سے ہو گی
بڑی دقت - بڑی مشکل سے ہو گی

دکھایا قہرؔ نے دل - تو وہ بولے
اجی - توبہ! وفا اِس دل سے ہو گی!!

بڑا ہے وار اوچھا پھر بھی یہ صورت ہے بسمل کی
تڑپ کر رہ رہا ہو وہ بلائیں دستِ قاتل کی

مجھے تصدیق ہو کیونکر تمھارے عہدِ باطل کی
نکالی ہے کبھی تم نے تمنا بھی مرے دل کی

جو آسانی نظر آئی کچھ اُس کو میری مشکل کی
وہیں گردن پہ فوراً گر گئی تلوار قاتل کی

یہ مانا غرقِ دریائے غمِ الفت ہوں میں لیکن
لگی رہتی ہے میرے دم قدم سے خاک ساحل کی

جو اپنی شکل دیکھی تھی تو یہ بھی دیکھ لینا تھا
کہ آئینے میں کیا صورت ہوئی مدِ مقابل کی

نکالو تم اگر تو کیا نکلنا اِس کا مشکل ہے
تمنا میں تمنا ہے تمنا بھی کوئی دل کی

خدا جانے اثر کیا تھا نگاہِ یاسِ بسمل میں
بڑھی - بڑھکر چلی - چل کر رُکی تلوار قاتل کی

مُقابل ہو کے تابِ رُخ سے ڈالے داغ چہرے پر
تری صورت نے کیا صورت بگاڑی ماہِ کامل کی

یہ آتے آتے آئے گی - یہ آتے آتے آئی ہے
نہیں سہے آپ کو پہچان ابھی اچھے برے دل کی

پڑیگا سابقہ اُس روز کتنے دادخواہوں سے
کہیں محشر میں نیچی ہوں نہ آنکھیں میرے قاتل کی

بتاؤ کون ہے کس نے تمھیں میری طرح چاہا؟
وہ کس نے بات حاصل کی؛ جو میں نے بات حاصل کی

شبِ غم جان دیکر بھی - نہ چھٹکارا مِلا غم سے
بڑھی اِک اور یہ حسرت کہ دل میں رہ گئی دل کی

اِسی کو دیکھ کر بہلائے گا دل قبر میں مجنوں
کوئی رکھدے کفن میں کھینچکر تصویر محمل کی

یہی گردش اگر قایم ہے دُنیائے محبت میں
رہے گی آسماں بنکر زمیں بھی کوئے قاتل کی

سوالِ وصل پر جھنجلا کر اُس نے کہدیا مجھسے
کبھی پوری نہ ہو گی یہ تمنا آپ کے دل کی

پہونچنا قبر تک مشکل تھا مجکو تو - مگر قاتل
ترے خنجر نے کی ہے راہ آساں پہلی منزل کی

جگہ دیتا ہے کوئی یوں نظر میں شرم و شوخی کو
کبھی یہ اُس میں داخل کی کبھی وہ اس میں شامل کی

جہاں ہو مہر غیروں پر وہاں ہم قہرؔ کیوں جائیں
جسے ہو گی اُسے ہو گی تمنا ایسی محفل کی

یونہیں جو مری شورشِ فریاد رہے گی
آگے ترے اگر تری بیداد رہے گی

تم بھول کے بھی مجکو نہ بھولوگے۔ بجا ہے
کچھ یاد رہی ہے مری! کچھ یاد رہے گی!!

دُنیا نہ مِٹے گی یا اِسے ہم مان لیں کیوں کر
کیا وہ تری محفل ہے جو آباد رہے گی

سر کاٹ کے قاتل نے یہ اِحسان جتایا
اَب جان تری رنج سے آزاد رہے گی

کیا غم ہے جو نالوں سے فلک ٹوٹ پڑیگا
مشہور تو دُنیا میں یہ اُفتاد رہے گی

تم قتل مجھے کر کے بہت یاد کروگے
جب میں نہ رہونگا تو مری یاد رہے گی

کھنچ جائے گی شوخی بھی کسی شوخ کی جس میں
کاغذ پہ وہ تصویر نہ بہزاد رہے گی

تنہا نہ لڑیں گی سرِ محفل وہ نگاہیں
کچھ ناز کی۔ انداز کی اِمداد رہے گی

وہ کہتے ہیں محشر میں اِسے کون سُنے گا
تجکو ہی مبارک تری فریاد رہے گی

تم حشر میں سُننا اِسے اللہ کے آگے
دلچسپ نہایت مری رُوداد رہے گی

لو۔ مہرؔ کو اِتنی بھی نہیں جان کی پروا
یہ شاد رہے گی۔ کہ یہ ناشاد رہے گی

نہ سہی لُطف و عنایت ستم و جَور سہی
اور جو یہ بھی نہو تم سے۔ تو کچھ اَور سہی

وعدۂ قتل کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے
جان لینی ہے۔ تو لے لو۔ ابھی فی الفور سہی

خوگرِ غم کے لئے غم ہی کی تخصیص نہیں
کوئی آزار سہی۔ رنج سہی۔ جَور سہی

شاد و ناشاد اُٹھایا غمِ دل۔ دردِ فراق
جو پڑی مجھپہ مصیبت وہ بہَر طَور سہی

ماجرائے غمِ فرقت پہ وہ فرماتے ہیں
سُن چکے ہم یہ کہانی۔ کوئی اب اَور سہی

تمکو آتا جو نہیں لُطف و عنایت میں مزا
پھر وُہی ظلم سہی مجھپہ۔ وُہی جَور سہی

لے وفا کرنے کی اب ہم بھی قسم کھاتے ہیں
جو ترا ڈھنگ ہے۔ اپنا بھی وہی طَور سہی

مہرؔ موجود ہے سَو دل سے اُٹھانے کے لئے
روز اِک تازہ ستم۔ روز نیا جَور سہی،

یوں بھی پردے سے جھلک تم سے دکھائی نہ گئی
آتشِ حُسن سے آگ اُسکو لگائی نہ گئی

اور تو آپ کی رفتار سے تھی کیا اُمید
میرے کوچے میں قیامت بھی اُٹھائی نہ گئی

مجھکو کیا نفع ہُوا روزِ جزا سے یا رب
میرا جھگڑا نہ چُکا۔ اُن کی لڑائی نہ گئی

کچھ کہا میں نے تو بَل تم نے جبیں پر ڈالے
ناک بھوں غیر کی باتوں پہ چڑھائی نہ گئی

کہیں معشوق کو عاشق بھی سزا دیتے ہیں
شمع محفل میں پتنگوں سے بجھائی نہ گئی

کوئی نالہ نہ کیا۔ کی یہ بھلائی میں نے
پھر بھی اے چرخ ترے دل سے بُرائی نہ گئی

میری تُربت پہ تو اگر وہ چڑھاتے چادر
اِتنی تکلیف مگر اُنسے اُٹھائی نہ گئی

دل مِلا لیتے ہیں کیونکر ترے دل سے دشمن
ہم سے تو آنکھ سے بھی آنکھ مِلائی نہ گئی

وہ نہ آتے مری تسکین تو کچھ کر جاتے
اُنسے جھوٹی بھی قسم عہد پہ کھائی نہ گئی

ہم تو دیدیتے اُسے ایک ہی غمزے کی عِوض
جنسِ دل آنکنے والے سے چُکائی نہ گئی

سوزشِ داغِ محبّت نہ مٹی رونے سے
دیدۂ تر سے لگی دل کی بُجھائی نہ گئی

یوں تو معشوق ہزاروں نظر آئے ہمکو
تجھ میں جو بات ہے وہ ایک میں پائی نہ گئی

قہر کے آگے اُسے دیتے ہو کیوں جامِ شراب
سنکھیا گھول کے دشمن کو پلائی نہ گئی

ڈھیٹ پھر ڈھیٹ بھی ایسی کہ جب آئی نہ گئی
ٹل گئے آگے سے مرے شامِ جُدائی نہ گئی

لب پہ حسرت دلِ بیتاب کی لائی نہ گئی
جو سُنانی تھی وُہی اُن کو سُنائی نہ گئی

جو مُصیبت دلِ غمدیدہ پہ گزری شب غم
اُن سے دیکھی نہ گئی ہم سے دکھائی نہ گئی

جب ہُوا سامنا۔ تو ہوش اُڑائے تُونے
کبھی بیکار تری جلوہ نمائی نہ گئی

تم نے محفل میں مرا دل تو چُرایا سَو بار
آنکھ لیکن کبھی غیروں سے چُرائی نہ گئی

کچھ نہ پہونچے تو یہ گر پڑکے فلک تک پہونچے
نارسائی میں بھی نالوں کی رسائی نہ گئی

ہجر میں گرم تھی کیا موت کے آنے کی خبر
میں تو سمجھا کہ اب آئی ۔ مگر آئی نہ گئی

قتل ہونے کے لئے ہم تو مرے بیٹھے تھے
قتل پر آپ سے تلوار اُٹھائی نہ گئی

آنکھ لگتی ہے تو کیا نیند بھی اُڑجاتی ہے
آنکھ جس دن سے لگی۔ آنکھ لگائی نہ گئی

لے گئی دل کو اُڑا کر کسی ظالم کی نگاہ
ہم سے دو روز بھی خیر اپنی منائی نہ گئی

ہو کے برباد بھی ہم وضع کے پابند رہے
اُڑ گئی خاک۔ مگر خاک اُڑائی نہ گئی

ہوش لاکھوں کے اُڑے۔ پھر وہی جلوہ ہے ترا
ہوش کے ساتھ کبھی ہوش ربائی نہ گئی

یوں تو ہیں قہرؔ بڑے بات بنانے والے
جب وہ بگڑا تو کوئی بات بنائی نہ گئی

عیش میں بھی دلِ مغموم کا عالم ہے وہی
ناتواں وہ ہوں کہ جینا بھی ہے دشوار مجھے
جو ترے درد سے بھر آئے۔ جو ہو درد بھرا
رنج کے بعد زمانے کو خوشی ہوتی ہے
سیکڑوں قتل کئے اِس نے ہزاروں بسمل
خُلد کیونکر نہ کہوں کوئے بُتاں کو واعظ
باوفا ایک ہزاروں میں ہُوا کرتا ہے
چارہ گر دردِ محبت نہ مٹے گا ہرگز
عُمر بھر جس کو کلیجے سے لگائے رکھوں،
اپنا ایمان تو اے حضرتِ زاہد یہ ہے
جھوٹ سچ کوئی اُڑا کر مرے مرنے کی خبر
عیش کے واسطے تخصیص کسی کی کیا ہے
آپ رندوں سے اُلجھ پڑتے ہیں واعظ ناحق
کب مِٹا گردشِ افلاک سے ہنسنا۔ رونا
کھُپ گئی آنکھوں میں۔ کیا نوک پلک پائی ہے
چارۂ زخمِ محبت کوئی ہو سکتا ہے

وصل کا دن ہے۔ مگر رنجِ شبِ غم ہے وہی
اور مرنے کے لئے دل ہے وہی دَم ہے وہی
دلِ پُرغم ہے وہی۔ دیدۂ پُرنم ہے وہی
مجکو ابتک دلِ مرحوم کا ماتم ہے وہی
پھر بھی قاتل تری تلوار کا دم خم ہے وہی
آدمی جس میں نہو جنبشِ آدم ہے وہی
آپ کو جسکی ضرورت ہے سِوا کم ہے وہی
نام ہے جس کا دوا۔ حق میں مرے سَم ہے وہی
جو مرے دل سے جُدا ہو نہ کبھی غم ہے وہی
تشنۂ مے جو رہے تشنۂ زمزم ہے وہی
لوگ روتے ہیں۔ تو کہتا ہے "یہ غم ہے وہی"
مَے و معشوق میسّر ہو جسے جَم ہے وہی
آپ کی بات بھی اے قبلۂ عالم۔ ہے وہی!
خندۂ گُل ہے وہی۔ گریۂ شبنم ہے وہی
تیری تصویر میں بھی حُسن کا عالم ہے وہی
وہی تیزاب ہے اِسکے لئے مرہم ہے وہی

قہرؔ سا کوئی نہیں تیرے وفادار وں میں
دم غنیمت جو کسی کا ہے۔ تو اِک دَم ہے وہی

اُف۔ وہ عالم کہ ہو مُنھ پھیر کے بیٹھا کوئی
اور کہتا ہو اِدھر اپنی تمنا کوئی
پردہ داری کا پھر اے عشق نتیجا کوئی
پردے پردے ہی میں ہو جائے جو رُسوا کوئی

بزمِ دشمن کا تصور ہے جو تنہائی میں
خلوتِ ناز میں ہے انجمن آرا کوئی

نگہِ شوق کو یہ ہے وہمِ نظارہ تلاش
کہ نظر آئے اُسے تم سے بھی اچھا کوئی

یہ تو معلوم نہیں مجھکو جنوں ہے۔ کیا ہے
لئے جاتا ہے مگر جانبِ صحرا کوئی

ہے یہ حسرت اسی حسرت میں نکالوں ارماں
دل میں رکھنے کی نکل آئے تمنا کوئی

سارے بازار میں اِک تو ہی نظر آتا ہے
ہوں جو دس میں تو لے چھانٹ کر اچھا کوئی

ہم تو سمجھیں گے ہوئی عشق کی معراج نصیب
آسماں تک جو پہونچ جائے گا نالا کوئی

یوں سنوں خسرو و جمشید کے قصّے کیا خاک
سامنے رکھدے مرے ساغر و مینا کوئی

غیر کے واسطے ارمان تھیں کیوں دیدوں
اپنی دولت کو اٹھاتا نہیں بیجا کوئی

دیکھنے کو مری آنکھوں نے بہت دیکھا ہے
نہیں دیکھا نہیں دیکھا مگر اُن سا کوئی

موت آجائے ابھی مرے اس مرنے کو
دوشِ نازک پر اٹھاتا ہے جنازا کوئی

گل جو بلبل کے ہیں۔ تو شمع کے پروانے ہیں
ہے ترا بھی کہ نہیں اے دلِ شیدا کوئی؟

تم سے کہتا جو نہیں کچھ یہ تمھارا منھ ہے
ورنہ کیا منھ میں زباں بھی نہیں رکھتا کوئی

اے فلک دے مجھے آزار زمانے بھر کے
دیکھ رہجائے نہ باقی تری ایذا کوئی

جلوۂ حسن میں کیوں انجمن آرائی ہو
اپنا دیدار دکھائے ہمیں تنہا کوئی

دے چکے پھر اُسے دل تو تقاضا کیسا
دی ہوئی چیز کو واپس نہیں لیتا کوئی

ردیفِ یاے مجہول

اِن بتوں کا جو مجھے شیوۂ بیداد آئے
یوں انھیں میں بھی ستاؤں کہ خدا یاد آئے

اپنے آزارِ گزشتہ جو ہمیں یاد آئے
شاد ہو کر بھی کسی بزم سے ناشاد آئے

ظلم کی اُنکے یہ شہرت ہے جدھر جاتے ہیں
انگلیاں اٹھتی ہیں وہ بانیٔ بیداد آئے!

جی کے بہلانے کو جنت میں تو جاؤں لیکن
کیا کرونگا جو وہاں بھی مجھے تم یاد آئے

کیوں نہ بے چین ہو دل کیوں نہ ہو بیتاب جگر
آنکھ کے سامنے جب حسنِ خداداد آئے

سخت جانوں سے کبھی چل نہیں سکتی اسکی
ہو جو کچھ دم تو ترا خنجرِ فولاد آئے

وہ یہ کہکر مرے دل کو مرے گھر پھینک گیا
اِس نشانی سے بھی کیوں کوئی مجھے یاد آئے

چاہیئے دل کو ترے ظلم کا اتنا تو خیال
تذکرہ کوئی ہو لب پر وہی رُوداد آئے

کھو دیا میں نے خدا جانے کہاں دل اپنا
کوئی کچھ یاد دلائے تو مجھے یاد آئے

تھام لینا مجھے اے حضرتِ دل آپ وہیں
یاد جب کوئی رہِ عشق کی اُفتاد آئے

قابلِ رحم ہے وہ خوگرِ آزار و ستم
نہ فغاں آئے جسے اور نہ فریاد آئے

وہ فغاں کر کے گرے کیوں نہ قیامت برپا
یاد جب قہر کو تجھ سا ستم ایجاد آئے

وہم ہوتا ہے۔ نکلنے کا گماں ہوتا ہے
جو نکلتا ہے وہ ارمان کہاں ہوتا ہے

حالِ فرقت میں ہمارا جو بیاں ہوتا ہے
کب وہاں جا کے وہ قاصد سے بیاں ہوتا ہے

کیوں گرانبار نہو زندہ گنہگار ہے دل
جب گنہگار کا مُردہ بھی گراں ہوتا ہے

بدگماں تیری محبت نے کیا ہے ایسا
دوست پر بھی مجھے دشمن کا گماں ہوتا ہے

دیکھکر حسن کسی کا مری حیرانی سے
جو بیاں ہو نہیں سکتا وہ بیاں ہوتا ہے

نہیں ممکن کہ وہ قاتل ہو مسیحا میرا
آفتِ جاں بھی کہیں راحتِ جاں ہوتا ہے

دلِ ویراں میں وہ اِس ڈر سے نہیں آتے ہیں
جو نہ آباد ہو بھاری وہ مکاں ہوتا ہے

تجھ میں کیا دیکھ لیا اسکو کہے کیا کوئی
کہیں یہ راز زباں سے بھی بیاں ہوتا ہے

قہر کو آپ سمجھتے ہیں جو بندہ اپنا
شکر اس بندہ نوازی کا کہاں ہوتا ہے

شبِ غم میں بھی دیکھوں کیا مری تقدیر پھرتی ہے
دہائی تو تری اے نالۂ شبگیر پھرتی ہے

پھرے ہمسے جو تیری آنکھ چرخِ پیر پھرتی ہے
اب اپنی آہ سے مل کر کہیں تاثیر پھرتی ہے

یہ ہے کس کام کی اس نے اگر جوہر نکالے ہیں
کبھی میرے گلے پر بھی تری شمشیر پھرتی ہے

رہو خاموش تم ذکرِ عدو پر۔ رہ نہیں سکتے
دہن میں تو تمھارے شوخیٔ تقریر پھرتی ہے

دکھائے تو مجھے بہزاد وہ اپنے مرقع میں
مرے دل میں مری آنکھوں میں جو تصویر پھرتی ہے

محبت میں بھی ہیں اچھے برے دن اے دل مضطر
کبھی قسمت الٹتی ہے کبھی تقدیر پھرتی ہے

بتا اے پندگو۔ میرا کلیجا کیوں نہ چھن جائے
جو تیری نئی بات ہر دل میں بنکر تیر پھرتی ہے

قیامت ہے۔ کوئی دیوانہ جیتا ہی نہیں انکا
ادھر وہ مول لیتے ہیں ادھر زنجیر پھرتی ہے

رہی تھی جیتے جی ظالم اٹھانی کیا یہی گردش؟
جو میری لاش اب گھر گھر پئے تشہیر پھرتی ہے

کوئی جب ذکر کرتا ہے کسی کی اچھی صورت کا
مری آنکھوں کے آگے آپ کی تصویر پھرتی ہے

کہیں ہے خون حسرت کا۔ کہیں ہے خون ارماں کا
مزے چکھتی مرے دل میں زبانِ تیر پھرتی ہے

لگا کر تیر تو پھرتا ہے تو پھرنے سے کیا حاصل
کہیں جیتا رہا اِس سے قسمتِ نخچیر پھرتی ہے

الٰہی آج نالہ کس دلِ مضطر سے نکلے گا
کہ گھبرائی ہوئی زیرِ فلک تاثیر پھرتی ہے

ستم تو دیکھ میرے دل میں انکا گھر بنانے کو
ترے تیروں کے شامل حسرتِ تعمیر پھرتی ہے

وہ پلٹیں کس طرح آخر نوشتہ میری قسمت کا
کہیں لکھا بدلتا ہے؟ کہیں تحریر پھرتی ہے؟

ملا رتبہ رہِ غم میں یہ تیرے خاکساروں کو
قدم لیتی ہوئی ہر گام پر توقیر پھرتی ہے

سرِ محفل ادھر وہ بار بار آنکھیں بدلتے ہیں
کلیجے پر ادھر شمشیر پر شمشیر پھرتی ہے

کہوں کیونکر۔ ترے ڈر سے مرے لب تک نہیں آتی
جو کہنی ہے زباں پر ہی دمِ تقریر پھرتی ہے

دمِ رفتار کیوں چلتا ہے تھم تھم کر کوئے دشمن میں
یہ تیرے ساتھ کس کی خاک دامن گیر پھرتی ہے

مری تقدیر سیدھی ہو۔ تو کیا تو پھیر لے آنکھیں
ترا دل بھی جبھی پھرتا ہے جب تقدیر پھرتی ہے

یہ آئی ہے کسی جانباز کے پہلو سے کیا پھر کر
صبا تیری گلی میں آج کیوں دلگیر پھرتی ہے؟

مقدر کی کجی کب مہر مٹتی ہے مٹائے سے
کہیں تقدیر بھی اے بندۂ تدبیر پھرتی ہے

کیوں اثر چھپتا ہے میرے نالۂ شبگیر سے
بچ کے جائے گا کہاں اس آسمانی تیر سے

کیا تماشا ہے کہ جذبِ شوق کی تاثیر سے
تیر آ ملتا ہے اڑ کر سینۂ نخچیر سے

قہر ہے ابروئے پرخم۔ ہے غضب سیدھی نگاہ
جان لینی ہے۔ تو لو اس تیغ سے اس تیر سے

اپنے سائے پر بھی انکو نامہ بر کا وہم ہے،
راہ میں چلتے ہیں وہ بچ بچ کے ہر رہگیر سے

لب بھی ہل سکتے نہیں نظریں بھی اٹھ سکتیں نہیں
ناتوانی میری ظاہر ہے مری تصویر سے

تذکرہ میرے عدُو کا - اور میرے رُوبرُو
دل لگی اچھی نہیں یہ عاشقِ دلگیر سے

اے دلِ بیتاب نالے کر کہ تُو فریاد کر
وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے کسی تدبیر سے

حُسنِ روزافزوں نے تجکو کیا سے کیا کچھ کر دیا
تیری صورت اب نہیں ملتی تری تصویر سے

دشمنوں کو اور جانبازی کا دعویٰ ہو جیسے خوش
جلد لیئے وہ دمِ خنجر اگر آپ کی شمشیر سے

نام لکھوں یا نہ لکھوں خط میں پھر بھی نامہ بر
مجکو وہ پہچان جائیں گے مری تحریر سے

دل میں باقی کیوں رہے پھر قہر کوئی آرزو
اُنکا جلوہ ہی نظر آئے اگر تقدیر سے

دلِ بیتاب پہ غصّہ تو ہزار آتا ہے
پھر بھی پہلو میں اِسے دیکھکے پیار آتا ہے

صبر آتا ہے الٰہی نہ قرار آتا ہے
بیقراروں کو بھی کچھ آخر کار آتا ہے

آج سُنتے ہیں سنبھالی ہے پھر اُس نے تلوار
کس خطاوار کا اب دیکھئے وار آتا ہے

نالہ اِتنا تو شبِ ہجر رسا ہے میرا
کہ فلک پر یہ فرشتوں کو پکار آتا ہے

پُوچھتا ہے جو کوئی حالِ تپِ غم ہم سے
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر کہ بُخار آتا ہے

چاک کرنا فقط آتا ہے گریبانوں کا
یا تجھے اور بھی کچھ جوشِ بہار آتا ہے

کوئی دم بھی مرے قابو میں طبیعت آئے
تو یہ جانوں کہ محبّت میں قرار آتا ہے

اِس طرح ظلم سے ہوتا ہے پشیماں کوئی
میں تو میں داورِ محشر کو بھی پیار آتا ہے

پرتوِ حُسن میں یہ جلوہ گری کا عالم
ہر طرف ہمکو نظر رُوئے نگار آتا ہے

مرنے والوں کی حقیقت اِسے معلوم نہیں
توسنِ عمر تو منزل پہ اُتار آتا ہے

اور تو قہر کے آنے کا سبب کیا ہوگا
لُوٹنے کو تری محفل کی بہار آتا ہے

اب مُلاقات بھی نہیں کرتے
ہم سے وہ بات بھی نہیں کرتے

خاک ہو اُنسے لُطف کی اُمیّد
جو مُدارات بھی نہیں کرتے

اپنے مطلب کے خُوبرو سب ہیں
دے کے دل بات بھی نہیں کرتے

رُخ کو کاکُل سے کیوں چھُپاتے ہو
دن سے یوں رات بھی نہیں کرتے

حسن پر ہیں وہ اِس قدر مغرور — سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتے
کیا وہ دو۔تین چار دن میں عہد — پانچ۔ چھ۔ سات بھی نہیں کرتے
دُوسرا وار اپنے بسمل پر — وہ لگے ہات بھی نہیں کرتے
آپ خوش تو ہمیں کریں گے کیا — رنج کی بات بھی نہیں کرتے
کیا غضب ہے وہ میرے گھر آرام — رات کی رات بھی نہیں کرتے
جو نہیں پُوچھتے ہماری بات — اُن سے ہم بات بھی نہیں کرتے
گالیاں دیتے ہیں وہ دل لے کر — مفت خیرات بھی نہیں کرتے
نہیں رہتے وہ دیدۂ تر میں — گھر کی برسات بھی نہیں کرتے
ابھی نادان ہیں وہ کیا جانیں — چال بھی۔ گھات بھی نہیں کرتے

وقت ہر کام کے لئے ہے قہرؔ
نالے دن رات بھی نہیں کرتے

آہ بھی کر لُوں شبِ غم۔ آہ میں تاثیر ہے — رہ گئی ہے اِک یہی تدبیر پھر تقدیر ہے
پھر چلا کر پُوچھ لینا تیر۔ کیسا تیر ہے — پہلے یہ تو دیکھ زندہ بھی کوئی نخچیر ہے
وہ نہ آئے میری بالیں پر گلہ اسکا نہیں — مجکو تو اپنی قضا سے شکوۂ تاخیر ہے
کچھ کہا قاصد سے۔ کچھ لکھا مرے خط کا جواب — یہ عجب تقریر ہے اُنکی عجب تحریر ہے
خوب تھا بنتی اگر اِنکے لئے اُوپر زمیں — عاشقوں پر جو بلا ہے زیرِ چرخِ پیر ہے
رشک دیکھو اُنسے بہتر ہو اگر اُنکی شبیہہ — وہ اُسے بھی دیکھکر کہدیں یہ کیا تصویر ہے
خاک رکھ چھوڑو دلِ ناکام کی کام آئے گی — خاک کی ہے خاک یہ۔ اِکسیر کی اِکسیر ہے
برق کو روکے گی مرغِ آشیاں کی آہ کیا — یہ ہوائی تیر ہے۔ وہ آسمانی تیر ہے
مَن گیا وہ فتنہ گر کیونکر اِسے سچ مان لُوں — نامہ بر جھوٹا ہے تُو۔ باطل تری تقریر ہے
تیری نظریں ہو گئیں دیوانگی کی چارہ ساز — جو ہے اِنکا تیر وہ میرے لئے زنجیر ہے
نازکی تو راہ میں چلنے نہیں دیتی اُنھیں — وہ سمجھتے ہیں کہ میری خاک دامنگیر ہے
ختم بھی ہو رات تو فرقت میں دل کیا شاد ہو — صبح جس کا نام ہے وہ رنگ کی تغیر ہے

دشمنوں کی جان پر کیونکر گراوں آسماں
خاک میں دل کو ملادیں۔ خاک میں ملجائیں ہم

ہر دعا ہے بے اثر۔ ہر آہ بے تاثیر ہے
اُس سے ملنے کی اگر ہے۔ تو یہی تدبیر ہے

ذرّے ذرّے سے عیاں ہے جلوۂ برقِ جمال
حُسن کی بھی قہر کیا چمکی ہوئی تقدیر ہے

یہ ادا۔ یہہ شان۔ جو چاہے کرے
قتل کے سامان جو چاہے کرے

آپ نکلے یا نکلوائے ہیں
وصل کا ارمان جو چاہے کرے

جان میری آپ لیں یا لے اجل
مُجھپہ یہ احسان جو چاہے کرے

اُس کے ملنے کا یقیں آتا نہیں
عہد یا پیمان جو چاہے کرے

یا جمالِ یار دیکھے۔ آئینہ
یار ہے حیران جو چاہے کرے

وصل کی ہے عشق میں تخصیص کیا
آدمی ارمان جو چاہے کرے

وعدۂ فردا نہیں محشر میں یاد؟
آپکا نسیان جو چاہے کرے

خود رہے دل میں۔ کہ رکھے دل مرا
آکے وہ مہمان جو چاہے کرے

قہر اب اِس در سے اُٹھکر جا چکا
آپکا دربان جو چاہے کرے

عدُو کو بھی جسے سُنکر ملال ہوتا ہے،
وہ اب سے دُور بُرا اپنا حال ہوتا ہے

گلہ بھی عشق میں کرنا محال ہوتا ہے
ہزار قسم کا دل کو خیال ہوتا ہے

ہمیں بھی آرزوئے وصل اُنھیں بھی حسرتِ دل
اِدھر اُدھر سے برابر سوال ہوتا ہے

وہ کس لئے نہ جلائیں فراق میں دل کو
کہ دل ہی میں تو خیالِ وصال ہوتا ہے

نگاہِ بد کے لئے یہہ ذراسی بات نہیں
نظر گُزر کے لئے رُخ پہ خال ہوتا ہے

وہ دل کو مانگتے ہیں مجھ سے عرضِ مطلب پر
جواب دینے سے پہلے سوال ہوتا ہے

سرشکِ سُرخ پہ عشاق ناز کرتے ہیں
یہاں تو اپنا پسینا بھی لال ہوتا ہے

ادا سے چلتے ہیں وہ۔ یہہ بھی دیکھتے جائیں
کہ کس طرح کوئی اب پائمال ہوتا ہے

عدُو سے مِل کے مِلاتے ہیں خاک میں وہ ہمیں
کسی کا وصل کسی کا وصال ہوتا ہے

وہ آکے قہر کی بالیں پہ غیر سے بولے
جو ہم پہ مرتے ہیں اُنکا یہہ حال ہوتا ہے

ترے کوچے میں لے کر ٹھیکیاں ہم جا بجا بیٹھے
ذرا تڑپے۔ ذرا ٹھہرے۔ ذرا اُٹھے۔ ذرا بیٹھے

سرِ بستر فغاں کے ساتھ جسکو غش پہ غش آئیں
وہ بیمارِ محبت ضعف سے کیا اُٹھے۔ کیا بیٹھے

عدو سے لے کر انگڑائی کہا میرے جلانے کو
ہم اب سونے کو جاتے ہیں بس اب ہو بیٹھنا بیٹھے

خدا جانے اثر کیوں اُنکی صحبت کا نہیں ہوتا
تری محفل میں جب بیٹھے ہیں اربابِ وفا بیٹھے

ہمارا دل ہیں دیدہ یہ اچھی سینہ زوری ہے
کسی کا مال جب مٹھی میں آیا تم دبا بیٹھے

یہہ اُٹھنا بیٹھنا ہے کوئی اُٹھنا بیٹھنا اُنکا
جو اُٹھے تو الگ اُٹھے۔ جو بیٹھے تو جدا بیٹھے

جنابِ قہر جوشِ عشق میں یہہ کیا تمھیں سوجھی
تغافل سے کسی کے تنگ آکر زہر کھا بیٹھے

جب سُنے نالے دلِ ناکام کے
رہ گئے وہ بھی کلیجا تھام کے

حالِ دل اُنسے کہا۔ دل تھام کے
یہہ ہوئے دو کام ہم سے کام کے

ہجر کا دن ہو نہیں چکتا تمام
صبح سے لالے پڑے ہیں شام کے

آنکھ کیا جھپکے گی اُسکی طور پر
ہیں نظر میں جسکی جلوے بام کے

حضرتِ زاہد ہوئے مستِ الست
گھونٹ پی کر اُسکے جھوٹے جام کے

نامہ بر کے ساتھ میں بھی ہو لیا
کیا نرالے ڈھنگ ہیں پیغام کے

مفت کا سودا وہ کرتے ہی نہیں
دل بھی بدلے میں لیا دشنام کے

چلتے پھرتے غم سے چھٹکارا ملا
کٹ گئے دن گردشِ ایام کے

پاس میرے جذبِ دل لایا انھیں
نامہ بر طالب ہیں کیوں انعام کے؟

دل کو لے کر کیوں جگر پر ہے نگاہ
یہہ نکمے ہیں ترے کس کام کے

وصل سے ہونگے کسی کے شادکام
پھول ہنستے ہیں چراغِ شام کے

قہر کب ہیں قہر بر در مہ جبیں
یہہ تو دشمن ہیں تمھارے نام کے

ابھی تو جلوۂ دیدار ہی کی حسرت ہے
ہماری جان پر آفت ہے یا مصیبت ہے
بگڑ کے بیٹھے ہیں وہ کیوں بگڑ کے اُٹھتے ہیں
بلا سے اُنکی سہے ظلم کوئی بلا نہ سہے
یہہ کیا کہا کہ سوا میرے کس پر آئے گی
مٹے ہوئے کا نشاں اور پوچھتے کیا ہو
عدو کے قتل کا بیڑا ابھی اُٹھ نہیں سکتا
دل آگیا جو ہمارا بتوں پر اے زاہد
تمھیں نبھاؤ اگر مجھ سے نبھ نہیں سکتی
عدو کو لطف و عنایت کی قدر کیا ہوگی
مرا رقیب تو کوئی نہیں زمانے میں
کچھ آپ ہی پہ نہیں طرزِ دلبری موقوف
دمِ اخیر بھی محوِ خیالِ یار ہیں ہم

وہ سامنے چلے آئیں تو پھر قیامت ہے
جو کچھ ہے حضرتِ دل آپکی بدولت ہے
یہہ پوچھے کون اب اُنسے یہہ کسکی طاقت ہے
کرم کریں وہ انھیں اسکی کیا ضرورت ہے
کسی پر آئے تمھیں کیا۔ مری طبیعت ہے
مٹی مٹی سہی یہہ کس کی ہے؟ میری تربت ہے
یہہ نازکی ہے کوئی۔ یہہ کوئی نزاکت ہے
خدا کی شان ہے۔ یہہ بھی خدا کی قدرت ہے
مجھے نہیں ہے تمھیں تو مری محبت ہے
مجھے تو جور بھی تیرا ہزار نعمت ہے
زمانہ جس پہ فدا ہے وہ کس کی صورت ہے!
ملیں گے سیکڑوں دلبر جو دل سلامت ہے
نہ آئے موت کہ مرنے کی کسکو فرصت ہے

ستم سہے ترے اتنا بھی پھر نہیں کوئی
جنابِ مہر کا دنیا میں دم غنیمت ہے

آہ میری نگہِ یار کے ٹکڑے کر دے
ہم اسیروں کے بھی حصے میں کچھ آجائے بہار
نگہِ شوق سے بیٹھیں گے کہاں وہ چھپکر
آنکھ تم غصے میں نرگس پہ نہ ڈالو۔ دیکھو
اُنکی تیغِ نگہِ ناز جو اُٹھ جائے کہیں
ٹکڑے ٹکڑے کیا غربت میں انھیں نے دامن
عکسِ رُخ پر ترے پڑجائے جو مشتاق کی آنکھ
یا اسے چھوڑ دے لیجا کے چمن میں صیاد

یہہ وہ تلوار ہے تلوار کے ٹکڑے کر دے
اے صبا نکہتِ گلزار کے ٹکڑے کر دے
پردہ کیسا یہہ تو دیوار کے ٹکڑے کر دے
کہیں بیمار نہ بیمار کے ٹکڑے کر دے
ایک ہی وار میں دو چار کے ٹکڑے کر دے
ہمت اے آبلہ ہر خار کے ٹکڑے کر دے
آئینہ چشمِ خریدار کے ٹکڑے کر دے
یا یہیں مرغِ گرفتار کے ٹکڑے کر دے

دل ہے کیا مال جو رکھے گا اُسے قہرؔ عزیز
تیرے سر سے وہ ابھی وار کے ٹکڑے کر دے

دل بھی ہم سے دُور ہے دلبر بھی ہم سے دُور ہے
اور اب اللہ کو کیا جانے کیا منظور ہے

عشق میں ہوگا وُہی جو عشق کا دستور ہے
آدمی کیا کر سکے گا۔ آدمی مجبور ہے

آنکھ سے جب دُور ہوں تو اُنکے دل سے دُور ہوں
دُور ہے وہ دل سے۔ اُنکی آنکھ سے جو دُور ہے

اِسکو حاجت ہے نہ ساغر کی نہ مے کی اِحتیاج
آپکی تو چشمِ میگوں بے پیئے مخمور ہے

کس لئے ملتے ہو مُرجھائے ہُوئے غُنچے کو تم
کیا کسی کمبخت کا یہ بھی دلِ رنجور ہے؟

ایک ہے رُسوائی و شُہرت کی غایت عشق میں
میں جو ہُوں رُسوا بہت۔ تو کیا وہ کم مشہور ہے؟

مر گیا یہ کون اُمیدِ سحر میں جاگ کر
آسماں پر آج جو تارہ ہے وہ بے نُور ہے

اہلِ اُلفت کا کبھی دل رکھ دیا تو کیا کیا
جسکو کہتے ہیں وفا وہ تم سے کوسوں دُور ہے

دل کو زخمی کر دیا تیرِ نگاہِ ناز نے
ہر جگہ اِک زخم ہے۔ ہر زخم میں ناسُور ہے

پھر کہو ناصح نبھے میری تمہاری کس طرح
تمکو جو منظُور ہے۔ وہ مجکو نا منظور ہے

کر کے تم عُذرِ ستم کرتے ہو پھر مجھ پر ستم
یہ نرالا ہے طریقہ۔ یہ نیا دستور ہے

اور کی تو کیا اُسے اپنی بھی کچھ سُدھ بُدھ نہیں
نشۂ جوشِ جوانی میں وہ اِتنا چُور ہے

ہم سے پُوچھو قہرؔ راہِ عشق کی دُشواریاں
منزلیں طے کر چکے ہیں پھر بھی دِلّی دُور ہے

شوخی میں تری طرزِ حیا کو کوئی دیکھے
ٹلتے ہُوئے یوں سر سے قضا کو کوئی دیکھے

آئینے کو رکھ کر قدِ موزوں کے مُقابل
وہ کہتے ہیں اب میری ادا کو کوئی دیکھے

انداز نرالے ہیں۔ نرالے ہیں ترے ناز
دیکھے کوئی شوخی کو۔ حیا کو کوئی دیکھے

بے کیف نہیں زندگیٔ خضر بھی اچھّی
مے دیکھ کے کیا آبِ بقا کو کوئی دیکھے

کس طرح وہ جانیں کہ مری آہ رسا ہے
ممکن نہیں آنکھوں سے ہَوا کو کوئی دیکھے

پہلے تو لیا آپ نے شوخی سے مرا دل
اب اُٹھتی نہیں آنکھ۔ حیا کو کوئی دیکھے

ہے دیکھنے والا بھی کوئی حُسن کا پیدا
کس آنکھ سے اُس ماہ لقا کو کوئی دیکھے؟

صدمے بھی اُٹھائے ہیں۔ جفائیں بھی سہی ہیں ... دل دیکھ کے پھر میری وفا کو کوئی دیکھے
مِلتا ہے محبت کا مزا یا نہیں مِلتا ... پی کر تو ذرا جامِ فنا کو کوئی دیکھے
افسوس مرے مِٹنے پہ کرتے ہیں سب احباب ... اُٹھ سکے بھی تو نقشِ کفِ پا کو کوئی دیکھے

کعبے میں نہیں قہر۔ کلیسا میں نہیں قہر
میخانے میں اُس مردِ خدا کو کوئی دیکھے

تصوّر میں خدا جانے یہ کس کا رُوئے انور ہے ... کہ جسکے حُسن کے اعجاز سے دل حُسن کا گھر ہے
برسنے کے لئے ہر دم اُمنڈ آتے ہیں آنکھوں میں ... الٰہی کیا ہمارے دل میں اشکوں کا سمندر ہے؟
قیامت توڑ تو اُس پر۔ کہ ڈھا ظلم و ستم مجھ پر ... نہ میں ہی تجھ سے باہر ہوں نہ دل ہی تجھ سے باہر ہے
یہ اُلجھائے نہ کیوں اب دل گرفتارانِ اُلفت کے ... کسی کے دوش پر چھوٹی ہوئی زلفِ مُعنبر ہے
عدُو کی جستجو میں تم جو یوں ہر وقت پھرتے ہو ... تمھارے پاؤں میں بھی کیا مری قسمت کا چکر ہے؟
بڑھے کیونکر نہ اسکے دیکھنے کا شوق ہر دل میں ... تمھارے حُسنِ روز افزوں کا شہرہ آج گھر گھر ہے
اِدھر مجکو بھی غش غصّہ اُدھر اُس تُند خُو کو بھی ... جو میں آپے سے باہر ہوں۔ تو وہ جامے سے باہر ہے
کہاں پھیلی نہیں یہ روشنی تیری تجلّی کی ... کہ نُورِ حُسن سے تو خانۂ دل تک منوّر ہے
اِسے لیجائیے پہلو سے۔ اِس میں شوق سے رہیئے ... مرا دل آپکا دل ہے۔ مرا گھر آپکا گھر ہے
ترے کُشتوں کے چہرے کی بحالی تو کوئی دیکھے ... کہ شمعِ زیست گُل ہے۔ نُور پھر بھی اِنکے مُنھ پر ہے

جنابِ قہر راہِ عشق میں چلنا نہیں آساں
یہ وہ رستہ ہے جس میں ہر قدم پر ایک ٹھوکر ہے

ستمگر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستمگر ہے ... جو سیدھی ہو تو ناوک ہے۔ جو ٹیڑھی ہے تو خنجر ہے
وہی شکوہ۔ وہی دھمکی۔ وہی اُلفت۔ وہی سودا ... وہی میں ہوں۔ وہی تم ہو۔ وہی دل ہے وہی سر ہے
کبھی ہاتھوں میں رہتا ہے کبھی رہتا ہے زانو پر ... تمھارا آئینہ بھی اپنی قسمت کا سکندر ہے
جو نظروں میں سما جائے۔ طبیعت جس پر آجائے ... وہی اچھے سے اچھا ہے۔ وہی بہتر سے بہتر ہے
نگاہِ نازِ قاتل کا معمّا حل نہیں ہوتا ... کوئی کہتا ہے ناوک ہے۔ کوئی کہتا ہے خنجر ہے
خدا ہونے کا دعویٰ تو خدائی بھر سے کرتے ہو ... مگر کچھ اپنے بندوں کی بھی فکر اے بندہ پرور ہے

یونہیں ساقی لنڈھائے جا۔ پلائے جا چھکائے جا
چھلکے جاتے ہیں ہم اپنی تپِ سوزِ نہانی سے
وہ ظاہر ہے نتیجہ ہونے والا ہے جو اُلفت کا
خوشی کہتے ہیں کس کو۔ اور راحت کسکو کہتے ہیں
نہ بدلا آج تک عالم نگاہِ نازِ جاناں کا
نہیں ہیں خوابگاہیں بھی تو حُسن و عشق کی یکساں

ترے ہاتھوں میں مینا ہے۔ مرے ہاتھوں میں ساغر ہے
جو دل میں داغ ہے وہ آفتابِ روزِ محشر ہے
ہزاروں رنج و غم میں ایک میری جانِ مضطر ہے
نہ وہ ہمکو میسّر ہے۔ نہ یہہ ہمکو میسّر ہے
فسونگر بھی فسونگر ہے۔ ستمگر بھی ستمگر ہے
یہاں کانٹوں کا بستر ہے۔ وہاں پھولوں کا بستر ہے

اِسے میں کیا بتاؤں قہرؔ دل ٹکڑے کیا کس نے
مرے حق میں تو اُسکی ہر نگاہِ ناز خنجر ہے

تمھیں اِک رُوٹھنے والے نرالے ہو زمانے سے
نہ بارِ غم اُٹھا سر سے۔ نہ سر اُٹھتا ہے شانے سے
نہ آنا اے اجل اِس وقت وہ یہہ کہہ کے بیٹھے ہیں
پتا اپنا دیا تھا بزمِ دشمن کا کہ موت آئی
ابھی دل صاف ہوتا ہے اگر عُذرِ جفا کر لو
گلی کوچ کے دل ملنے کی یاد اُنکو دلاتا ہوں
ہمارے دل کو ناحق دیکھ کر آنکھیں چُراتے ہو
وہ کہتے ہیں کہ عشقِ حُور میں دی تُو نے جان اپنی
وفا کیسی۔ کہاں کی دوستی۔ فرصت نہیں ملتی
قیامت ہو گئی۔ اے دیدۂ تر ڈوب مر جا کر
جو سُننے ہوں تو ہم سے چار حرفِ آرزو سُن لو

نہ ملتے ہو بلانے سے۔ نہ منتے ہو منانے سے
بڑی مشکل ہے یا رب آ گیا ہوں دل کے آنے سے
نہ دم نکلے گا جب تک ہم نہ اُٹھیں گے سرہانے سے
ٹھکانے ہی لگایا مجکو اُس نے اِس ٹھکانے سے
مِٹاؤ تو کدورت مٹ ہی جاتی ہے مٹانے سے
وہ آ بیٹھیں مرے پہلو میں شاید اِس بہانے سے
اِدھر دیکھو تمھارے تیر ہٹتے ہیں نشانے سے
دھری یہہ ایسی تہمت جو نہیں اُٹھتی اُٹھانے سے
ہمیں رونے رُلانے سے۔ اُنھیں ہنسنے ہنسانے سے
وہ کہتے ہیں کہ حاصل کچھ نہیں آنسو بہانے سے
یہی ہے مختصر۔ کیا فائدہ قصّہ بڑھانے سے

تجھے بزمِ عدو میں قہرؔ مضطر کر کے چھوڑے گا
ذرا ڈر اے ستمگر دل جلے کے دل جلانے سے

روز بل کھاتے رہے۔ پیچ پڑھے رہے۔ برہم رہے
یہہ ترا حُسنِ شباب اِتنا تو کم سے کم رہے

ہم سے کب سیدھے تمھارے گیسوئے پُر خم رہے
دم میں جب تک دم رہے۔ تجھ پر یہی عالم رہے

خون رونے میں جو تھا ضبطِ محبت کا خیال
دَم نکلنے کا تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ
جان دیدوں ہیں اگر اُنکے لبِ جاں بخش پر
ہمکو آزادی بھی بخشی تو پَروں کو نوچ کر
قتل ہو کر بھی ترے کُشتوں کو ہے یہہ آرزو
وصل و فرقت میں خوش و ناخوش بسر کی زندگی
جان دے کر بھی حسینوں پر جئے ہم عشق میں

دامنِ مژگاں پہ کچھ قطرے لہُو کے جم رہے
دَم مری آنکھوں میں یارب اور کوئی دم رہے
حشر تک زندہ رہُوں۔ پھر حشر تک ماتم رہے
ہاتھ لا۔ پھڑکا دیا۔ صیاد تیرا دم رہے
راتدن چلتی رہے تلوار۔ گردن خم رہے
جس طرح رکھا ہمیں تُو نے ستمگر۔ ہم رہے
جانستاں ہو کر بھی یہہ ظالم مسیحا دَم رہے

وامق و فرہاد کی تعریف کیوں کرتے ہیں آپ
جان دینے میں جنابِ قہر کس سے کم رہے ؟

یوں مرا دل مائلِ حُسنِ رُخِ جانانہ ہے
کر دیا بیمار اِک عالم کو آنکھوں نے تری
جسپہ مرتا ہُوں نہیں اُسکو ہی میری کچھ خبر
مَے نہیں دیتا۔ نہ دے میری طرف ہی دیکھ لے
اشک پیتا ہُوں چمن کی یاد میں۔ کھاتا ہُوں غم
ہر جگہ ہی یادِ ساقی میں رہا کرتے ہیں مست
ہوش کھوئے ہیں جہاں کے اِسکی تو بیداد نے

شمع وہ محفل میں ہے۔ یہہ شمع کا پروانہ ہے
جسکو دیکھو وہ مریضِ نرگسِ مستانہ ہے
کیا قیامت ہے کہ مجھ سے آشنا بیگانہ ہے
آنکھ کھلی ساقی تری میرے لئے پیمانہ ہے
اب قفس میں یہہ میسّر مجکو آب و دانہ ہے
ہمکو اس سے کیا غرض مسجد ہے یا میخانہ ہے
آسماں چکّر میں ہے۔ گردش میں یا پیمانہ ہے

دیکھنی ہے اُنکو تو دیکھیں وفا وہ قہر کی
اب وفائے وامق و فرہاد اِک افسانہ ہے

فراق میں ہم فغاں کریں گے۔ فغاں نہ ہوگی دعا کریں گے
جو یہہ نہو گی تو وہ کریں گے۔ جو وہ نہو گی تو کیا کریں گے!
کئے کچھ اب تک وفا اُنھوں نے۔ پھر اب وہ آگے وفا کریں گے
بہت سے ایسے ہُوئے ہیں وعدے۔ بہت سے ایسے ہُوا کریں گے
یہہ آپ کیا پُوچھتے ہیں ہم سے۔ کہ آپ اُلفت میں کیا کریں گے

وفا کے سائل۔ وفا کے طالب۔ وفا کے بندے وفا کریں گے
کہیں تو کہنے کو کہہ بھی دیں ہم۔ مگر کہیں بھی تو کیوں کہیں ہم
ہمیں یہ اُمید ہی نہیں ہے کہ وہ ہمارا کہا کریں گے
شباب آیا تو شرم کیسی۔ یہ ہے زمانہ شرارتوں کا
کریں گے شوخی سے اب وہ شوخی۔ حیا سے اب وہ حیا کریں گے
جو آپ کہیں کچھ رقیب تم سے۔ تو اُنکے تم کان کھول دینا
بُرا کہیں گے جو وہ کسی کو۔ تو اپنے حق میں بُرا کریں گے
وہ اُنکا دشمن کے گھر سے آنا۔ یہ چال چل کر مجھے منانا
تمہارا دل تو ہے گھر ہمارا۔ تمہارے دل میں رہا کریں گے
پیامبر ہیں یہ اُنکی گھاتیں۔ سُنی ہیں ایسی ہزار باتیں
"نہ اب کسی سے خفا وہ ہونگے۔ نہ اب کسی کو خفا کریں گے"
یہ دھمکیاں کیا ہیں کیوں ڈریں ہم۔ جو اُنکو کرنا ہو کر چکیں اب
غضب کریں گے۔ ستم کریں گے۔ پھر اور آگے وہ کیا کریں گے
کہا جو اُن سے جفا نہ کرنا۔ تو بولے کیوں مانیں تیرا کہنا
جفا کریں گے۔ جفا کریں گے۔ جفا کریں گے۔ جفا کریں گے
کرم کی اُمید کیا ہو اُنسے۔ ستم بھی کرتے نہیں وہ پورا
جفائیں بھی جو کمی کریں گے۔ وفا کسی سے وہ کیا کریں گے
ہزار کوئی کرے وفائیں۔ ہزار اُنسے نبا ہے کوئی
مگر وہ ہیں ایک ہی جفا جُو۔ کریں گے جب وہ جفا کریں گے

نہیں ہے قہر اُسکی ہمکو پروا۔ دیا ہے دل اتو ہم نے اُنکو۔
بھلا کہیں یا بُرا کہیں وہ۔ جو کچھ کہیں گے سُنا کریں گے

بس فنا بھی دلِ داغدار باقی ہے
یہ اک نشانیٔ رفتارِ یار باقی ہے

خزاں میں بھی وُہی اسکی بہار باقی ہے
مٹا مٹا سا کسی کا مزا رباقی ہے

بِلا کے خاک میں مجھکو ستم کے کیا معنی
تمہارے دل میں ابھی تک غبار باقی ہے

سفید ہو گئیں آنکھیں سحر نہیں ہوتی
الٰہی کتنی شبِ اِنتظار باقی ہے!

مزارِ عاشقِ ناشاد کیوں مٹاتے ہو
مٹے ہُوئے کی یہی یادگار باقی ہے

چلا ہے دل کو اُڑا کر کدھر خدنگِ نگاہ
ابھی جگر بھی تو اُسکا شکار باقی ہے

جفا بھی ہیں نے اُٹھائی ستم بھی ہیں نے سہے
اب اور کیا مرے پروردگار باقی ہے!

خرامِ ناز سے چل کر نکل گیا ہے کوئی
قیامت ایک سرِ رہگزار باقی ہے

جگر میں شدّتِ گریہ سے خون رونے کو
لہُو کہاں مژۂ اشکبار باقی ہے

بُرا ہے دل کا جلانا۔ بُری ہے دل کی تمنا
جتا دیا تمہیں۔ اَب اِختیار باقی ہے

جو دل مٹا تو مٹا۔ غم بھی آرزو بھی مٹی
نہ سوگ ہے نہ کوئی سوگوار باقی ہے

غضب ہے عہدِ وفا کے وفا نہ ہونے پر
تری قسم کا وُہی اِعتبار باقی ہے

بنے گی جان دیے ہجرِ یار میں اے قہر
جو ہے کوئی تو یہی چارہ کار باقی ہے

جب اُس بُتِ ترسا کا دل اِسکے لئے ترسے
کیوں دل کو لگائے نہ رہُوں اپنے جگر سے

ایسا نہ ہو لڑ جائے نظر اپنی نظر سے
آئینہ نہ دیکھا کبھی اُس نے اِسی ڈر سے

جو اشک نکلتے ہیں۔ نکلتے ہیں شرر سے
کیا آگ برستی ہے مرے دیدۂ تر سے

وہ صُبحِ شبِ وعدہ تو دیں آکے تسلّی
سوچیں تو تڑپتا ہے کوئی چار پہر سے

کیا غم ہے اگر مجھ پہ فلک ٹوٹ پڑے گا
واقف تو وہ ہو جائیں گے نالوں کے اثر سے

سر باز بھی مل جائیں گے دُنیا میں ہزاروں
باندھے تو کوئی قتل پہ تلوار کمر سے

جاتا نہیں کعبے کو یہ میں سوچ سمجھ کر
آتا نہیں پھر کر کوئی اللہ کے گھر سے

کیونکر وہ بُری آنکھ تری آنکھ پہ ڈالیں
دشمن کو بھی دیکھیں جو نہ دشمن کی نظر سے

وہ کہتے ہیں ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا
ہم ترک کریں مشقِ ستم آپ کے ڈر سے

نالہ جو کیا میں نے تو کیوں مجھ سے خفا ہو
انسان سے ہوتی ہے خطا چُوک بشر سے

کرتے ہیں جو اَب آپ یہ دیوانوں کی باتیں
کیا آنکھ لڑی قہر کسی رشکِ قمر سے؟

جس وقت گزرتی ہے وہ اِس راہگذر سے
پیدا ہوئی یہہ بات محبت کے اثر سے
پہلے ہی بچانا تھا اِسے تیرِ نظر سے
ہر اشک یہہ کہتا ہے مرے دیدۂ تر سے
ہو جائیں گے سر دے کے سبکدوش کبھی ہم
گلزار ہیں دیکھا ہے کبھی بزمِ عدو میں
ہے وعدۂ فردا سے یہہ اُس شوخ کا مطلب
ہو گی تو بپا ہو گی قیامت ترے گھر میں
کیا کام ہے دنیا میں۔ یہی کام ہے اُنکو
آنے کا نہیں ہے۔ کبھی جانے کی نہیں ہے

چلتی ہے دبے پانو قیامت ترے ڈر سے
دل ہلگیا لڑتے ہی نظر اُن کی نظر سے
اب فائدہ کیا ہائے جگر۔ ہائے جگر سے
چڑھتے ہیں جو نظروں پہ وہ گرتے ہیں نظر سے
اِک روز اُتر جائے گا یہہ بوجھ بھی سر سے
اَب پانو نکالے ہیں بہت آپ نے گھر سے
ملنے کو مرے آٹھ پہر تو کوئی ترسے
جب حشر اُٹھے گا تو اُٹھے گا ترے در سے
ناراض ہُوئے مجھ سے کبھی غیر یہ برسے
وہ محفل دشمن سے۔ شبِ غم مرے گھر سے

اے مہر جسے زلف کی ناگن نے ڈسا ہے
بولا ہے نہ وہ مُنھ سے۔ نہ کھیلا ہے وہ سر سے

اِس ستانے کا اُٹھاؤ گے مزا یاد رہے
نہ رہے یادِ وفا اور جفا یاد رہے
چاہیئے ساتھ تغافل کے لگاوٹ بھی تمھیں
دل کو جب یاد رہے بھولنے والا تجھ سا
اِک ہمیں شکوۂ بیداد نہیں کرتے ہیں
دیکھنا کھیل نہیں ہے مری بیہوشی کا
آپ کہتے ہیں ہمیں آپ نے سمجھا کیا ہے
اِس لئے ہنسکے وہ مُنھ پھیر لیا کرتے ہیں
میں تو کیا بعدِ فنا یاد رہُونگا تمکو
حسرتِ وصل بُری ہوتی ہے اے حضرتِ دل
نہ یقیں آتا ہے مجکو نہ یقیں ہوتا ہے

کہے دیتے ہیں یہہ ہم تم سے بھلا۔ یاد رہے
بندہ پرور یہہ نئی بھول ذرا یاد رہے!
اِک ادا بھولے مجھے ایک ادا یاد رہے
پھر کسے یاد کرے وہ۔ اُسے کیا یاد رہے
غیر بھی آپ سے رکھتے ہیں گلا یاد رہے
ہوش اُڑ جائیں گے اے ہوش رُبا یاد رہے
آپ کو سمجھیں گے ہم روزِ جزا یاد رہے
نہ رہے یاد جو شوخی تو حیا یاد رہے
ہاں رہے یاد تو کچھ میری وفا یاد رہے
کہدیا ہم نے۔ ہمارا یہہ کہا یاد رہے
کہ قیامت میں تجھے عہد ترا یاد رہے

بھول کر بھی جو مرے آگے وہ بُت آئے کبھی
نہ خودی یاد رہے پھر نہ خدا یاد رہے

قہر کو اُسکی جفا۔ اُسکا عتاب۔ اُسکے ستم
عُمر بھر یاد رہی۔ یاد رہا۔ یاد رہے

تری آنکھوں میں آنکھیں کوئی کیا اے فتنہ گر ڈالے
یہ وہ کافر نظر ہے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

ذرا دیکھیں تو کس کی آنکھ کس پر کیا اثر ڈالے
کسی پر ہم نظر ڈالیں۔ کوئی ہم پر نظر ڈالے

ہُوا سے بھی زمانے میں کہیں پتھر پسیجے ہیں
فغانِ بے اثر اُس سنگدل پر کیا اثر ڈالے

تمہارے گوشۂ دامن میں لاکھوں دل ہی کل تک
کہاں ٹپکے۔ کدھر کھوئے۔ کہاں پھینکے۔ کدھر ڈالے

نگاہیں بھی لڑاتے ہیں وہ لڑتے بھی ہیں یہ کہکر
کسی کو کوئی کیوں دیکھے کسی پر کیوں نظر ڈالے

گرائے دل پہ بجلی یا جگر پر۔ دونوں حاضر ہیں
نگاہِ ناز اب جو فیصلہ کرنا ہو۔ کر ڈالے

اگر اُسکو محبت کی نظر کرنی نہیں آتی
بُلا ہے وہ نگاہِ قہر ہی ڈالے۔ مگر ڈالے

ابھی آغازِ اُلفت ہے۔ ابھی سے دل دھڑکتا ہے
خدا جانے یہ کیا آفت ہماری جان پر ڈالے

نگاہِ شوق سے اُنکو کوئی دیکھے بھی تو کیونکر
وہ فرماتے ہیں اندھا ہو اگر ہم پر نظر ڈالے

کبھی تیرِ نظر کی چوٹ اچھی ہو نہیں سکتی
ہمارے زخمِ دل پر ہاتھ کیونکر چارہ گر ڈالے

بُرا ہے عشق کرنا تو خدا سے بھی نہ کرنا تھا۔
ذرا اپنے گریباں میں تو زاہد اپنا سَر ڈالے

ارادہ اُسکا بدلے کیوں۔ مری تقدیر پلٹے کیوں
جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔ جو کرنا ہو وہ کر ڈالے

ہزاروں ہیں حسیں دنیا میں یارب قہر حیراں ہے
جمائے آنکھ کس کس پر وہ کس کس پر نظر ڈالے

یوں تو آنے میں یہاں آپ کی رُسوائی ہے
کیا تصوّر میں بھی مِلنے کی قسم کھائی ہے

کوئی عاشق ہے ترا۔ کوئی تمنائی ہے
تُو وہ معشوق ہے دنیا تری شیدائی ہے

آئے کیا کوئی جہاں ہو یہ ہجُومِ ارماں
خانۂ دل میں نہ خلوت ہے نہ تنہائی ہے

مرنے والے کو جب ارمان نہ مرنے کا رہا
موت کمبخت بھی آئی ہے تو کب آئی ہے

آنکھ کُھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ہم قید ہوئے
کس نے صیّادِ گلستاں کی ہَوا کھائی ہے

قتل وہ ہوتا ہے صحت نہیں ہوتی جسکو
یہ علاج اچھّا ہے۔ یہ اچھی مسیحائی ہے

جان جب تک تھی ترے ہجر میں بیجان رہا
جان جاتے ہی مری جان میں جان آئی ہے

جب کیا شکوۂ دشمن تو برا کیوں مانا
آپ تو مجکو سمجھتے ہیں کہ سودائی ہے

چشمِ عالم نے نہ دیکھا کبھی عالم تیرا
پھر بھی دُنیا ترے جلوے کی تمنائی ہے

پُوچھتا کون یہاں تجکو مگر اے ناصح
طعنے دے دے کے تری عشق میں بن آئی ہے

مِل گئی صدمہ و رنج و غمِ پیہم سے نجات
تیرے بیمار نے تو مر کے شفا پائی ہے

ایسے نازک ہیں وہ ایسی ہے نزاکت اُنکی
کبھی نرگس کو بھی دیکھا ہے تو آنکھ آئی ہے

تیسرا کون شبِ ہجر میں غمخوار بنے
یا تو اک میں ہُوں یہاں یا مری تنہائی ہے

لکھ گیا کوچۂ قاتل پہ یہ مصرع کوئی
"وُہی آئے گا یہاں جسکی قضا آئی ہے"

غیر سے قہر کوئی مِلتا ہے میرے آگے
اِسکو کہتے ہیں ستم۔ یہ ستم آرائی ہے

اُلفت میں اور کیا ہیں طریقے ثواب کے
ارماں نکالئے کسی حسرت مآب کے

پُتلے بنیں وہ کس لئے شرم و حجاب کے
نامِ خدا شباب ہے۔ دن ہیں شباب کے

شکوے اگر کریں بھی تو کس کس کے ہم کریں
تیرے عتاب کے۔ کہ خدا کے عتاب کے؟

دیکھوں بہار خاک جہانِ خراب کی
ساماں سمائیں آنکھ میں کیا بزمِ خواب کے

چھانٹا ہے تُو نے لاکھ میں عاشق کا ایک دل
قُربان جائیے ترے اِس اِنتخاب کے

وصل و فراق یار کے کچھ دن مزے اُٹھائیں
قائل نہیں جو لوگ عذاب و ثواب کے

سوزِ دل و جگر جو ہو اک ساتھ دیکھنا
دیکھو کباب رکھکے برابر کباب کے

بہتر یہ ہے کہ ہم بھی چلیں اے پیامبر
اب منتظر رہیں نہ سوال و جواب کے

کیوں آئینے میں ہمکو دکھاتے ہو چشمِ مست
ہم پینے والے ہیں کوئی ہلکی شراب کے؟

دیتے ہیں مجکو رنج بھی ناصح ملال بھی
میں کیا کہوں جو مجھپہ کرم ہیں جناب کے

بے قہر ورنہ مُنھ پہ کہیں کیوں وہ قہر کو
سب یہ سلوک ہیں دلِ خانہ خراب کے

تیری شوخی جو نہیں تو وہ ادا کونسی ہے
جان لینے کو مری اور قضا کونسی ہے

دیکھ لے۔ جانچ لے۔ پہلو میں ہمارے آکر
دل میں حسرت تری حسرت کے سوا کونسی ہے

وقتِ رخصت وہ خدا کو کہ قضا کو سونپیں
نہیں معلوم مرے حق کی دُعا کونسی ہے

چارہ گر سے ترے بیمار کا درماں کیا ہو
زہر کا کام جو دے ایسی دوا کونسی ہے

دل کا دینا ہے محبت میں کہ دل کا لینا
بیوفا تو ہی بتا اِن میں وفا کونسی ہے

ہم تو اب تک ہیں اُسی حال میں جس حال میں تھے
کیا خبر ہمکو زمانے کی ہُوا کونسی ہے

ہے وفا۔ یا ہے محبت۔ یہ بتا دو مجھکو
میں خطاوار ہُوں جسکا وہ خطا کونسی ہے؟

دامِ گیسو میں نہ کیوں ہو دلِ مضطر پابند
ہے یہی اِسکی سزا اور سزا کونسی ہے

آسماں سے جو کروں بھی تو کروں کیا اُمید
میری آہِ شبِ فرقت ہی رسا کونسی ہے

نیچی نظروں سے بھی دل چھین لیا کرتے ہو
یہ حیا کیا ہے تمھاری۔ یہ حیا کونسی ہے!

جب کہا قہر نے اک بات سُنو۔ تو یہ کہا
بات کچھ اور شکایت کے سوا کونسی ہے

آنکھوں میں اپنی خار نہ کیوں گلستاں لگے
تُو ہی نہ ہو تو خاک طبیعت یہاں لگے

یہ سوچتے ہو کیا کہ یہ کیونکر یہاں لگے
دل سے سناں لگاؤ تو دل پر سناں لگے

کیوں ہجرِ یار میں جلے اہلِ وفا کا دل
یہ آگ ہے جہاں کی آہی وہاں لگے

راتیں سحر ہوئی ہیں اسی انتظار میں
کوئی گھڑی تو آنکھ تری پاسباں لگے

ہر پھر کے ہے ہدف یہی تیرِ نگاہ کا
دل پر نہ اِسکی چوٹ لگے تو کہاں لگے

اِس چال پر تو فتنے یہ تُو نے اُٹھائے ہیں
کیا ہو زمیں جو پاؤں کو اے آسماں لگے

لائے تجھے بھی حسرتِ دیدار کھینچ کر
ہچکی ترے مریض کو جس دم یہاں لگے

اے قہر کیا بجھائیں گے دل کی لگی کو وہ
آنکھوں میں جنکی سوزِ جگر کا دھواں لگے

یہ مانا خوبرویوں کی نظر شمشیر ہوتی ہے
مگر آہِ دلِ عشاق بھی تو تیر ہوتی ہے

مریضِ غم کی سیدھی جب کبھی تقدیر ہوتی ہے
تو یہ چٹکی خاک کی اُسکے لئے اِکسیر ہوتی ہے

نظر آتا ہے مجکو نقش میں بھی حُسن کا عالم
جو کھنچتی ہے تری تصویر وہ تصویر ہوتی ہے

فلک سے پُوچھ لو تم ۔ یہہ فلک تمکو بتائے گا
اُسے تُو صاف کہتا ہی نہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں
جئیں ہم کس طرح اے سخت جانی آبرُو کھو کر
اُسے نا مہرباں دیکھا تو اب وہ مہرباں ہوگا
ستم بھی اُسکے لکھے ہیں کراماً کاتبیں تم نے؟
نِکما کر دیا ایسا ہمیں ناکامئِ دل نے
وہ جب پر اپنے ہاتھوں سے مجھے تعزیر دیتے ہیں
کسی کے پانو میں ہوتی ہے لیکن ضبط کے ہاتھوں
وہ کہتے ہیں سوا تیرے کوئی ہمکو نہ کیوں چاہے
اِسی سے رات دن خلوت میں رونا دل کا رہتے ہیں

فُغاں میں کیا اثر۔ نالے میں کیا تاثیر ہوتی ہے
تری تو نامہ بر اُلجھی ہُوئی تقریر ہوتی ہے
ہمارے سامنے جب غیر کی توقیر ہوتی ہے
جو یہہ سچ ہے کہ اُلٹی خواب کی تعبیر ہوتی ہے
مری تورات دن اِک اِک خطا تحریر ہوتی ہے
نہ اب تدبیر کرتے ہیں۔ نہ اب تدبیر ہوتی ہے
وُہی تقصیر کرتا ہُوں۔ وُہی تقصیر ہوتی ہے
ہماری آہ کے بھی پانو میں زنجیر ہوتی ہے
محبت بھی کہیں اِک شخص کی جاگیر ہوتی ہے!
کہ تنہائی کی مونس اِک تری تصویر ہوتی ہے

عبث اے مہرِ وصلِ یار کی تدبیر کرتے ہو
یہہ ہو جاتی ہے خود۔ بلّے یہ جب تقدیر ہوتی ہے

خاک نکلے مرے ارمان جو مر کر نکلے
اب کہیں آرزُوئے عاشقِ مضطر نکلے
"رازِ اُلفت کو کہو ہم سے"۔ یہہ کیا خوب کہی
کرکے اِنکارِ ستم چُھوٹ گئے روزِ جزا
میری حسرت کبھی نکلی نہ اِسی حسرت میں
سرد آہوں کا مری اُسپہ اثر کیونکر ہو
دیکھتے ہی مجھے ساقی نے چُرائیں آنکھیں
میرے مرنے کو سُنا اُس نے تو یہہ حکم دیا
دل میں ہم یادِ خدا کو بھی جگہہ دیں لیکن
ابھی جا پہنچو۔ ابھی پرکھو۔ ابھی دیکھو اُنکو
اب کوئی دم بھی نہیں چین سے رہتا گھر میں

نکلے پھر بھی نہ نکلنے کے برابر نکلے
بزمِ اغیار میں نکلے کہ ترے گھر نکلے
لب پہ جو آنہ سکے مُنہ سے وہ کیونکر نکلے
تمھیں اچھّے رہے۔ سب سے تمھیں بہتر نکلے
اب تری تیغ کھچے۔ اب ترا خنجر نکلے
جو ہَوَا کھانے بھی پردے سے نہ باہر نکلے
جام نکلے نہ مرے واسطے ساغر نکلے
اِس طرف سے نہ جنازہ کوئی لے کر نکلے
پہلے دل سے تو کہیں وہ بُتِ کافر نکلے
تم تو دم بھر ہی میں اغیار کا دم بھر نکلے
کیا ترے پانو مرے دل سے نکلکر نکلے

غیر کے آگے بدل جاتی ہے چتون کیونکر — میرے آگے تو وُہی قہر کے تیور نکلے
ایک دن بھی نہ اُنھیں گھر سے نکلتے دیکھا — ہم نکلنے کو تو اُس راہ سے اکثر نکلے
بولے وہ دیکھ کے میّت مری افسوس کے ساتھ — "اِس طرح جان کسی کی نہ کبھی پر نکلے"

روز محفل نئی۔ معشوق نئے۔ عیش نیا
اپنی تقدیر کے تم قہرؔ سکندر نکلے

تجھ پہ قربان ہوئی جاتی ہے — جان اب جان ہوئی جاتی ہے
بات تیری نہیں اُٹھتی ہم سے — یہ بھی اِحسان ہوئی جاتی ہے
دلِ دئیے دیتے ہیں تجکو اے زلف — کیوں پریشان ہوئی جاتی ہے؟
میری گردن پہ چھُری تو پھیر دو — مشکل آسان ہوئی جاتی ہے
خانۂ دل میں نئی اِک حسرت — روز مہمان ہوئی جاتی ہے
تم چلے جاؤ تو دل کی بستی — ابھی ویران ہوئی جاتی ہے
کیا کروں ترک بتوں کی اُلفت — میرا ایمان ہوئی جاتی ہے
آئیں تو وہ۔ مری محفل کی ابھی — چوگنی شان ہوئی جاتی ہے
ہجر میں تن سے نکلتی ہی نہیں — رُوح ارمان ہوئی جاتی ہے
دل تو کیا چیز ہے۔ اُس کافر پر — جان قربان ہوئی جاتی ہے
اُف رے اُف جلوہ نمائی تیری — آنکھ حیران ہوئی جاتی ہے!

قہرؔ دل کو غمِ فرقت سے نجات
کوئی آسان ہوئی جاتی ہے؟

جلائے برق یا آندھی اُڑائے اُسکو گلشن سے — نشیمن میں نہیں۔ تو مجکو مطلب کیا نشیمن سے
خبر مجکو بہار آنے کی پہونچی رنگِ گلشن سے — نکالے جب گریباں کے لئے کچھ تار دامن سے
اُٹھایا فائدہ ہم نے رہِ اُلفت میں ہر فن سے — دبائے پانو رہبر کے چُرائی آنکھ رہزن سے
ذرا بچکر چلے کوئی ہماری خاکِ مدفن سے — کہ پھر دامن نہ چھوٹے گی اگر لپٹے گی دامن سے
رہا کیا مجھ سے اِک تو ہی کشیدہ خاطر اے قاتل — تری تلوار بھی کیا کیا کھچی ہے میری گردن سے

ؔ بر غزل حضرت نوح ناروی۔

مجھے جوشِ جنوں ہے ۔ وقتِ وصلِ بلبل و گل ہے
جدا اب کیوں رہے چاکِ گریباں چاکِ دامن سے

کہوں کیا اسکو گزری ہے جو مجھ پر دفن ہو کر بھی
چلا ہوں جس گھڑی منھ پھیر کر وہ میرے مدفن سے

جہاں میں کوئی مجھ سا آشیاں برباد بھی دیکھا؟
نہ دیکھا پھر نشیمن میں نے نکلا جب نشیمن سے

زمانے میں ہوا ہے نام حسن و عشق کا روشن
ہماری آہِ سوزاں سے تمہارے روئے روشن سے

کہیں ایسا نہو چھٹ جائے اس سے بھی مکاں اسکا
چھڑاتا ہے مجھے صیاد کیوں میرے نشیمن سے

یہہ ہے دستِ جنوں کا اور یہی دستِ جنوں اسکا
گریباں کو کوئی رشتہ نہیں اب میری گردن سے

خبر میرے دلِ آشفتہ کی تو کچھ نہیں تم کو
وہ کیا تھا جو ابھی پھینکا جھٹک کر اپنے دامن سے

وہ اے مرگِ محبت خارِ حسرت ہیں مرے دل میں
کہ سبزے کے عوض کانٹے اگیں گے خاکِ مدفن سے

جب انکے روئے گلگوں کا خیال آیا ہے گلچیں کو
تو چھوٹا ہاتھ سے دامن گرے ہیں پھول دامن سے

جگہ کیونکر ملے گی آپ کے کشتوں کو محشر میں
جو ساتھ اک اک کے سو حسرتیں اٹھیں گی مدفن سے

گرے گی اور کیا تیری نگاہِ تیز کی بجلی
گرے گی دل کے خرمن پر اٹھے گی دل کے خرمن سے

وہ مجکو کیوں کریں بیتاب رو کر میری تربت پر
انھیں ڈر ہے تڑپ کر یہہ نکل آئے نہ مدفن سے

ابھی تو میں نے زخمِ دل دکھائے بھی نہیں تمکو
ابھی سے تم نے کیوں آنکھیں چھپالیں اپنے دامن سے

گئے ہیں دیکھکر وہ یوں ہمارے دل کے داغوں کو
کہ جیسے کوئی خوش ہو کر چلا ہو سیرِ گلشن سے

اگر اس سے رہا ہو کر وہاں میں جا نہیں سکتا
کوئی میرا قفس ہی باندھ دے شاخِ نشیمن سے

چڑھا کر پھول تم نے اور احساں رکھدیا مجھ پر
دبا جاتا تھا میں پہلے ہی اپنے سنگِ مدفن سے

تمہارے چاہنے والوں کا مذہب ہی نرالا ہے
نہ انکو شیخ سے نفرت نہ الفت ہی برہمن سے

ذرا در پر کسی کے آرزوئے دید تو دیکھو
لڑی رہتی ہے چشمِ شوق اپنی چشمِ روزن سے

نظر آئے ہیں ٹکڑے دامنِ فرہاد کے کیا کیا
بلا ہے کوہ کا دامن جہاں صحرا کے دامن سے

کہیں پھونکا نہو بعد اسیری آشیاں میرا
الٰہی آج یہہ کیسا دھواں اٹھا ہے گلشن سے!

بتانِ ماہوش کے عشق کا انجام کیا ہوگا
یہہ اے دل تجکو پہلے پوچھ لینا تھا برہمن سے

زمانہ جان دے اس پر خدائی اسکی شیدا ہو
اگر یہہ آسماں سیکھے ستم اس چشمِ پرفن سے

نہیں معلوم مجکو قتل کرکے خوش ہیں کیوں قاتل
لہو رویا ہے خنجر تو لپٹ کر میری گردن سے

ترے گھر کی طرف صیّاد کیا ہم آپ آئے ہیں؟
اسیری کی ہوا ہمکو اُڑا لائی ہے گلشن سے

قیامت آپ کے اِک اِک قدم پر کیوں نہ برپا ہو
خدا رکھے ہزاروں فتنے وابستہ ہیں دامن سے

ابھی شوقِ اسیری ایسی گھبراہٹ کہاں کی ہے
ابھی رخصت تو ہونے دے مجھے یارانِ گلشن سے

عبث شاداب ہو رہا ہے خونِ عاشق اس سے اے قاتل
یہ دَھبّا مِٹ نہیں سکتا ترے خنجر کے دامن سے

چمکتے ہیں مرے داغِ جنوں خورشید بَن بَن کر
شبِ دیجورِ غم بھی کم نہیں کچھ روزِ روشن سے

ترا ثانی یہاں تک رشک سے دیکھا نہیں جاتا
کہ مر کر بھی تو میں جلتا ہوں اپنی شمعِ مدفن سے

وہ جب تک سامنے تھا اُسکے آگے چُپ نہ ہوتا تھا
بھلا اے مہرؔ اب کیا فائدہ نالے سے شیون سے

دم نکلتا ہے لبوں پر جان ہے
پھر بھی مرنے کا مجھے ارمان ہے

آج ہے اقرار کل پیمان ہے
ٹالنے کا یہ طریق آسان ہے

واہ ایسی چیز ہم دیدیں تمھیں
دل نہیں ہے۔ یہ ہماری جان ہے

دل میں رہنے کو ہزاروں ہوں تو کیا
جو نکل جائے وُہی ارمان ہے

کس قدر ہے رشک تیرے عشق میں
مدعی انسان کا انسان ہے

جب سے میرا دل کسی پر ہے فدا
ناک میں دم ہے غضب میں جان ہے

مثلِ سنگِ در نہیں ٹلتا کبھی،
کیا کوئی پتھر ترا دربان ہے

آئے ہو دشمن کو لے کر اپنے ساتھ
یہ کوئی احسان میں احسان ہے

سیکڑوں نکلیں۔ ہزاروں رہ گئیں
دل ہمارا حسرتوں کی کان ہے

شکوۂ بیداد پر بولا وہ شوخ
جی بجا ہے دل لگی آسان ہے!

مہرؔ کی اُلفت کو کیا سمجھے ہو تم
تم پہ وہ سو جان سے قربان ہے

خارِ حسرت کی کھٹک ہر آن ہے
کیا یہ تیرے تیر کا پیکان ہے؟

دل لگی اے دل کوئی آسان ہے
اِس میں پہلے جان کا نقصان ہے

رہ نہیں سکتا کبھی خالی یہ دل
تو نہیں ہے تو ترا ارمان ہے

آپ سے جو کچھ کہا اغیار نے
اِفترا ہے جھُوٹ ہے۔ بُہتان ہے

جن سے خنجر بھی نہ سنبھل سکتا نہیں
اُنکو میرے قتل کا ارمان ہے!

فکرِ دُنیا۔ خوفِ عقبیٰ۔ عشقِ یار
سیکڑوں غم ہیں اکیلی جان ہے

اُس لبِ جاں بخش پر مر جائیے
زندگی کا اور کیا سامان ہے

نکلیں اب نالے جگر سے کس طرح
تیر تیرا حلق کا دربان ہے

مُجھ سے پُوچھا میرے دل کا ماجرا
بندہ پرور آپ کا اِحسان ہے

عشق پر چلتا نہیں حُکمِ خزاں
اِس چمن کا پھُول نافرمان ہے

آپ بھی ملیئے کسی دن قہر سے
سیکڑوں ہیں ایک ہی انسان ہے

جان کر تجھکو جفا کار وفا کی میں نے
جو خطا کی نہیں جاتی وہ خطا کی میں نے

عشق میں بیٹھ گیا دل تو تعجب کیا ہے
سختیاں بھی تو اُٹھائی ہیں بلا کی میں نے

یوں مرے دل پہ جفا بھی نہیں تم کرتے ہو
جس طرح تم سے محبت میں وفا کی میں نے

اُف رے ناکامیِٔ قسمت نہوئی وہ بھی قبول
اپنے مرنے کی شبِ غم جو دُعا کی میں نے

آپ خنجر تو اُٹھائیں! ۔ مجھے تعزیر تو دیں!!
اب نہیں کی ہے خطا۔ تو کبھی خطا کی میں نے

چارہ سازوں سے ہوئی جان چھُڑانی مشکل
دلِ بیمار کی اچھّی یہ دَوا کی میں نے

حسرتِ قتل میں وہ لذّتِ آزار ملی
کہ تہِ تیغ بھی جینے کی دُعا کی میں نے

تم نے بیداد نہ کی۔ میں نے ستایا تم کو
یوں سہی۔ تم نے وفا کی ہے جفا کی میں نے

آنکھ کیوں عشقِ بُتاں کرکے چُراؤں زاہد
کوئی چوری تو نہیں کی ہے خدا کی میں نے

جان لے کر بھی کسی دن مرا دل رکھتا ہے؟
پھر وہ کس مُنہ سے یہ کہتے ہیں "وفا کی میں نے"

اُنکی صورت تو بھلا مجھکو نظر کیا آتی
شکل دیکھی نہ شبِ ہجر قضا کی میں نے

مُجھ سے درباں نے کہا "اور کوئی گھر دیکھو"!
درِ دلدار پہ جا کر جو صدا کی میں نے

قہر۔ یہ اُنکی نئی شرم۔ نئی شوخی ہے
کم نگاہی کو وہ کہتے ہیں "حیا کی میں نے"

مری فغاں سے تو ہجر کی شب۔ اِدھر کی دنیا اُدھر ہوئی ہے
مگر یہ اُن سے بھی کوئی پوچھے اُنھیں بھی اِسکی خبر ہوئی ہے؟
ڈریں پسِ مرگ کس لئے اب۔ کہ عشق میں جیتے جی بھی ہم پر
یہی ستم عمر بھر رہے ہیں۔ یہی جفا عمر بھر ہوئی ہے
جو مہربان تو رہا عدو پر۔ تو مجھ پر اِحسان کیا ہے اسکا
مرے بھی دل پر کبھی ستمگر۔ تری کرم کی نظر ہوئی ہے؟
جدھر پڑی یہ جدھر یہ پہونچی۔ اُدھر اُٹھائے ہیں اِس نے فتنے
ابھی تو اک تو ہی فتنہ گر تھا۔ اب آنکھ بھی فتنہ گر ہوئی ہے
کہاں نہیں کس طرف نہیں اب۔ ترے ستم میرے غم کی شہرت
یہاں ہوئی ہے۔ وہاں ہوئی ہے۔ اِدھر ہوئی ہے اُدھر ہوئی ہے
اب اور الزام کس کو دیں ہم۔ نہ اشک بہتے نہ راز کھلتا
ہماری اُلفت کی پردہ در تو۔ ہماری ہی چشم تر ہوئی ہے
نظر بھی آئی جو دن کی صورت۔ تو یوں شبِ انتظار آئی
سفید آنکھیں ہوئیں جب اپنی۔ تو ہم نے جانا سحر ہوئی ہے
ہمارے آگے جواب جھکی ہے۔ تو کیوں حیا اِسکو ہم سمجھ لیں
لڑی ہے یہ غیر کی نظر سے۔ تری نظر کو نظر ہوئی ہے
یہ پوچھتے کیا ہو مجھ سے اب تم "کہاں سے آتے ہیں ہم بتاؤ"؟
تمھارے جانے کی غیر کے گھر۔ مجھے خبر بیشتر ہوئی ہے
کہی بھی کیا ایسی تم سے اُس نے۔ جو اِس قدر ہے ملال تمکو
بتاؤ تو کچھ ہمیں بھی آخر۔ عدو سے کس بات پر ہوئی ہے؟
جو میری حسرت۔ عدو کی خواہش میں فرق سمجھو تو میں بھی جانوں
تمھیں بھی اِنکی پرکھ ہوئی ہے۔ تمھیں بھی اِتنی نظر ہوئی ہے
کسی کے دیدار کی تمنا۔ ہوئی ہے کیا دل میں آج پیدا

یہاں تو قہر اپنی زندگی ہی۔ اِس آرزو میں بسر ہوئی ہے

وہ دل کو چُراتے ہی لگے آنکھ چُرانے
دل لے ہی لیا اُس بُتِ کافر کی ادا نے
باقی نہ رہی اب اِسے اُلفت کی تمنا
دی حشر میں بے جُرمیٔ قاتل کی گواہی
آنکھوں میں نہیں دل میں نہیں گھر میں نہیں تم
اُمید تو ہے تُو مجھے مِل جائے جو مانگوں
رکھا ہے وہاں میری کدُورت کے سِوا کیا
عُشاق نے پائے درمِ داغ ہزاروں

اِس سے یہی مطلب ہے کوئی جور نہ جانے
اب کیا ہے جو تا کا نگہِ ہوش رُبا نے
وہ ظلم پڑے ہیں دلِ شیدا کو اُٹھانے
آفت کی محبت نے۔ قیامت کی وفا نے
کیا کر لئے اب او کہیں اپنے ٹھکانے؟
کیا کچھ نہ دیا مانگنے والوں کو خدا نے
جاتے ہو دلِ غیر میں کیوں خاک اُڑانے
کیا عشق کی سرکار میں لُٹتے ہیں خزانے؟

جس شوخ پہ جان اپنی نکلتی ہے اُسے قہر
ہم جانتے ہیں۔ وہ ہمیں جانے کہ نہ جانے

ناصح مجھے لُوٹا ہے کسی ہوش رُبا نے
وہ غیر کے ساتھ آئے ہیں مِلنے کے بہانے
چلتے تو ہیں اے دل ترا ہم حال سُنانے
دل ہاتھ پڑا جسکے اُسی نے اِسے لُوٹا
تھی موت ہماری بُتِ کافر کا تغافل
چُھو کر جو چلی باغ میں دامن کو تمھارے
وعدہ تو نہ لُوں اور دل اپنا اُنھیں دیدُوں
مر جاؤں اگر میں تو وہ عاشق مجھے جانیں
وہ آنکھ ہو کیا دل کے مُقابِل جسے ہر بار
جاتے ہو کہاں دیکھ کے زخمِ دلِ پُرخُوں

کیا ہوش سے لُوں کام نہیں ہوش ٹھکانے
مارا ہے بڑا تیر مری آہِ رسا نے
آگے تری قسمت ہے۔ وہ مانے کہ نہ مانے
شوخی کے تو شوخی نے۔ حیا کے تو حیا نے
جب اُس نے بُھلایا تو کیا یاد خدا نے
سَو ناز کئے اپنے مُقدّر پہ صبا نے
کیا خوب۔ زمانے میں ہی تو ہیں سیانے
مارا مجھے بے موت اِسی شرطِ وفا نے
شوخی نے اُبھارا ہو۔ جُھکایا ہو حیا نے
ٹھہرو۔ ابھی ہیں داغِ جگر اور دکھانے

کیا خاک کہے قہر شبِ غم کا فسانہ
اُس شوخ سے۔ سُنتا نہیں جو ایسے فسانے

جو بات ہے بلا کی وہ اُس فتنہ گر میں ہے
رکھا ہی کیا اب اور تمہاری نظر میں ہے
کیا جانتا نہیں ہُوں کہ مدِ نظر ہے دل
پامال کر چکے مجھے۔ اب اُسکو روندیئے
میری طرف ہے اور۔ عدُو کی طرف ہی اور
سمجھاؤں کس طرح دلِ پابندِ عشق کو
کافر تری نظر بھی کہیں کچھ۔ کہیں ہے کچھ
اِس میں حیا کہاں۔ یہہ حیا سے جُھکی نہیں
وہ دن گئے کہ آنکھ سے بہتا تھا خونِ دل
کیون پُوچھتا ہے دردِ محبت کو بار بار

شوخی نگاہ میں ہے شرارت نظر میں ہے
جو تیر ہے وہ تیر ہمارے جگر میں ہے
جس پر تری نظر ہے وہ میری نظر میں ہے
اِک فتنۂ خرام ابھی رہگذر میں ہے
کیا دُوسری نظر بھی تمہاری نظر میں ہے؟
میرے اثر میں ہی کہ وہ اُسکے اثر میں ہے؟
ناوک اگر ہے دل میں۔ تو برچھی جگر میں ہے
شرمِ جفا مگر تری نیچی نظر میں ہے
اب بُوند بھی لہُو کی کہاں چشمِ تر میں ہے
اِس کا علاج کیا دہنِ چارہ گر میں ہے

کیا سمجھے قہر کوئی کسی کی نگاہ کو
ہے آنکھ میں نظر کہ قیامت نظر میں ہی

نظر

ہزاروں ہیں آنکھوں میں گھر کرنے والے
نہیں ایک دو بھی بسر کرنے والے
جو کچھ ہم پہ گزری وہ تُو نے بھی دیکھی!
اِدھر سے نگاہیں اُدھر کرنے والے
جُدائی کی راتیں بسر کر رہے ہیں
جُدائی کی راتیں بسر کرنے والے
مرے بختِ خفتہ کو کیونکر جگائیں
شبِ وصل سو کر سحر کرنے والے
تڑپ جاؤ تم بھی جو دل تھام کر ہم
کریں چارہ نالے اثر کرنے والے
تم اپنی نزاکت سے ہُشیار رہنا
یہہ گیسو ہیں دُہری کمر کرنے والے
طوالت شبِ ہجر کی کم نہ ہو گی
بسر کر ہی لیں گے بسر کرنے والے
کبھی تم سے آنکھیں ملاتے نہیں ہیں
مرے حالِ دل پر نظر کرنے والے
خدا جانے پُورا کریں قول کب تک
یہہ دن رات شام و سحر کرنے والے
مُعافی محبت کی میں چاہتا ہُوں
کریں درگزر۔ درگزر کرنے والے
اِدھر بھی کرم کی نظر ہو کسی دن
کرم کی نظر غیر پر کرنے والے

نہ بیٹھیں کبھی چین سے اپنے گھر میں — الٰہی ہیں ذرہ بہ ذرہ کرنے والے
بُرے حال سے بھی۔ بھلے حال سے بھی — گزر کر رہے ہیں گزر کرنے والے
کوئی طالبِ دید حاضر ہے در پر — خبر اُنکو کر دیں خبر کرنے والے

تجھے۔ قہرؔ دل دے کے دیتا جگر بھی
نظر کیوں چرائی نظر کرنے والے

یہہ ارماں کوئی اب ناوکِ فگن آسان نکلتا ہے — بڑی مشکل سے دل میں ڈوب کر پیکان نکلتا ہے
محبت میں ہیں اِسکی کوششیں بے فائدہ اے دل — کہیں حسرت نکلتی ہے؟ کہیں ارمان نکلتا ہے؟
ٹپکتے ہیں کسی کے ہجر میں کیا ایک دو آنسو — یہاں تو چشمِ تر سے رات دن طوفان نکلتا ہے
اِسے دیکھا ہے ہم نے خوب اپنے دیدہ و دل میں — وہ جب گھر سے نکلتے ہیں وہ گھر ویران نکلتا ہے
نکلتی ہیں عدو کی حسرتیں تو آئے دن کیا کیا — کبھی بھولے سے میرا بھی کوئی ارمان نکلتا ہے
نہ ملتا تھا جسے پانی بھی قاتل تیرے ترکش میں — وہ ناوک میرے زخمِ دل سے خوں افشاں نکلتا ہے
یہہ آخر حال کیا ہے اُنکے بیمارانِ اُلفت کا — سمجھتے ہیں وہ زندہ جسکو وہ بے جان نکلتا ہے
بھلا کیونکر نہ حیرت ہو وہ صورت دیکھکر مجکو — کہ آئینے میں جبکا عکس بھی حیران نکلتا ہے
اِسے وہ غیر سے پوچھیں وہی اِسکو بتائے گا — نکلتا ہے تو کس ارمان سے ارمان نکلتا ہے
تہِ خنجر بھی مانگی ہیں دعائیں میں نے جینے کی — کہیں مجھ سا کوئی بیداد کا خواہاں نکلتا ہے
اُسے بھی لوگ نوکِ خار پر اِک گُل سمجھتے ہیں — جو دل سے کوئی اشکِ خوں سرِ مژگاں نکلتا ہے
تری لکنت مجھے اِسکا یقین آنے نہیں دیتی — کہ ٹکڑے ہو کے مُنہ سے وصل کا پیماں نکلتا ہے

نہ دیکھا قہرؔ نے اِک رات بھی وہ چاند سا چہرہ
نکلنے کو تو یوں اکثر مہِ تاباں نکلتا ہے

تمہارے دشمنوں پر یہہ قیامت کیا گزرتی ہے — کبھی دامن مسکتا ہے۔ کبھی کاکُل بکھرتی ہے
اشارہ کر کے اب چشمِ سخنگو کیوں مکرتی ہے — اُسے آخر ہے ڈر کس کا وہ آخر کس سے ڈرتی ہے
ادا لیتی ہے دل۔ تیغِ ادا دل میں اُترتی ہے — یہہ اپنا کام کرتی ہے۔ وہ اپنا کام کرتی ہے
زباں کیوں شکوۂ آزار و غم کا قصد کرتی ہے — بتائے گا اُسے دل ہی جو کچھ دل پر گزرتی ہے

بُتوں پر ایک لے دے کر ہیں کیا جان دیتے ہیں
نہ سچّی ہے زباں تیری - نہ اچھّی ہے نگہ تیری
مری فریاد کیا دل سے سُنے تو سُن نہیں سکتا
تری تصویر تو مغرور تجھ سے بھی سوا نکلی
کیا وعدہ جو تُو نے حشر کا تو حشر ہوں لاکھوں
تصور ہر گھڑی مجبور ہے گا اچھّی صورت کا
جو دنیا سے نرالی ہے وہ کافر زلف ہے تیری
کسی کو کیا خبر کیا جانے کس کو دل دیا ہم نے
الٰہی کیوں نہ لکھ دی غیر کی قسمت میں وہ تُو نے
نکلنا بحرِ غم کی تہ سے مشکل ہے دلِ محزوں
تمہارے بیقراروں کو سکوں حاصل نہیں ہوتا
تلوّن ہے تری کاکل میں بھی تیری طبیعت کا

زمانہ اِنپہ مرتا ہے۔ خدائی اِنپہ مرتی ہے
یہ وعدے سے پلٹتی ہے - وہ پیماں سے مکرتی ہے
تری زلفِ دوتا ہر وقت تیرے کان بھرتی ہے
نہ میری بات سُنتی ہے - نہ مجھ سے بات کرتی ہے
کہیں اک دن کے ملنے سے طبیعت اپنی بھرتی ہے
نگاہوں کہ جو چڑھتی ہو وہ کب دل سے اُترتی ہے
سنوارے سے بگڑتی ہے۔ بگاڑے سے سنورتی ہے
یہ دُنیا کیوں ہماری عاشقی کو نام دھرتی ہے
تڑپتے لوٹتے جو رات فرقت میں گزرتی ہے
ارے ناداں کہیں ڈوبی ہوئی کشتی اُبھرتی ہے؟
تڑپ اُٹھتا ہے دل جس دم طبیعت کچھ ٹھہرتی ہے
گھڑی بھر میں بکھرتی ہے۔ گھڑی بھر میں سنورتی ہے

لکھوائے مہرؔ تم بھی نوحؔ[1] کے داماد کا سہرا
خوشی کے وقت اظہارِ خوشی مخلوق کرتی ہے

کیا زمیں بگڑی ہے جُھک کر آسمانِ پیر نے
کب دیا مجکو سہارا آہِ پُر تاثیر نے
شرم کا قبضہ ہُوا اُنکی نگاہِ شوخ پر
مُعترض ہیں آپ ناحق جذبِ حُسن و عشق پر
ناخُنِ تدبیر کیا کھولے ترے دل کی گرہ
دل جلوں کی خاک کی تاثیر جاتی ہے کہاں
اِک فقط میں ہی نہیں خاموش اِسکو دیکھکر
اب خطاؤں کے سوا کرتا نہیں ہیں اور کام

نالہ کس دل سے کیا تھا عاشقِ دلگیر نے؟
جو ہُوا تقدیر سے - جو کچھ کیا تقدیر نے
مار ڈالا اُڑک کر اِس چلتی ہوئی شمشیر نے
تیر کو چھوڑا کبھی دل نے کہ دل کو تیر نے؟
یہ تو ہے وہ پیچ جو ڈالا مری تقدیر نے
دل مُسخّر کر لئے اِس سُرمۂ تسخیر نے
کر دیا تصویر تجکو بھی تری تصویر نے
یہ مری عادت بگاڑی لذّتِ تعزیر نے

[1] جناب محمد نوح صاحب نوحؔ رئیس و تعلقہ دار نارہ۔ ضلع الہ آباد۔

منتظر کب تک رہوں تیرا شبِ غم اے اجل — مار ڈالا جیتے جی مجکو تو اس تاخیر نے
قید ہو کر میں زمینِ کوئے جاناں سے چلا — آسماں سر پر اٹھایا نالۂ زنجیر نے
ملکر ان دونوں نے مجکو محوِ حیرت کر دیا — آپ کی تقریر نے اور آپ کی تحریر نے
خاکساری کی بدولت کس قدر پایا عروج — کر دیا انسان کو اکسیر اسی اکسیر نے

قہر وصلِ یار کی تدبیر تو ممکن نہ تھی
مجکو تو اس سے ملایا ہے مری تقدیر نے

غمِ الفت میں اسکو لطف کیا معلوم ہوتا ہے — جو اس سے خوش دلِ درد آشنا معلوم ہوتا ہے
لبِ خاموش ناکامِ دعا معلوم ہوتا ہے — جو یہ سچ ہے تو اپنا خاتمہ معلوم ہوتا ہے
کوئی عاشق کوئی دل سے فدا معلوم ہوتا ہے — جسے دیکھو وہ اسکا مبتلا معلوم ہوتا ہے
جبیں پر اس طرف بل اس طرف ابرو بھی تنتے ہیں — ادھر خنجر۔ادھر خنجر کھچا معلوم ہوتا ہے
قیامت جسکو کہتے ہیں ابھی آئی نہیں جاتی — ترا وعدہ بہت صبر آزما معلوم ہوتا ہے
نظر آتا ہے میرے دل میں ارماں یا نہیں آتا — نہیں معلوم ہوتا تمکو یا معلوم ہوتا ہے؟
خضر کی رہنمائی کیا ہمارے کام آئے گی — وہ راہِ عشق سے نا آشنا معلوم ہوتا ہے
مری آنکھوں نے دیکھی ہے بہت کچھ عشق کی دنیا — خوشی کم اور اس میں غم سوا معلوم ہوتا ہے
عزیزِ دل سمجھتے ہیں ہم انکے دردِ الفت کو — یہ جتنا جانگزا ہے جانفزا معلوم ہوتا ہے
کسی سے عرضِ مطلب بھی ہم اس پہلو سے کرتے ہیں — کہ اک قصہ ہمارا مدعا معلوم ہوتا ہے
ابھی ناخوش۔ابھی خوش پھر ابھی خوش پھر ابھی ناخوش — وہ ظالم ہر گھڑی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے
وہی الفت میں لطفِ دوستی سے خوب واقف ہیں — جنھیں تیرا ستم تیری ادا معلوم ہوتا ہے

اب احساں لینے یا اپنے ستم اٹھواؤ تم اس سے
تمہارے ہاتھ میں دل قہر کا معلوم ہوتا ہے

کوئی جس روز سے ہم سے خفا معلوم ہوتا ہے — زمانے کا ورق الٹا ہوا معلوم ہوتا ہے
انھیں کیوں اس کا سن لینا برا معلوم ہوتا ہے — ہمارا مدعا کب مدعا معلوم ہوتا ہے
کہا جب اس نے دشمن باوفا معلوم ہوتا ہے — یہی کہنا پڑا۔جی ہاں بجا معلوم ہوتا ہے

تری بیداد پر کچھ تو سمجھ کر جان دیتا ہوں
وگرنہ یوں کسے مرنا بھلا معلوم ہوتا ہے

سُنیں کیونکر نہ وہ اپنے ستم کی داستاں ہم سے
گِلوں میں لُطفِ شکوہ نہیں مزا معلوم ہوتا ہے

کوئی دل سا بھی تُو نے سادہ دل دیکھا محبت میں
اِسے تیرا ستم تیری وفا معلوم ہوتا ہے

نمود اپنی نہ تھی مدِّ نظر تو کیوں چھُپا کوئی
ہمیں تو وہ نہایت خود نما معلوم ہوتا ہے

مُقابل اپنے دل کے رکھ کے تم دیکھو مرا دل بھی
یہہ کیا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کیا معلوم ہوتا ہے

کروں میں کس طرح اُس سے گلہ اُسکی جُدائی کا
جو ہو دل میں وہ کب دل سے جُدا معلوم ہوتا ہے

عدُو میں اور اُن میں تفرقہ پڑنا نہیں مشکل
یہہ ملنا بھی کوئی دن کی ہَوا معلوم ہوتا ہے

جُدائی میں یہانتک زندگی سے تنگ آیا ہوں
کہ اب اِسکا وفا کرنا جفا معلوم ہوتا ہے

کوئی کہتا ہے محشر کوئی جنّت اُسکے کوچے کو
مگر مجکو وہ دونوں سے سِوا معلوم ہوتا ہے

سَرِ محشر دکھائے کس نے اپنے داغِ دل اکثر
کہ خورشیدِ قیامت ڈوبتا معلوم ہوتا ہے

محبت میں نہ کھائے جب تک اُس کے ہاتھ سے خنجر
تڑپنے کا کہیں لے دل مزا معلوم ہوتا ہے؟

نہیں معلوم کیونکر قہر نے تیری اِطاعت کی
بظاہر تو وہ دل کا بادشا معلوم ہوتا ہے

وُہی اُسکو بتائے گا وہ کیا معلوم ہوتا ہے
جسے اچھّا بُرا۔ اچھّا بُرا معلوم ہوتا ہے

مرا شُکرِ جفا اُن کو گِلا معلوم ہوتا ہے
وہ اچھّے ہیں کہ اچھّا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

بہت دلچسپ دل کا مُدّعا معلوم ہوتا ہے
نہیں معلوم تمکو کیوں بُرا معلوم ہوتا ہے

عدُو کیا جانے کیوں اُنکو بھلا معلوم ہوتا ہے
ہمیں تو وہ بُرے سے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

جسے عالم کہے اچھّا جسے دنیا کہے بہتر
بُروں کی آنکھ میں وہ بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

اگر جینا نہیں اچھّا تو مرنے کیوں نہیں دیتے
مرا مرنا بھی کیا تمکو بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ میری آرزو سُنکر بگڑتے ہیں۔ اُکھڑتے ہیں
ذرا سی بات پر کیا کیا بُرا معلوم ہوتا ہے

نہیں اُلفت عدُو سے تو عدُو کے ذکرِ اُلفت سے
وہ کیوں چڑتے ہیں اُنکو کیوں بُرا معلوم ہوتا ہے

اِسی ڈر سے کبھی دل کو بھی میں اچھّا نہیں کہتا
کہیں تم یہہ نہ کہہ بیٹھو۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

عیادت بھی مری کرتے ہیں پھر وہ یہہ بھی کہتے ہیں
ترا جینا تو اب ہمکو بُرا معلوم ہوتا ہے

جو طے کرنے ہوں جھگڑے تو کسی دن مِل کے طے کر لو
ہمیں یہہ روز کا قصّہ بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ مُجھ سے پُوچھتے ہیں غیر میں آخر بُرائی کیا
بُرائی اور کیا ہے وہ بُرا معلوم ہوتا ہے

ہمارا حال کب اے چارہ گر اچھّا نظر آیا!
بُرا معلوم ہوتا تھا۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ اچھّا ہے تو اچھّا کیوں نہیں دُنیا کی نظروں میں
بُرا ہے جو وُہی سب کو بُرا معلوم ہوتا ہے

بُرا معلوم ہوتا ہے ستم۔ یہہ سُنکے وہ بولے
چلو جاؤ بھی۔ بیٹھو بھی۔ بُرا معلوم ہوتا ہے!

وہ یوں حالِ دلِ بیمار کو اچھّا کہے جائیں
نگاہیں تو یہہ کہتی ہیں بُرا معلوم ہوتا ہے

بتا ناصح تجھی سے پُوچھتا ہُوں کیا علاج اِسکا
جو اچھّا سب کو ہے مجکو بُرا معلوم ہوتا ہے

مرے دل پر کئے لیتے ہیں قبضہ وہ یہہ کہہ کہہ کر
یہہ اچھّا گھر ہے۔ یہہ خالی بُرا معلوم ہوتا ہے

کبھی اپنے کرم کو بھی شریکِ جور کرنا تھا
کہ یکساں حال تو سبکو بُرا معلوم ہوتا ہے

جو سچ پُوچھو تو دُنیا میں کہاں دل کا سا ویرانہ
مگر وحشت میں یہہ بھی تو بُرا معلوم ہوتا ہے

اِسی سے تو کسی کو نیم بسمل وہ نہیں رکھتے
تڑپنا۔ لوٹنا اُنکو بُرا معلوم ہوتا ہے

خلش میں ہم نے مانا لطف ہے پھر بھی ہمیں دل میں
کھٹکنا خارِ حسرت کا بُرا معلوم ہوتا ہے

جو ہے دل کا تقاضا تو وفائیں پھیر لو اپنی
مجھے اِحسان اوچھے کا بُرا معلوم ہوتا ہے

بظاہر وہ ہمیں معلوم ہوتے ہیں بہت اچھّے
مگر کچھ ہم سے اُنکا دل بُرا معلوم ہوتا ہے

جنابِ قہر ہم کب تک بُرا کہنا سُنیں آخر
بس اب خاموش بھی رہیئے۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

کیا کہیں کیا عشق میں ہم عمر بھر دیکھا کئے
جو دِکھایا دل نے قصّۂ مختصر دیکھا کئے

جو زمانے میں زمانے کی نظر دیکھا کئے
دیکھکر تیری نظر میرا جگر دیکھا کئے

یوں کیا ہم نے تصورِ آپ کا۔ یوں انتظار
جانبِ دیوار دیکھا۔ سُوئے در دیکھا کئے

ہائے اب اُس دل کو ویراں دیکھتی ہے اپنی آنکھ
جس میں ہم برسوں کسی کو جلوہ گر دیکھا کئے

ہجر کی شب دید کے قابل تھا اپنا اضطراب
شام سے اُٹھ اُٹھ کے آثارِ سحر دیکھا کئے

میرا حالِ زار بھی اُنکو تماشا ہو گیا
داغِ دِل دیکھا کئے۔ داغِ جگر دیکھا کئے

اور کیا دیکھا کئے ہم آسماں کو دیکھکر
آہ کی تاثیر۔ نالوں کا اثر دیکھا کئے

کم نگاہی کی شکایت پر شرارت دیکھنا
وہ مجھے آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھا کئے

ہیں زمانے میں اگر تو ہیں وُہی اہلِ نظر
جو نگاہِ غور سے تیری نظر دیکھا کئے

جب نہ کچھ تدبیر سُوجھی جب نہ کچھ دیکھا علاج
مُنھ مرے زخمِ جگر کا چارہ گر دیکھا کئے

دیکھتے رستہ اُنھیں کا ہم یہ ہم نے کیا کیا
بھیجکر خط اُن کو راہِ نامہ بر دیکھا کئے

اُنکو کیا معلوم کیا گزری ہماری جان پر
بزم میں جس دم اِدھر سے وہ اُدھر دیکھا کئے

وہ تو دل تاکا کئے آنکھیں بچا کر بزم میں
اور ہم اُنکی نگاہوں کا ہُنر دیکھا کئے

تھا تصوّر میں جو اُن کا رُوئے روشن رات بھر
قہر اپنے دل میں اِک رشکِ قمر دیکھا کئے

شریر اُنکی نگاہِ شرمگیں معلوم ہوتی ہے
یہ سیدھی ہو کے بھی سیدھی نہیں معلوم ہوتی ہے

نہیں اُنکی یہانتک دلنشیں معلوم ہوتی ہے
وہ ہاں کہتے ہیں جب بھی تو نہیں معلوم ہوتی ہے

کرو معلوم تو کھُل جائے حسرت اہلِ اُلفت کی
نہیں معلوم کرتے ہو نہیں معلوم ہوتی ہے

کہوں کیا صورت آزار و جفا و جور کی ناصح
مری صورت سے کیا تجکو نہیں معلوم ہوتی ہے؟

مٹائے کیا خوشی عہدِ وفا پر عاشقِ مضطر
ترے دل میں بھی پوشیدہ نہیں معلوم ہوتی ہے

ٹپکتی ہے مرے دل کی تمنا میری آنکھوں سے
نہیں معلوم تمکو کیوں نہیں معلوم ہوتی ہے

یہانتک اب مرے دشمن کی اُلفت کا اثر پہونچا
تری صورت۔ تری صُورت نہیں معلوم ہوتی ہے

جنابِ خضر کیوں عمرِ ابد پر جان دیتے ہیں
اُنھیں کیا زندگی اچھّی نہیں معلوم ہوتی ہے

بھلایا کس طرح پھر حُسنِ عالم سوز نے عالم
یہ چنگاری سُلگتی تو نہیں معلوم ہوتی ہے

گُزرتی ہے جو بزمِ غیر میں سب جانتا ہوں میں
تمھیں معلوم ہے مجکو نہیں معلوم ہوتی ہے

کروں اب کس طرح دعوت خدنگِ نازِ جاناں کی
لہُو کی بُوند بھی دل میں نہیں معلوم ہوتی ہے

جنابِ قہر وعدہ تو کیا ظالم نے ملنے کا
مگر ایفا کی صُورت کچھ نہیں معلوم ہوتی ہے

وصل کی رات بھی ارمان نکالے نہ گئے
ہو گئی صبح ترے حیلے حوالے نہ گئے

تیز خنجر مرے دل پر جو سنبھالے نہ گئے
زخم کیا کیا نگہِ ناز سے ڈالے نہ گئے

جب سُنا اِنکو جبھی اُس نے جگر تھام لیا
کبھی خالی دلِ بیتاب کے نالے نہ گئے

مثلِ مُوسیٰ اِنھیں اِرمانِ تجلّیٰ نہ رہا
جانبِ طُور ترے دیکھنے والے نہ گئے

داغ ڈالے گئے تم سے مرے دل میں کیونکر
قبر پر تو کبھی دو پھُول بھی ڈالے نہ گئے

چُبھ گئے پانو میں کانٹے تو نکالے لیکن
خارِ حسرت دلِ مضطر سے نکالے نہ گئے

مِل گئے خاک میں سب اشکِ محبت گر کر
چشمِ تر سے مری یہہ طفل بھی پالے نہ گئے

شبِ وعدہ بھی کٹی۔ روزِ جزا بھی گزرا
حیلہ جُو کے وہ مگر حیلے حوالے نہ گئے

یوں تو دم بھر بھی ٹھہرنا ہے قیامت اُنکو
اُڑ گئے جب مرے دل پر تو وہ ٹالے نہ گئے

رہ گئے ٹُوٹ کے وہ بھی سرِ دشتِ غربت
میرے ہمراہ مرے پانو کے چھالے نہ گئے

داغِ دل۔ دردِ جگر۔ شکوۂ غم۔ رشکِ رقیب
قمرؔ اُس انجمنِ ناز سے کیا لے نہ گئے

بے پر قفس میں۔ باغ میں بے آشیاں رہے
بربادہی جہاں میں رہے ہم جہاں رہے

میں تو وہ ہُوں کہ جب مرے لب پر فغاں رہے
سَو آسماں بھی ہوں تو نہ اِک آسماں رہے

اللہ رے ضبطِ غم۔ نہ کھُلا رازِ غم کبھی
مُنھ میں زبان رکھ کے بھی ہم بے زباں رہے

لی جان تم نے جنکی ہُوئے وہ شہیدِ عشق
حسرت ہے بسملوں پہ کہ یہہ نیم جاں رہے

کیا چھیڑ ہے۔ رہے تو وہ خود بزمِ غیر میں
مُجھ سے یہہ پُوچھتے ہیں کہ کل تم کہاں رہے؟

اچھا ہو دل کے دام جو دل ہی سے پُوچھ لو
میری زباں رہے۔ نہ تمھاری زباں رہے

پھر کوئی کیا دلائے یقینِ وفا اُنھیں
سر کاٹ کر بھی جب ہَوسِ امتحاں رہے

کس کو خبر ہے اُٹھکے یہہ نیچی نظر تری
دل میں نہاں رہے۔ کہ جگر میں نہاں رہے

آئے گا دَورِ چرخ سے ایسا بھی ایک دن
جب مجُھپہ مہرباں کوئی نا مہرباں رہے

پُوچھیں جو مجھ سے وہ۔ رہے تیرِ نظر کہاں؟
میں دل پہ ہاتھ رکھکے یہہ کہہ دُوں یہاں رہے

ٹکڑے اُڑیں جگر کے کہ ہو پاش پاش دل
کچھ ہو تمھاری تیغ مگر خُوں چکاں رہے

نکلی جو سوزِ دل سے شبِ غم وہ آگ تھی
یونتو کئی پہاڑ بھی آتش فشاں رہے

دینے نہیں جو آپ ہی دل میں اُسے جگہہ
پھر کہیئے قہرِ بے سروساماں کہاں رہے؟

ہم رہ گئے نظر کو جگر میں لئے ہوئے
تھی میری خاک ہی جو اُڑا ئی تو اے صبا
دیکھوں ۔ اِدھر تو دیکھو۔ مرا دل نہو کہیں
برسوں کسی کا شوقِ نظارہ بھرا کیا
تیرے مریضِ عشق کی ہے بس وُہی دوا
اے درد جگولے کے وہاں کس طرح چلوں
دیکھو عُدو کو شوق سے ۔لیکن یہہ شرط ہے
تم چلتے وقت پانو تو رکھو زمین پر

چلتے ہُوئے وہ دل کو نظر میں لئے ہُوئے
پھرتی کسی کی راہ گذر میں لئے ہُوئے
ہے کچھ تمھاری آنکھ نظر میں لئے ہُوئے
میری نظر کو روزنِ در میں لئے ہُوئے
تاثیر زہر ہو جو اثر میں لئے ہُوئے
دل ہیں لئے ہُوئے ۔ کہ جگر میں لئے ہُوئے؟
میری نظر کو اپنی نظر میں لئے ہُوئے
پھرتے رہو عدو کو سفر میں لئے ہُوئے

کیا بد گمانیاں ہیں کہ خود بھی چلے ہیں قہر
ہمراہ نامہ بر کو سفر میں لئے ہوئے

(ردیف النون)

اُٹھائیں وہ قیامت کیوں نہ پھر مستانہ چالوں سے
صبا یوں چھیڑ کرتی پھر نہ ہم آشفتہ حالوں سے
چُرائیں تُو نے کیوں محفل میں آنکھیں بیٹھنے والوں سے
کھلی جاتی ہے کیوں دل ہیں ۔ کھلے ہیں کب لئے بلبل
مسیح و خضر کے جینے کا یہہ انجام ہونا ہے
بہارِ گُل چمن کے رہنے والوں کو مُبارک ہو
مرا دل کیوں نہ روئے میرے اشکوں کے نکلنے پر
جلاتا ہے اگر سوزِ دُروں تو غم نہیں مجکو
یہہ کب سُنتے ہیں اُنکے سامنے رونے سے کیا حاصل

کہ رلتی ہیں دُعائیں ہر قدم پر پائمالوں سے
اگر پڑتا اُسے پالا پریشاں کرنے والوں سے
جھکا یا کیوں نہ اے ساقی اُنھیں دو تین پیالوں سے
جگر ٹکڑے ٹکڑے ہُوا ہے اِن گلوں کا میر سنالوں سے
مریں گے رشک کھا کھا کر تمھارے مرنے والوں سے
بھلے بھولے ہیں ہم بھی اے جنوں تلووں کی چھالوں سے
کہ ہوتا ہی جُدا یہہ بھی تو ان ناز و نکہ والوں سے
کلیجا تو مرا ٹھنڈا ہی میرے دل کے چھالوں سے
کہیں اُنکے دل پتو کے دل میں گھر ہوتا ہے نالوں سے

قیامت کا تو وعدہ اُنکے ٹالے ٹل نہیں سکتا
قیامت تک ہی ٹالے جائیں وہ حیلے حوالوں سے

جو تھم تھم کر ذرا پانی بھی اُس پر پھر گیا تو کیا
سنبھلتا ہے مریضِ غم کوئی ایسے سنبھالوں سے

یہہ میں ہی تھا کہ دل فقروں میں آکر دیدیا تمکو
وہ دشمن ہے بھلا تم لے تو لو دل اُسکا چالوں سے

ہمیں اِس آستاں پر اِسنے پہلے بھی تو دیکھا ہے
اُلجھتا ہے تمہارا پاسباں کیوں دیکھے بھالوں سے

لڑائی بھی محبت کی نہ دیکھی حُسن سے خالی
لڑا کرتی ہیں آنکھیں عاشقوں کی مہ جمالوں سے

نہ ہو رشکِ تصنّع کس طرح یہہ سادگی اپنی
زباں سیکھی ہے آخر قہرؔ ہم نے دِلّی والوں سے

مُسدّسات

مسدّس بہ تہنیتِ جشنِ تاجپوشیٔ اعلیحضرت قدر قدرت شاہِ برطانیۂ انگلستان شہنشاہ و قیصرِ ہندوستان مَلِکِ مُعظّم ہز میجسٹی ہزری. جارج پنجم دام اقبالہٗ و مُلکہٗ

پھر یہ نوید بُلبلِ شیدا سُنا گئی
پھر دادِ رنگ حُسن کلی کھِل کے پا گئی
پھر ہند میں بہار نئے سر سے آگئی
پھر برق چمکی پھر وُہی بدلی بھی چھا گئی
پھر ہر طرف چمن میں ترانے طرب کے ہیں
پھر سب کے دل میں جوش یہ ارمان سب کے ہیں

مَوسم خزاں کا موسمِ گُل سے بدل گیا
اچھی گھڑی اب آئی بُرا وقت ٹل گیا
بُلبُل کے دل سے خارِ تمنا نکل گیا
جنگل میں بھی جو بیٹھ گئے جی بہل گیا
پھر یہ خوشی دکھائی ہے پروردگار نے
دل کی کلی کھلائی ہے بادِ بہار نے

پھر مُرغِ خوشنوا کی ہُوئی بانگ دل کے پار
پھر سبزہ زار میں لبِ جُو پڑ گئی پھوآر
پھر کوئلوں کی کُوک پپیہوں کی ہے پُکار
پھر ہر طرف بکھر گئے لُولُوئے آبدار
جوبَن برس رہے ہیں عجب آبشار پر
رنگینیوں کے لُطف بھی ہیں کوہسار پر

اُف رے نمودِ حُسن نظر جس طرف اُٹھی
کُہسار ہو کہ دشت ہو۔ صُورت ہے ایک سی
آنکھوں میں شکل پھرنے لگی لالہ زار کی
جنگل مہک رہے ہیں۔ کھلی ہے کلی کلی
باغوں میں بُلبُلوں کی دعائیں قبُول ہیں
ایک ایک شاخ پر کئی خوش رنگ پھُول ہیں

ہے رشکِ باغِ خُلد جو ہے تختۂ زمیں
سبزہ نہیں ہے۔ فرشِ زمرّد ہے بالیقیں

چھیڑے صبا جو نکہتِ گُل کو ذرا کہیں
خوش ہو اثر سے اُسکے وہیں خاطرِ حزیں
ظاہر ہُوا عُروسِ چمن کی ترنگ سے
لیتی ہے ایک دل کو یہہ سو رنگ ڈھنگ سے

دامن پہ تھی جو گردِ کدورت وہ دھو گئی
سچ کہ زمیں پہ سبزے کی صورت یہہ ہوگئی
موتی بھی بال بال میں شبنم پرو گئی
گویا سنگار کر کے دُلھن کوئی سو گئی
جھوکے نسیم کے اِسے جھولا جھُلاتے ہیں
جو دیکھتے ہیں بانکی ادا لوٹ جاتے ہیں

جوشِ نمو سے جوشش پہ لُطفِ بہار ہے
آپ اپنے رُوئے صاف کی آئینہ دار ہے
ڈوبا ہُوا شباب میں ہر برگ و بار ہے
جلوہ فروشِ قدرتِ پروردگار ہے
کیا دلفریب حُسن ہے دلکش جمال آج
اِک اِک نہالِ ہند ہے کیا کیا نہال آج

گُلکاریاں ہوئی ہیں یہہ صحرا و کوہ پر
نکلے جو پھُول چھاؤں میں تاروں کی رات بھر
رنگیں چمن کھِلے ہیں جدھر دیکھئے اُدھر
بھَونروں نے اُنکو گھیر لیا ہے دمِ سحر
بدمست ہو رہے ہیں دَہن چوُم چوُم کر
رنگِ شباب لُوٹتے ہیں جھُوم جھُوم کر

رنگینیاں ہوئی ہیں چمن میں بھی بے شمار
نرگس کی آنکھ دیکھتی ہے سَرو کا نکھار
بیلا کہیں ۔ گلاب کہیں ہے کہیں چنار
سَو رنگ رُوپ ہیں گُلِ صد برگ پر نثار
نکلے ہیں شاخ شاخ سے گُل رنگ ڈھنگ کے
کچھ پھُول ہند کے ہیں تو کچھ ہیں فرنگ کے

سوئے ہُوئے نصیب جو ہندوستاں کے تھے
کیونکر کہیں کہ جَور کسی مہرباں کے تھے
پامال ذوق و شوق جو پیر و جواں کے تھے
سچ تو یہہ ہے یہہ سارے کرَم آسماں کے تھے
ہے شُکر کی جگہہ کہ پھرے اب پھر اِسکے دن
جیسے پھرے دن اِسکے پھرے اور کِسکے دن

آیا بہت دنوں میں زمانہ نشاط کا
میکش کو مل گیا ہے بہانہ نشاط کا

مطرب سے کہدو چھیڑے ترانہ نشاط کا
پڑھتا ہے میکدے میں دوگانہ نشاط کا

مشہور نام جارج ہے جس کا جہان میں
ہے جشن آج اُسی کا یہ ہندوستان میں

سُن کر نویدِ جشن کی شاہی پیام سے
معلوم اب ہُوا یہ ہمیں دورِ جام سے

گھی کے چراغ ہم نے جلائے ہیں شام سے
آئے ہیں شاہ ہند میں جائے قیام سے

مقدم سے آج شاہ کے پھر دُھوم ہو گئی
زندہ پھر آج دہلیٔ مرحوم ہو گئی

سڑکوں پہ جا بجا ہیں تماشائیوں کے دل
سج دھج نثار آپ ہے سج دھج پہ آجکل

دیکھا جدھر اُدھر نظر آئی چہل پہل
دِلّی کا ہر مکان بنا ہے پری محل

آنکھوں میں رنگ رُوپ کا دریا اُبل گیا
دیکھی وہ لہر لہر کہ ارماں نکل گیا

مقدم سے شاہ کے وہ سُہانے ہیں مرغزار
کل تک چمن یہاں کے تھے نظروں میں خارزار

جی چاہتا ہے جی کو بھی کر دیجئے نثار
صدقے ہیں آج انکی صفائی پہ سو نکھار

بن ٹھن کے بن گئی ہے پرستان کی پری
دہلی کے آگے شرم سے کیا آئے گی پری

کیا کثرتِ ہجوم کا دہلی کی ہو بیاں
مِلتے نہیں مکان ٹھہرنے کو بھی یہاں

لاکھوں کروڑوں آدمی مہمان ہوں جہاں
یہ کال پڑ گیا ہے جگہہ کا کہ الاماں

پھر اس پر اضطرابِ دلِ ناصبُور کا
دیکھے ہزار آنکھ سے جلوہ حضور کا

آخر کو بڑھ کے عُمرِ شبِ تار گھٹ گئی
جس دم نقاب مہر کے رُخ سے اُلٹ گئی

آثارِ صبح دیکھ کے غیرت سے کٹ گئی
چمکی وہ برقِ نُور کہ ظلمت بھی ہٹ گئی

کچھ اس ادا کے ساتھ ہویدا ہوئی سحر

اپنی جھلک کی آپ ہی شیدا ہوئی سَحَر

لو کیمپ کو جلوسِ شہانہ ہُوا رواں
دیکھا نہ تھا زمین پہ گردُوں نے یہ سماں
ہیں ہند کے رئیس جلو میں بہ عز و شاں
اُن - گرمیٔ نجُوم سے جاڑوں ہیں گرمیاں!

جلوہ دکھا کے شاہ نے دل شاد کر دیا
اُجڑے ہُوئے دیار کو آباد کر دیا

لُوٹے نظر نے جلوۂ دیدار کے مزے
رفتار کے مزے - کبھی گفتار کے مزے
لُطفِ جبیں لیا - لئے رُخسار کے مزے
درباریوں کو مل گئے دربار کے مزے

گُزرے جو وسطِ شہر سے کایا بَدَل گئی
جو تھا وہ کہہ اُٹھا مری حسرت نکل گئی

بَرسائے فرقِ شاہ پہ سب نے چمن کے پھُول
دل ہیں سمائے جب نہ چمن کے نہ بَن کے پھُول
خورشید نے گرائے فلک سے کرن کے پھُول
ہم نے کئے نثار ریاضِ سُخَن کے پھُول

دیکھو وہ پھُول خاک میں سب ہیں ملے ہُوئے
لیکن یہ گُل رہیں گے ہمیشہ کھِلے ہُوئے

برسوں کے بعد ہند ہے پھر ہمکنارِ عیش،
اِک عُمر گزری کرتے ہُوئے اِنتظارِ عیش
ہو ہو کے شاد لُوٹ رہا ہے بہارِ عیش
اِس پر نثار عیش تو اب یہ نثارِ عیش

ہیں جلوہ گر جو اس میں شہنشاہ تخت پر
دِلّی کو آج ناز ہے پھر اپنے بخت پر

دِلّی ہیں کیسے عیش شہِ سَنتنوں کے تھے
دِلّی ہیں کیسے راج کئے پر تھی راج نے
دِلّی میں کیسے پانڈَوں نے کئے مزے
دِلّی میں کیسے طے ہُوئے مُغلوں سے مرحلے

کِتنے یہاں بگڑ گئے - کِتنے سنور گئے
جلسے ہزاروں اِسکی نظر سے گُزر گئے

اِس جشن کی مگر تھی بہت اِسکو آرزُو
بخشی جو آکے آپ نے تو قیرِ آبرو
اے شاہ جب تک آپ نہ آئے تھے رُو برُو
اب اِسکی آن تان کے چرچے ہیں چار سُو

؎ دسمبر کا مہینا تھا۔

اقبال و بخت نے وہ لگائے ہیں چار چاند
ایک ایک چاند پر ہیں تصدّق ہزار چاند

جس دن سے کمپنی کی عملداریاں اُٹھیں
دلجوئیاں بھی ملکۂ وکٹوریہ نے کیں
برطانیہ کا ہند کی خاتم پہ ہے نگیں
ہمدردیاں بھی قیصرِ اڈورڈ کی رہیں

آئے پیامِ لطف بھی اکثر حضور سے
لیکن عنایتیں تھیں وہ سب دُور دُور سے

عالم پناہ آپ ہیں جم جاہ آپ ہیں
ضَو میں کبھی ہیں مہر کبھی ماہ آپ ہیں
دُنیا میں ہر بشر کے ہی خواہ آپ ہیں
جتنے ہیں شاہ اُنکے شہنشاہ آپ ہیں

چھُپتا نہیں ہے دَورِ حکومت میں آفتاب
آنکھوں پہ ہر ہے جلوت و خلوت میں آفتاب

لندن میں جب وہ محفلِ عیش و سُرور تھی
شوقِ لقا میں سب کی نظر ناصبور تھی
جس وقت تاجپوشیِ فرقِ حضور تھی
ہندوستانیوں کی بھی خاطر ضرور تھی

اللہ رے منصفی کہ کیا جشن ہند میں
آنکھوں نے سب کی دیکھ لیا جشن ہند میں

تشریف آپ لائے ہمارے ہی واسطے
لاکھوں رُپے اُٹھائے ہمارے ہی واسطے
دن اِس قدر گنوائے ہمارے ہی واسطے
تکلیف کر کے آئے ہمارے ہی واسطے

اِحساں یہ آپ کے نہ کبھی ہم بھُلائیں گے
جاہ و حشم کی خیر ہمیشہ منائیں گے

اِنصاف و عدل و جُود و عنایت سے ہو گئی
اُلفت کچھ ایسی شاہ کی صورت سے ہو گئی
مسرور رُوح عشرت و بہجت سے ہو گئی
وابستہ خلق دامنِ دولت سے ہو گئی

آقا کے ساتھ اِن کی عقیدت کو دیکھئے
ہندوستانیوں کی محبّت کو دیکھئے

اُمیدوارِ دید کوئی اِن سا ہو تو لے
یہ دید کے لئے ہیں تو دید اِن کے واسطے

جلوہ دکھایا شاہ نے لندن میں بام سے | درشن کیا جھروکے میں اب اہلِ ہند نے

اکبر کا دور سامنے آنکھوں کے پھر گیا
نظروں سے جشنِ عہدِ جہانگیر گر گیا

ساقی خیال کس کو ہے شربِ مُدام کا | طالب نہیں ہے، تجھ سے کوئی چند جام کا
دے پہلے جام ملکۂ میری کے نام کا | پھر جام صحتِ شہِ عالی مقام کا

پی پی کے گھونٹ بادہ گلگوں کے بار بار
صدقے ہوں پادشاہ پر اپنے ہزار بار

دے کر دعائیں شاہ کو با صد نیاز ہم | مانگیں جنابِ خضر سے عُمرِ دراز ہم
مل کر بہم سجائیں کوئی بزمِ ناز ہم | پھر پھر اُس میں گائیں یہ لے کے ساز ہم

جشنِ شہانہ آج مبارک ہو شاہ کو
دلی کا تخت و تاج مبارک ہو شاہ کو"

مسدس خیر مقدمِ مہمانانِ برات

خیرِ مقدم کے لئے مطرب نے گائی ہے بہار | کھب گئی ہے آنکھ میں دل میں سمائی ہے بہار
ہر در و دیوار پر خوش رنگ چھائی ہے بہار | غنچۂ دل کھل گئے جس سے وہ آئی ہے بہار

منظرِ نقشِ قدم گل کا نظارا ہو گیا
آپ کے آنے سے گلشن گھر ہمارا ہو گیا

مست و بیخود ہیں۔ سرور و کیف بے منت میں ہیں | گو نہیں پیتے ہیں پھر بھی ایک کیفیت میں ہیں
کیا کہیں کس عیش میں ہیں اور کس راحت میں ہیں | جب سے دیکھا آپ کو ہم جیتے جی جنت میں ہیں

آپ آنکھوں میں سمائے شاد آنکھیں ہو گئیں
آپ نے آباد کیں۔ آباد آنکھیں ہو گئیں

آپ نے تکلیف فرمائی کرم ہم پر کیا | ہم کو ممنونِ عنایت لطف فرما کر کیا
کیا ہمارے گھر ہی کو فردوس کا منظر کیا | سچ تو یہ ہے دل میں بھی آ کر ہمارے گھر کیا

جو نہو سکتا ہو اُسکو ہم بھلا کیونکر کریں
شُکر اِس بندہ نوازی کا ادا کیونکر کریں

یہہ زَباں - یہہ بات - یہہ شیریں زَبانی آپ کی
یہہ محبت - یہہ وفا - یہہ مہربانی آپ کی
یہہ خوشی - یہہ خوشدلی - یہہ خوش بیانی آپ کی
یہہ مُروَّت - یہہ عطا - یہہ قدردانی آپ کی

بھُولنے کی ہیں کہیں - یہہ بھُول جانے کی نہیں
یاد کیا کیا آئیں گی - کیوں یاد آنے کی نہیں

یہہ نہ کہیئے شوق ہی اب اور کِس کا دل میں ہے
پُوچھیئے تو پھر بتائیں ہم کہ اب کیا دل میں ہے
جلوۂ دیدار نے کیا خاک چھوڑا دل میں ہے
آپ کو دل میں بٹھا لیں یہہ تمنا دل میں ہے

خانۂ دل میں ہمارے آپ اگر مہمان ہوں
پھر تو ہم بھی لاکھ اِنسانوں کے اِک انسان ہوں

دل ہے پُر ارماں - مگر خالی ہمارا ہات ہے
ہم سے ہو سکتا نہیں کچھ - اپنی کیا اوقات ہے
اِس سے کیا خدمت ہو - یہہ کب قابلِ خدمات ہے
ہاں نبھا لیں آپ ہمکو تو یہہ کتنی بات ہے

آپ کے نزدیک یہہ کیا بات ہے - کچھ بھی نہیں
سامنے خورشید کے کیا رات ہے - کچھ بھی نہیں

اب دُعا ہے - آپ دُنیا میں رہیں باعزّ و شاں
کوئی صدمہ آپ کو پہونچے نہ زیرِ آسماں
قدردانی آپ کی دل سے کریں سب قدرداں
آپ کے خادم رہیں ہم - آپ ہم پر مہرباں

یہہ ہمارے آپ کے اخلاص کی صورت رہے
مہر باہم - ربط باہم - باہمی اُلفت رہے

مُسدّس مُراثئہ منجانب یتیمانِ ہند بخدمتِ زرداران ہند

اے اہلِ ہند تمکو اِسکی بھی کچھ خبر ہے
سینے میں سوزِ غم ہے - اشکوں سے آنکھ تر ہے
اِک دلگداز صدمہ اب جانِ ہند پر ہے
باقی کہاں وہ دل ہے - باقی وہ کب جگر ہے
پانی ہوئے ہیں غم سے گھُل گھُل کے آہ دونوں

نکلے ہیں اشک بنکر آنکھوں سے آہ دونوں

اِک آگ سی لگی ہے سوزِ غمِ نہاں سے
آتا نہیں ہے لب پر کچھ قلبِ ناتواں سے
خاموش جل رہا ہے مجبوریٔ فغاں سے
پھر حالِ غم سنائے کس منہ سے کس زباں سے

جو ہو بیان اس سے یہ وہ مِحَن نہیں ہے
یہ کیا کہے کہ اسکو تابِ سخن نہیں ہے

اِس سے یتیم اِس کے کیلئے نہیں ہیں پالے
ہر وقت بھوک سے ہیں ایک ایک لب پہ نالے
بے موت پڑ رہے ہیں جینے کے اِنکے لالے
کس کے سپرد کر دے کس کے کرے حوالے

بے باپ ماں کے بچے بے نان و بے نمک ہیں
اِن بے کسوں پہ کیا کیا صدمے تہِ فلک ہیں

کون اِنکے پونچھے آنسو۔ کون اُنکی لے بلائیں
ہمدرد ہو جو کوئی تو داغِ دل دکھائیں
اب ہیں نہ باپ اِنکے۔ اب ہیں نہ اُنکی مائیں
جنکو یہ رو چکے ہیں اُنکو کہاں سے لائیں

کوئی نہیں ہے اِنکا۔ یہ کر رہے ہیں نالے
اب کاش بیکسی ہی اِن کو گلے لگا لے

ماں باپ کے الم سے سینہ فگار یہ ہیں
جو رہ گئے ہیں اُن کو کیوں ناگوار یہ ہیں
باغِ خزاں رسیدہ قبل از بہار یہ ہیں
سمجھیں تو جانے والوں کی یادگار یہ ہیں

اُف دَورِ آسمانی۔ اُف گردشِ زمانہ
تُف دَورِ آسمانی۔ تُف گردشِ زمانہ

پھر سوزِ دل دکھادے اے حِدّتِ تپِ غم
پھر آسماں ہلادے اے اضطرابِ ماتم
پھر سیلِ غم بہادے اے آنکھ ہو کے پُرنم
پھر واقعہ سُنا دے اے نالۂ شررَدم

آ دل ہیں اب اُمنڈ کر مہرِ پدر کہاں ہے
لے ماں کی مامتا اب اِنکی خبر کہاں ہے

رہتا نہیں ہمیشہ رنگِ بہارِ ہستی
ہیں اِک طلسمِ حیرت لیل و نہارِ ہستی
ناپائدار ٹھہرے نقش و نگارِ ہستی،
دیکھا تو موت ہی ہے پایانِ کارِ ہستی

زردار ہو کہ بے زر کس کو فنا نہیں ہے
دُنیا ہے نام جس کا دارِ بقا نہیں ہے

رہنا ہے تمکو زندہ تو نیک کام کرلو
ننھے یتیم بچّوں کا انتظام کرلو
کچھ نیک کام کرکے دُنیا میں نام کرلو
جو دے سکو وہ دے کر اِن کو غلام کرلو

کہتا ہے کون تم سے سب اپنا گھر لُٹاؤ
جتنا لُٹا سکو تم اُتنا تو زر لُٹاؤ

اب بارِ غم اُٹھائیں یہہ ناتواں کہاں تک
اب دل جگر جلائیں یہہ شمع ساں کہاں تک
اب سر پہ لیں بلائیں یہہ نیم جاں کہاں تک
اب یوں سہیں جفائیں یہہ بے زباں کہاں تک

دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں وہ تھے جو اِنکے والی
اب تم ہو اِن کے مالک۔ اب تم ہو اِنکے والی

زردار ہو اگر تم محتاجِ زر ہیں یہہ بھی
اِنسان ہی کے آخر لختِ جگر ہیں یہہ بھی
دل سے مدد کرو کچھ بے برگ و بر ہیں یہہ بھی
ہو آدمی تو پالو اِن کو بشر ہیں یہہ بھی

ہو جب تمھیں نہ اِنکے پھر کس کے ہو رہیں یہہ
تم کچھ نہ دو۔ تو کہہ دو۔ کچھ کھا کے سو رہیں یہہ

رہتے ہیں دل میں روشن ہر وقت داغ اِنکے
حاصل نہیں ابھی جب اِن کو فراغ اِنکے
ہوتے نہیں ہیں ٹھنڈے جلتے چراغ اِنکے
کیا کام دے سکیں گے آگے دماغ اِنکے

تم کھاؤ لُقمۂ تر۔ خونِ جگر پئیں یہہ
یہہ زندگی ہو اِن کی۔ تو کس طرح جئیں یہہ

اِن کے الم سے دل پر چلتے تھے غم کے بھالے
سائیں نہ ہم نہ ہیں ہم درویش پھیری والے
آخر فقیر بنکر گھر سے قدم نکالے
آئے ہیں اِنکی خاطر جھولی گلے میں ڈالے

دینا ہے تمکو جو کچھ دو اِنکو یہہ حزیں ہیں
کچھ اپنے واسطے تو ہم مانگتے نہیں ہیں

فاقوں سے جب بُری گت اِن بیکسوں کی ہولی
تو مہر نے تمھارے آگے زباں کھولی

دن رات یہہ صدا ہے۔ ہر وقت ہے یہہ بولی ۔۔۔ "اِنکے فقیر ہیں ہم۔ بھر دو ہماری جھولی"

داتا ہو تم تو بابا پورا سوال کر دو
مُفلس یتیم ہیں یہہ۔ اِنکو نہال کر دو

مُسَدّسِ نظّارۂ حُسن

اے حُسن آہ تو ہے رنگِ لقاے عالم ۔۔۔ رنگینیاں تری ہیں رنگیں نماے عالم
جب شوق کی نظر سے دیکھی فضاے عالم ۔۔۔ تیری جھلک نے کیا کیا ہمکو دِکھاے عالم
اِک اِک قدم پہ سو سو جلوہ نمائیاں ہیں
رنگیں ادا یہہ تیری رنگیں ادائیاں ہیں

اِس خاکداں میں تو ہے اِس خاکداں کی رونق ۔۔۔ باغِ جناں میں تو ہے باغِ جناں کی رونق
تو ہے زمیں کی رونق۔ تو آسماں کی رونق ۔۔۔ ہے تیرے دم قدم سے کون و مکاں کی رونق
عالم نے تیرے کھوئے کیا عقل و ہوشِ عالم
اے حُسن آہ تو ہے جلوہ فروشِ عالم

آنکھوں میں کُھب رہی ہے کیسی بہارِ دُنیا ۔۔۔ گلشن بنا ہوا ہے کیا خارزارِ دُنیا
کس درجے دلرُبا ہیں نقش و نگارِ دُنیا ۔۔۔ جلوہ مگر ترا ہے آئینہ دارِ دُنیا
پایا شفق میں تیرا رنگِ بہار ہم نے
دیکھا سحر میں تیرا کیا کیا نکھار ہم نے

نکلا ہے نغمہ بنکر بُلبل کے تو سُخن سے ۔۔۔ پھوٹا ہے رنگ ہو کر تو گُل کے پیرہن سے
خورشید کی کرن سے۔ پھر شمعِ انجمن سے ۔۔۔ جلوہ ترا عیاں ہے کس کس نئی پھبن سے
ہر شان میں جُدا ہے رنگِ ظہور تیرا
آنکھوں میں نُور تیرا۔ دل میں سُرور تیرا

تیری خبر نہ اِسکو۔ اِسکی خبر نہ تجھکو ۔۔۔ اِس پر بھی چھوڑتی کیا اِسکی نظر نہ تجھکو
وہ سمت ہی نہیں ہے دیکھے جدھر نہ تجھکو ۔۔۔ پھر اور کس کو دیکھے۔ دیکھے اگر نہ تجھکو

تیری جگہہ ہے دل میں۔ گھر ہے ترا جگر میں
اے حسن کھپ رہا ہے تو مہر کی نظر میں

مُسدّس تعزیتِ اِنتقالِ پُرملال جنّت آرامگاہ ہز ہائی نس مہاراجہ سر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بہ اَلقابہ فرمانروائے گوالیار

فلک اِس سے سوا ہم پر ستم کرتا تو کیا کرتا
اسے لکھ کر کوئی اظہارِ غم کرتا تو کیا کرتا
نہ کرتا اِس الم سے بڑھ الم کرتا تو کیا کرتا
یہہ غم ہی جب نہو سکتا رقم کرتا تو کیا کرتا

کہیں کیا کیوں رہے ہیں ہم دمِ تحریر گھٹ گھٹ کر
کئی دن تک قلم گر گر پڑا ہاتھوں سے چھٹ چھٹ کر

یہہ کچھ کم ہے ستم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
قلق کیونکر ہو کم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
یہہ کچھ کم ہے الم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
بہت ہے ہمکو غم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا

یہہ غم وہ غم ہے جس غم نے کچھ ایسے ہوش کھوئے ہیں
کہ بوڑھے بھی تو بچوں کی طرح چلّا کے روئے ہیں

ہوا کالی گھٹا کو چرخ پر جب کھینچ لاتی ہے
ہمیں کیا کیا مہاراجہ کی شفقت یاد آتی ہے
ہمارے صبر کے خرمن پر اک بجلی گراتی ہے
مگر اب وہ قیامت توڑتی ہے۔ ظلم ڈھاتی ہے

خبر کس کو تھی سارے عیش ۔غم ہو جائیں گے ہمکو
جو اُنکے تھے کرم ہم پر۔ ستم ہو جائیں گے ہمکو

یہہ مانا آج وہ بھی جا ملے اُن تاجداروں میں
عزیزوں کو الم ہے رنج ہی۔ ماتم ہے پیاروں میں
نظر آتے ہیں اب تک جنکے مدفن سبزہ زاروں میں
مگر اے دل! بتا۔ تو کیوں ہے اُنکے سوگواروں میں

فنا ہونے سے پہلے ہی جو پیدا نام کرتے ہیں
ارے ناداں۔ کہیں ایسے مہاراجہ بھی مرتے ہیں

ہوا تھا تنگ جنکے دم سے بد رنگ شام کا گھوڑا
اجل نے تو انھیں پیری میں بھی جانے نہیں چھوڑا
بلائے ناگہانی ہو گیا اُنکے لئے پھوڑا
مگر اپنے لئے اب یہہ دلاسا بھی ہے کیا تھوڑا

اُنھیں کے تھے۔ اُنھیں کے پھر بھی ہم زیرِ نگیں ہونگے
جیاجی راؤ اِک دن اُنکے سچّے جانشیں ہونگے

نہ دل میں نازِ خدمت ہے۔ نہ سر میں کچھ ہوائیں ہیں
زبانِ مہر پر آخر یہی جاری دعائیں ہیں
وفائیں ہم نے کیا کی ہیں۔ ہماری کیا وفائیں ہیں
عطا مرحوم کو وہ ہوں۔ خدا کی جو عطائیں ہیں
مہارانی کو صبر آئے۔ تمنا یہ بھی بر آئے
جیاجی راؤ کا عہدِ حکومت جلد تر آئے

مُسدّسِ تعزیت برسی عرش آشیانی ہز ہائی نس مہاراجہ سر مادھو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر اعلیٰ علیین والیٔ ریاستِ گوالیار

گریباں چاک ہے پھر اُنکے ماتم میں سحر کیا کیا
ملال و رنج تازہ کر رہے ہیں بام و در کیا کیا
پڑی حسرت برستی ہے پھر اُنکے قصر پر کیا کیا
پیے ہیں میں نے آنسو اُنکے غم میں سال بھر کیا کیا
نہ میری آستیں دیکھو۔ نہ میری چشمِ تر دیکھو
مرا غم دیکھنا ہے تو مرا دل یہ چیر کر دیکھو

دن اِس غم کا وہی دن ہے۔ جو دن ہے اُنکے مرنے کا
بڑا جو زخم اِس غم سے نہیں وہ زخم بھرنے کا
غم اِس دن کا وہی غم ہے۔ جو غم ہے یاد کرنے کا
نہ ہو کیوں صدمہ اِس دن۔ ہے یہ دن صدمہ گزرنے کا
اِسی دن ہم نے۔ جب مادھو مہاراجہ کی برسی ہے
وہ دن دیکھا کہ اُنکے دیکھنے کو آنکھ ترسی ہے

بچے تھے بادشاہوں میں وہی اک بادشا ہمکو
نہ تھا اُن سے سوا کوئی۔ وہ تھے سب سے سوا ہمکو
نظر آیا زمانے میں نہ اُنسا دوسرا ہمکو
مگر اب آسماں نے کر دیا۔ اُنسے جدا ہمکو
یہہ مصرع یاد آتا ہے ہمیں شیون میں نالے میں
"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"[1]

رہے ہیں زندہ کیوں ہم اپنے آقا سے جدا ہو کر
رسائی نارسائی ہو گئی صبر آزما ہو کر
غم اِسکا دل سے نکلے گا تو نکلے گا فنا ہو کر
کہ آہیں رک گئیں مجبور ہو کر۔ نارسا ہو کر

[1] مصرعِ حضرت داغ دہلوی

اِسی کا رنج ہے۔ افسوس ہے شیون ہے۔ ماتم ہے
اِسی کا ہم کو رونا ہے۔ اِسی کا تمکو بھی۔ غم ہے

چلو۔ اُٹھو۔ سدھارو رو چکے غم ہو چکا اُنکا
سرِ تسلیم جب پیشِ قضا خم ہو چکا اُنکا

کہانتک اُنکا ماتم ہوگا۔ ماتم ہو چکا اُنکا
جو کچھ ہونا تھا رنج و غم۔ اُسی دم ہو چکا اُنکا

اب اِس آہ و فغاں سے گریہ وازی سے کیا حاصل
نہو جب دل ہی پہلو میں۔ دل افگاری سے کیا حاصل

یہہ دن ہے اُنکی برسی کا۔ اِسی دن سوگ اُٹھاتے ہیں
اِسی دن نام پر مرحوم کے دیتے دلاتے ہیں

دُعائے مغفرت کے ساتھ نالے لب پر آتے ہیں
بہت خیرات کرتے ہیں۔ بہت دولت لُٹاتے ہیں

جو پوچھو فلسفہ اس کا تو بس یہہ ہے جواب اِسکا
کہ اِس دن مرنے والے کو پہونچتا ہے ثواب اِسکا

مہارانی نے جو خیرات کی اُسکا تو کیا کہنا
دعا بھی دل سے جو دزدات کی اُسکا تو کیا کہنا

عطائے زر جو ہاتھوں رات کی اُسکا تو کیا کہنا
غرض اُنکے لئے جو بات کی اُسکا تو کیا کہتا

مگر مادھو مہاراجہ وہاں کب اِنکو پائیں گے
جو اچھے کام تھے اُنکے وہی کام اُنکے آئیں گے

یہہ مانا اُنکے سوزِ غم نے دل میں داغ ڈالے ہیں
مگر یہہ دن دُعا کا ہے دعائیں کرنے والے ہیں

بہت ہم اُنکو روئے ہیں۔ بہت آنسو نکالے ہیں
کہ اِس دن کی دعاؤں کو وہاں بھی بول بالے ہیں

دعا اے مہرؔ کر۔ آلام سے چھوٹیں مہاراجہ
بہاریں گلشنِ فردوس کی لوٹیں مہاراجہ

مُخمّسات

مُخمّس تہنیتِ وِلادت باسعادت شاہزادی میری کملا راجہ صاحبہ دُخترِ نیک اختر حضور لامع النور ہز ہائی نس مہاراجہ جنرل سر مادھو راؤ سندھیا

، عالیجاہ بہادُر دام اقبالہٗ، فرمانروائے گوالیار

اے شہِ عالی ہِمَم جرأت بڑھے۔ ہمت بڑھے
مرتبہ۔ توقیر حشمت۔ آبرو۔ عزّت بڑھے
کانپ جائے دل عُدُو کا اِس قدر صولت بڑھے
دولتِ برطانیہ کے عہد میں وقعت بڑھے
تُو ہے عالیجاہ تیری اور بھی عظمت بڑھے

آل کی اولاد کی ہوتی ہے سب کو اِحتیاج
پاک طینت۔ نیک سیرت۔ خوبصورت خوش مزاج
اِس میں مُفلس ہو کوئی یا مالکِ اِقلیم و تاج
چاند سی بیٹی تجھے اللہ نے بخشی ہے آج
ہے یہ مطلب اور تیرے مُلک کی زینت بڑھے

اِسکی پیدائش میں ہو جتنی سخاوت وہ ہے کم
اور پاس اپنے نہیں کچھ اے شہِ گردُوں حَشَم
کیا تری آنکھوں کے آگے قدرِ دینار و درم
ہو کے خوش دینے کو آئے ہیں عالیں دل سے ہم
غم مِٹے۔ عشرت مِلے۔ کُلفت گھٹے۔ راحت بڑھے

یہ وہ بیٹی ہے جو بیٹے کے برابر ہے عزیز
پیار میں مطلق نہیں فرزند و دختر کی تمیز
وقت یاور۔ بخت خادم۔ شوکت ادنیٰ سی کنیز
ہے اگر اولاد کی اُلفت جہاں میں کوئی چیز
تجکو اِسکی چاہ ہو۔ اِسکو تری حسرت بڑھے

بادۂ عشرت سے عالم ہی نرالا ہو گیا
میکدہ آباد۔ بار و نق شوالا ہو گیا
جلوۂ پُرنور سے گھر گھر اُجالا ہو گیا
رند و زاہد کا برابر بول بالا ہو گیا
اِس خوشی کے جشن کی کچھ اور بھی شُہرت بڑھے

اِسکو پالیں دل کے گہوارے کے اندر رات دن
پیار دونوں کا رہے اِس پر برابر رات دن
جان تک اپنی کریں اِس پر نچھاور رات دن
اِسکو رکھیں آنکھ کی پتلی بنا کر رات دن
اِتنی ماں کو مامتا ہو۔ باپ کو اُلفت بڑھے

مطلع ثانی

یا الٰہی سندھیا سرکار کی ثروت بڑھے
ساتھ ہی ثروت کے دختر کا قد و قامت بڑھے

ؔ ارمان۔

یہ بہر صورت پھلے پھولے۔ بہر صورت بڑھے
شان اسکی ہو دو بالا جو گئی شوکت بڑھے
ہے بہت کچھ ذی حشم اب بھی۔ مگر حشمت بڑھے

عیش و عشرت میں رہے ملنا ملانا رات دن
عہد میں اسکے پھلے پھولے زمانا رات دن
شوخیٔ طفلی ہو بخشش کا بہانا رات دن
کمسنی کا کھیل ہو موتی لٹانا رات دن
عمر بڑھ بڑھ کر دعا دے اور بھی ہمت بڑھے

جب خزاں کے دور میں اُڑتی چمن کی دھول ہو
جب نہ بلبل کی دعائے دل کوئی مقبول ہو
پھر بھی رنگِ تازگی کا وہ اثر معقول ہو
یہ جو مرجھائی کلی چھوئے تو کھل کر پھول ہو
پھول کو توڑے تو ٹوٹے پھول میں نکہت بڑھے

ہو فروغِ پرچمِ فتح و ظفر ربِّ قدیر
عرشِ اعظم کی بلندیٔ مراتب ہو حقیر
نیّرِ اقبال چمکے صورتِ ماہِ منیر
اِسکے طالع سے رہے اُفتادگی کو اوج گیر
آسماں جسکو گرائے اُسکی بھی رفعت بڑھے

دل میں کیوں آئے مریضوں کے نقاہت کا خیال
کیوں رہے بیمارِ اُلفت بھی کوئی آشفتہ حال
تندرستی ہر کسی کو دے نویدِ نیک فال
اِعتدالِ طبعِ عالی سے ہو پیدا اِعتدال
درد خود بن جائے درماں اِس قدر صحت بڑھے

خُلقِ پیہم سے رہے باہم نہ فرقِ خویش و غیر
سب رہیں آپس میں مِل جُل کر مٹے آپس کا بیر
پاک نظروں میں برابر ہوں حرم ہو یا ہو دیر
ایک سی دونوں ہوں مندر کی فضا مسجد کی سیر
اِسکے دورِ عمر میں ہر مذہب و ملّت بڑھے

سنگدل ہوں نرم دل۔ ہیں نرم دل بھی نرم تر
رُوئی کے گالے بنیں سینوں میں پتھر کے جگر
بھول جائیں سختیاں ہی جھیلنی جن و بشر
ہر طرف ہو اسکی وہ طبعِ مُلائم کا اثر
رحم کی عادت فزوں ہو۔ قہر کی قلّت بڑھے

جہل کی تاریک راتیں جگمگائیں چاند سی
چاندنی بن بن کے پھیلے روشنی تعلیم کی
اور ہو یُمنِ سعادت سے فلاحِ مُلک بھی
کال کا ہو کال۔ لہراتی رہے کھیتی ہری
ہو تجارت کی ترقی صنعت و حرفت بڑھے

پھر چلے باغ جہاں میں عیش و عشرت کی ہوا
پھر خوشی و خرّمی کے گُل کھلیں صبح و مسا
ہو عطا جیجا مہارانی کو بیٹا چاند سا
جشن میں پھر جشن ہو پیدائشِ فرزند کا
چاہتا ہوں اس قدر اس جشن کی مُدّت بڑھے

خوش رہے جیجا مہارانی کی یہ نُورِ نظر
خوش رہے پھر مہارانی کی یہ لختِ جگر
اب دعا ہے پھر کئی جو نسٹھ گھڑی آٹھوں پہر
اِسکے حُسن دم قدم سے رات دن شام و سحر
خاندانِ سندھیا کی رونق و زینت بڑھے

خمسہ تضمینِ غزل بلبلِ ہندوستان اُستادالسلطان ملک الشعرا دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک عالیجناب نوّاب میرزا خاں صاحب داغ دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ اُستادِ مصنّف

زباں تک آئی ہوئی بیشتر نہیں چھپتی
چھپی جو شام تو وقتِ سحر نہیں چھپتی
پہونچ ہی جاتی ہے اُڑ کر خبر نہیں چھپتی
چھپاوں اُسکی شکایت مگر نہیں چھپتی
اِدھر نکلتی ہے مُنھ سے اُدھر نہیں چھپتی

بشر سے طرزِ نگاہِ بشر نہیں چھپتی
کہ رہ کے پردے میں یہ پردہ در نہیں چھپتی
فریب لاکھ کرے تو۔ مگر نہیں چھپتی
ترے چھپائے دغا کی نظر نہیں چھپتی
یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی

وہ۔ اور اُسکو تمنا ہو میرے ملنے کی
کہے پھر اُسکو وہ مجھ سے۔ یہ تُو نے خوب کہی
ضرور بھید ہے کوئی ضرور اس میں ہے فی
گھڑی ہے دل سے جو تُو نے وہ بات ہے تیری
کہ اُسکے مُنھ کی تو اے نامہ بر نہیں چھپتی

نسیمِ صبح کی اٹکھیلیوں کا کیا کہنا
کہ اُن سے پردہ نشیں کا اُٹھا دیا پردا
اُنھیں حیا ہے۔ اِسے کچھ نہیں خیال اسکا
یہ سیر ہے کہ دوپٹا اُڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ۔ کمر نہیں چھپتی

بشر چھپائیں تو بُلبُل اِسے سُناتی ہے
جو وہ چھپائے تو لب پر گلوں کے آتی ہے

ؔ اسمِ گرامی بڑی مہارانی صاحبہ مہاراجہ مادھوراؤ سندھیا والیِ گوالیار ؔ نامِ نامی جناب والدہ صاحبہ مہاراجہ گوالیار
[illegible]

چھُپائیں گُل بھی تو کیا کیا صبا اُڑاتی ہے
تمہاری بات زمانے میں کھُل ہی جاتی ہے
یہہ بات کیا ہے کہ اسکی خبر نہیں چھُپتی

عدُو سے تیری محبت کو میں چھُپاؤں تو
وہ کیا چھُپے جو چھُپائے سے اور ظاہر ہو
یہہ کس کے بس کی ہو۔ کون اس سے یہہ کہے کہ نہ رو
جو تڑپے دل تری محفل میں۔ تھام لوُں دل کو
مگر چھُپائے سے یہہ چشمِ تر نہیں چھُپتی

یہہ ایک دم میں جلائے گی ایسے پردے سو
بھڑک کے آئے گی باہر برنگِ شعلۂ نو
عبث ہے فکر و تردد۔ فضُول ہے تگ و دو
چھُپائے سے تہِ دامن چھُپے چراغ کی لو
لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھُپتی

اگرچہ صُبح کی صورت کی صُبح ہے یارب
مگر مجھے تو مصیبت کی صُبح ہے یارب
غضب کی۔ قہر کی آفت کی صُبح ہے یارب
یہہ صُبحِ ہجر۔ قیامت کی صُبح ہے یارب
کہ میرے بختِ سیہ سے سحر نہیں چھُپتی

حجاب ہے یہہ تمہارا برائے نام حجاب
اِسے حجاب سمجھتا ہے کون خانہ خراب
ہُوا نہ برق کا پردہ۔ نہ ہو سکے گا سحاب
نگاہِ شوق ہے بجلی کی طرح زیرِ نقاب
ہزار اُس کو چھُپاؤ مگر نہیں چھُپتی

الٰہی ہوتے ہیں کیسے وہ چاہنے والے
جو کرتے رہتے ہیں فرقت میں راتدن نالے
یہاں تو سانس بھی لینے کے پڑگئے لالے
نفس کے ساتھ ہی پڑتے ہیں لب پہ چھالے
ہماری سوزشِ داغِ جگر نہیں چھُپتی

وفُورِ شوق کے بھی اضطراب چھُپتے ہیں
غمِ فراق کے بھی التہاب چھُپتے ہیں
چھُپائے سے کہیں حُسن و شباب چھُپتے ہیں
سحاب میں تو مہ و آفتاب چھُپتے ہیں
نقاب میں تری صورت مگر نہیں چھُپتی

جو بیچ میں رہیں لاکھوں حجاب بھی حائل
یقیں ہے پھر بھی نہ تجھ سے چھُپے ترا مائل
شناخت اُسکی نہو۔ اِسکے ہم نہیں قائل
بدل بدل کے وہ آواز گو بنے سائل
صدائے عاشقِ شوریدہ سر نہیں چھُپتی

چھپے گا بانگِ طرب میں بھلا یہ کیا نالہ، — الگ ہمیشہ رہے گا۔ الگ رہا نالہ
جُدا ہے اُسکا ترنم۔ مرا جُدا نالہ — مِلے ترانۂ بُلبُل سے کیا مرا نالہ
صدائے نغمہ زن و نوحہ گر نہیں چھُپتی

بنیں بھی حلق کے دربان اب اگر چھالے — رہیں بھی اب جو لبوں پر سکوت کے تالے
وہ دل میں آئیں گے کیا جو نکل گئے نالے — چھپائیں کیا تری چاہت کو چاہنے والے
جب ایک بار کھُلی۔ عمر بھر نہیں چھُپتی

رہے اُمیدِ مسرت میں کیوں کوئی بیدار — یہ انتظار۔ شبِ انتظار رہے بیکار
اگر سمجھ ہو تو یہ جاننا ہے کیا دُشوار — زباں پہ آتے ہی کھُلتے ہیں نیک و بد آثار
دُعائے با اثر و بے اثر نہیں چھُپتی

یہ سیکڑوں ہیں۔ ہزاروں میں انتخاب ہے داغ — جواب اِسکا کہاں ہے۔ یہ لاجواب ہے داغ
اِسی کے نُور سے تو مہر فیضیاب ہے داغ — تری طبیعتِ روشن اِک آفتاب ہے داغ
کبھی چھُپائے سے یہ جلوہ گر نہیں چھُپتی

خمسہ بر تضمینِ غزل ناخُدائے سُخن تاجُ الشعرا جناب منشی محمد نوح صاحب نوح ناروی رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد۔ جانشینِ عالیجناب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم

کسی کو سونپ کر دل جاں نثاری اور ہی کچھ ہے — کسی کی جان لے کر دل فگاری اور ہی کچھ ہے
محبت اور کچھ ہے بیقراری اور ہی کچھ ہے — یہ مانا شمعِ محفل کی بھی زاری اور ہی کچھ ہے
ہماری چشمِ تر کی اشکباری اور ہی کچھ ہے

ترے رُخسارِ روشن رشکِ مہر و ماہِ کامل ہیں — ترے انداز۔ تیرے ناز بھی غارتگرِ دل ہیں
وہ اوروں میں کہاں ہیں خوبیاں جو تجکو حاصل ہیں — حسینانِ جہاں میں یوں تو شمع و گل بھی داخل ہیں
مگر یہ تیری صورت پیاری پیاری اور ہی کچھ ہے

سُنے بھی تو اسے ہر دم۔ کہوں بھی میں اگر پیہم — سمجھ میں تیری پھر بھی آئے تو کیا آئے اے ہمدم

نہ ہے یہ نغمۂ شادی نہ یہ ہے نوحۂ ماتم
نہ ہے یہ نالۂ بلبل نہ یہ ہے گریۂ شبنم
مری فریاد ہے کچھ اور زاری اور ہی کچھ ہے

وہی اب مجھ سے کہتے ہیں- مجھے رہنے دو آنکھوں میں
جگہہ کوئی نہ دے کس واسطے ایسوں کو آنکھوں میں
نہ رُک سکتے تھے شوخی سے کبھی دم بھر جو آنکھوں میں
وہ رہتے ہیں تو دل میں وہ جو پھرتے ہیں تو آنکھوں میں
یہ پردہ اور کچھ ہے پردہ داری اور ہی کچھ ہے

ضرورت کیا ہے اسکی پیشی ہو محشر میں یہ جھگڑا
یہیں تو عفو کر دے- ہے جو تجھکو عفو ہی کرنا
قیامت آئے کیوں اِسکے لئے کیوں حشر ہو برپا
گناہوں کو مرے جب پوچھکر بخشا تو کیا بخشا
الٰہی شیوۂ آمرزگاری اور ہی کچھ ہے

اُٹھاتی ہے قیامت اُسکی چشمِ فتنہ زا کیسی
خدا جانے یہ ہے ترکیبِ بزمِ دلربا کیسی
پلٹتی ہے بلا بن بن کے وہ زلفِ دوتا کیسی
کسے کہتے ہیں خاطر- لطف کیا شے ہے وفا کیسی؟
وہاں مہمان کی مہمان داری اور ہی کچھ ہے

نشیلی ہیں- رسیلی ہیں، بہت ہیں چلبلی آنکھیں
نہیں ہیں پھر بھی دل کی تاک سے خالی کبھی آنکھیں
جھکی رہتی ہیں ہر دم نشہ سے جادو بھری آنکھیں
شرابِ حسن سے بدمست ہیں گو آپ کی آنکھیں
مگر اس پر بھی اُنکی ہوشیاری اور ہی کچھ ہے

ترا دل کیا نہیں تیغِ نگاہِ حور کا بسمل
سمجھتا ہے عبث رندوں کو تو تعزیر کے قابل
تمنا جامِ کوثر کی ہے طینت میں تری داخل
فقط اِک بادہ نوشی ہی نہ کی زاہد تو کیا حاصل
ارے اے خود نما پرہیزگاری اور ہی کچھ ہے

اُٹھانا مہر کو رنجِ جدائی- یا ستم سہنا
یہ اپنی اپنی قسمت ہے- یہ اپنا اپنا ہے لہنا
اُڑانا عیش دشمن کو کرم سے مطمئن رہنا
میسّر ہو جو وصلِ یار تو پھر اُسکا کیا کہنا
مگر اے نوح لطفِ بیقراری اور ہی کچھ ہے

خمسہ تضمینِ غزلِ فصاحت مآب بلاغت انتساب جناب منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشینِ حضرت داغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

خدنگ ناز مرے دل کے پار کس کا ہے
بتائے کوئی مجھے جان نثار کس کا ہے
شکار کس نے کیا ہے۔ شکار کس کا ہے
فریفتہ یہ دلِ بے قرار کس کا ہے
یہ ذکر لب پہ مرے بار بار کس کا ہے

ہوئی ہے مدِ نظر کس کو جلوہ فرمائی
یہ کس کے آنے کی بادِ صبا خبر لائی
طوافِ گورِ غریباں کی کس نے ٹھہرائی
بنے ہیں نقشِ قدم دیدہ تمنائی
یہ انتظارِ سرِ رہگذار کس کا ہے

نہ مجھ سے حالِ دلِ مبتلا سنا اُس نے
پھر اور کی یہ نئی قسم کی جفا اُس نے
نہ کی قبول کوئی میری التجا اُس نے
چلا جو بزم سے میں رُو ٹھکر کہا اُس نے
پرائے دل پہ بھلا اختیار کس کا ہے

الٰہی کس نے یہ جلتی ہوئی زباں پائی
یہ سُن کے اور طبیعت ہوئی تمنائی
الٰہی کس کو عطا کی یہ تو نے گویائی
شبِ وصال یہ آواز کان میں آئی
ہجومِ شوق میں اب انتظار کس کا ہے

کسی کو تجھ سے محبت نہ پہلے ایسی تھی
یہ تیرے عشق میں اب اور جان کس نے دی
جو آئی تازہ مصیبت ہمیں نے وہ جھیلی
ہمارے دل کی طرح چھا رہی ہے حسرت سی
تری گلی میں نیا یہ مزار کس کا ہے

بہت رہے ہیں محبت میں خانماں برباد
بس اب تو دل میں یہ آتی ہے اے دلِ ناشاد
سہے ہیں سیکڑوں غم جھیلیں سیکڑوں بیداد
کسی کے ظلم کی جی کھول کر کریں فریاد
کہ خوف اب ہمیں روزِ شمار کس کا ہے

نہ ہم سے ملتے نہ ہم پر کبھی کرم کرتے
گزر گئی ہے یہاں عمر ضبطِ غم کرتے
ستم کئے ہیں جو اب تک وہی ستم کرتے
عدو کے قول کی تردید کیوں نہ ہم کرتے
یہ دیکھنا تھا تمھیں اعتبار کس کا ہے

یہ سمجھے کیا کوئی۔ کیا راز عشق کا جانے
یہ کس نے مجکو کیا ناصبور کیا جانے
یہ کیا خبر ہے مجھے۔ یہ مری بلا جانے
یہ کون مجھ سے ہم آغوش ہے خدا جانے

مری بغل میں یہ دل بیقرار کس کا ہے

جنابِ قہر ستم ہو اگر ستم سہہ لے
نہ سو میں چوکے۔ نہ سو سو ہزار میں چوکے
جو اپنی بات پر آئے تو کیا نہ کر گزرے
ہم ایک عمر سے واقف ہیں خوب بیخود سے
کوئی ابھارے اِسے پھر یہ یار کس کا ہے

خمسہ بر غزل خود مصنّف

فرقت نے بیقرار کیا۔ تم نے کیا کیا
غم نے مجھے شکار کیا۔ تم نے کیا کیا
آنکھوں نے اشکبار کیا۔ تم نے کیا کیا
تیغِ نگہ نے وار کیا۔ تم نے کیا کیا
ہاں اُس نے دل فگار کیا۔ تم نے کیا کیا

پہلے ذلیل و خوار کیا تم نے کیا کیا
اب حشر آشکار کیا تم نے کیا کیا
پھر ظلم اختیار کیا تم نے کیا کیا
جلوہ سرِ مزار کیا تم نے کیا کیا
سوتوں کو بے قرار کیا تم نے کیا کیا

ابتک اُسے یہ طرزِ جفا یاد ہی نہ تھی
دیکھی جو میرے رنج و مصیبت میں کچھ کمی
ایسی نہ بُری تھی۔ نہ ایسی تھی کجروی
اندازِ جور اپنے سکھا کر فلک کو بھی
آشوبِ روزگار کیا تم نے کیا کیا

دے جان اگر کوئی تو بلا سے دیا کرے
مرتے رہیں رقیب ہمیشہ خدا کرے
اِحساس ہی نہ ہو تمھیں کوئی وفا کرے
مرگِ عدو کا رنج تمھاری بلا کرے
آنکھوں کو اشکبار کیا تم نے کیا کیا

تم سے نہیں ہیں بخدا کچھ شکایتیں
ہم سے نہ پوچھو۔ ہم نے اُٹھائیں جو ذلتیں
جھیلی ہیں ساری اِسکی بدولت مصیبتیں
کرنی پڑیں فراق میں دشمن کی منتیں
دل نے ذلیل و خوار کیا۔ تم نے کیا کیا

یا صبح تک اُڑائے رقیبوں سے قہقہے
پیچیدہ ایسے بیٹھ ہوئے کیا معاملے
یا شرم و ندامت کے سبب سے نہ آسکے
وعدے کی شب بتاؤ تو کس شغل میں رہے؟

ہم نے تو اِنتظار کیا۔ تم نے کیا کیا!

بے چین کر کے اُسکو بہت بیقرار ہُوں — کیا جانے قتل ہُوں۔ کہ سزاوارِ دار ہُوں
اپنی نظر میں آپ ہی رُسوا و خوار ہُوں — اے نالہائے نیم شبی شرمسار ہُوں

بار ہم مزاجِ یار کیا۔ تم نے کیا کیا!

ممکن نہیں کہ آنکھ کسی اور پر پڑے — ممکن نہیں کہ دل میں ہوں ارمان اَور کے
تم سے غلط کہے ہیں اُنھوں نے مرسے گلے — غیروں کے کہنے سُننے سے مجُھ سے خفا ہے

ایسوں کا اعتبار کیا تم نے کیا کیا

قطعہ

مانا کہ انتہا کی طبیعت ہے چُلبُلی، — رُکتی نہیں زبان کسی بات پر کبھی
لیکن یہہ دل لگی ہے۔ یہہ ہے چھیڑ کو ہنسی — جب یہہ کہا کہ وعدے کی شب جاگتے گئی

اچھا اُمیدوار کیا۔ تم نے کیا کیا!

تم قول دو تو قول کے پُورے رہا کرو — وعدہ کرو کسی سے۔ تو وعدہ وفا کرو
یوں منتظر بنا کے نہ دھوکے دیا کرو — بولے وہ ہنس کے۔ تم تو نہ ہم سے گِلا کرو

آنکھوں نے اِنتظار کیا۔ تم نے کیا کیا!!

سمجھے تھے عاشقی کو ہنسی ِدل لگی۔ مذاق — اُلفت کی آرزو تھی۔ محبت کا اشتیاق
ہے موت بھی محال۔ اگر زندگی ہے شاق — پھر اب اُٹھاؤ بیٹھے ہُوئے سختیٔ فراق

کس سنگدل کو پیار کیا تم نے کیا کیا

خمسہ بر غزلِ خودمُصنِّف

خال بھی چہرۂ انور کے دکھا دیتے ہیں — پیچ بھی زلفِ معنبر کے دکھا دیتے ہیں
شُعبدے حُسنِ فسُوں گر کے دکھا دیتے ہیں — جلوے اکثر مجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں

تجکو روزن ہی ترے در کے دکھا دیتے ہیں

حوصلے اب دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں — حسرتِ وصل کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں
زیرِ شمشیر گلا دھر کے دکھا دیتے ہیں — لیجئے آپ کو ہم مر کے دکھا دیتے ہیں

صرف کہتے ہی نہیں۔ کر کے دکھا دیتے ہیں

اِک فقط تو ہی نہ بیداد کرے گا جل کر
اِس قدر دل کی نہ لے۔ ہم سے نہ آنا بل کر
اور ایسے ہیں جو رکھ دیں گے کلیجا مل کر
تجکو کیا ناز ہے فتنے تو اُٹھا تو چل کر

سیکڑوں تیرے برابر کے دکھا دیتے ہیں

کون ہے کون ہے وہ۔ ہو گی یہہ پیاری جسکو
قتل کر کے ہمیں پھر قتل کرے گی کس کو
اُس نے رکھا ہی نہیں زندہ کسی مونس کو
لے لگا لیتے ہیں مقتل میں گلے سے اِس کو

لے تری تیغ کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں

ہو گیا رنگ زمانے کا دگرگوں کیسا،
ہے وُہی ظلم۔ وُہی جور۔ وُہی تازہ جفا
ہاں مگر حال نہ بدلا تو نہ بدلا اُن کا
عرصۂ حشر میں بھی ہمکو وہ آنکھیں کیا کیا

سامنے داورِ محشر کے دکھا دیتے ہیں

مل گئی گو ہمیں فرصت ستم بیہم سے
دُور پھر بھی تو نہیں کچھ یہہ تمھارے دم سے
تم نے گو مل کے چھڑایا ہمیں رنج و غم سے
ابھی خوش ہو۔ ابھی ہو جاؤ گے ناخوش ہم سے

اب نہیں۔ بعد گھڑی بھر کے دکھا دیتے ہیں

رشکِ جامِ مئے احمر وہ گلابی آنکھیں
یوں جھکا دیتی ہیں اکثر وہ گلابی آنکھیں
ہیں گلابی سے بھی بہتر وہ گلابی آنکھیں
مجھکو محفل میں دکھا کر وہ گلابی آنکھیں

دَور چلتے ہوئے ساغر کے دکھا دیتے ہیں

سوزِ دل نے ہی دئے داغ مہِ کامل کو
آتشِ عشق تو پگھلاتی ہے بھاری سِل کو
جل گئی شمع بھی معلوم ہے یہہ محفل کو
نہیں ممکن کہ لگی ہو نہ بُتوں کے دل کو

آگ ہم سینے میں پتھر کے دکھا دیتے ہیں

یہہ کبھی ایک جگہ۔ خاص کسی مرکز پر
اِنکے نظّارے سے ہو جاتی ہے تسکین دم بھر
نہیں رہتے نہیں تھمتے نہیں رُکتے دم بھر
برق و سیماب کا دیکھوں نہ تماشا کیونکر

ڈھنگ کچھ یہہ دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں

مجھ سے کہنے کو تو کیا کیا نہیں کہتا کوئی
میں جسے شوق سے سُنتا۔ نہیں کہتا کوئی

کتنے ظالم ہیں اَحِبّا نہیں کہتا کوئی
کب سے مشتاق ہُوں اِتنا نہیں کہتا کوئی
چل اُسے ہم تجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں

حُسن کی دید کو نسبت ہے فقط عاشق سے
کیوں نہ اِس ظلم کے ہر وقت کروں میں شکوے
اُسکو دیکھے بھی کوئی اور تو کیونکر دیکھے
کیا قیامت ہے کہ آئینے کو میرے ہوتے
آپ جلوے رُخِ انور کے دکھا دیتے ہیں

کیا نئی بات ہے یہہ کیوں ہو پریشاں دل میں
پردہ کس کا ہے رہو تم کسی عُنواں دل میں
کہ رہا کرتے ہیں اِنسان کے اِنساں دل میں
اور ہے کون بجز حسرت و ارماں دل میں
رہنے والے تمھیں اِس گھر کے دکھا دیتے ہیں

خاک میں وصل کے ارمان مِلائے ہیں بہت
تنگ جینے سے غمِ ہجر میں آئے ہیں بہت
داغ کھائے ہیں بہت رنج بھی اُٹھائے ہیں بہت
قہر نے لُطف ستم کے تو اُٹھائے ہیں بہت
ناز اُٹھا کر بھی ستمگر کے دکھا دیتے ہیں

مُبارکبادیاں

مُبارکبادئ ولادتِ باسعادتِ جارج وِکرم وکٹر جیواجی راؤ سندھیا ولی عہد ہز ہائی نِس مہاراجہ جنرل سَر مادھو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادُر بہ اَلقابہٖ دام اقبالہٗ فرمانروائے گوالیار

ہم تمھیں دیتے ہیں سرکار مُبارکبادی
اب دکھایا ہے ولی عہد نے جلوہ اپنا
ہو کے اِس نُور سے پُر نُور جو مضموں نکلے
یہہ نرالی ہے۔ انوکھی ہے مُبارک تاثیر
بختِ خوابیدہ کا جب آج مُقدر جاگے
ہے جو برسات تو برسا کے گہر دریا کے

ہو یہہ مسعود و پُر انوار مُبارکبادی
کب سے تھی طالبِ دیدار مُبارکبادی
بن گئی مطلعِ انوار مُبارکبادی
ہو گئے ہیں مرے اشعار مُبارکبادی
کیوں نہ دے طالعِ بیدار مُبارکبادی
دے نہ کیوں ابرِ گہر بار مُبارکبادی

تار بارش کا بندھا ہے نہیں تھمتا پانی
دیئے جاتا ہے لگا تار مبارکبادی

اے مہاراجہ کہے پھر وہ مبارک ہو تمہیں
پائے جب طاقتِ گفتار مبارکبادی

بزم میں دے تمہیں آئینہ نویدِ عشرت
رزم میں دے تمہیں تلوار مبارکبادی

تخت کے نقشِ نگارین تمہیں دیتے ہیں دعا
تاج کے گوہرِ شہوار مبارکبادی

ہر جگہ خلق میں ہے عیش و مسرت کا ظہور
چار دیتے ہیں دعا۔چار مبارکبادی

اِسکی شہرت کہیں ہو گی۔کہیں شہرہ ہوگا
دیں گے گلدستہ و اخبار مبارکبادی

بعد مدت کے یہہ موقع اُسے ہاتھ آیا ہے
دے گا سرکار کو دربار مبارکبادی

اک سے خوش رہو۔اولاد سے تم شاد رہو
ہو مبارک تمہیں سرکار مبارکبادی

ہے خوش آیندِ ولادت کے اثر سے ورنہ
بات ہے اک دمِ اظہار مبارکبادی

ہو کے خوش جب یہہ کہا ذہنِ رسانے مجھ سے
لیجئے ہو گئی تیار مبارکبادی

مجکو یہہ فکر ہوئی اب وہ دعائیں مانگوں
جن سے ہو جائے نمودار مبارکبادی

اے ولی عہد خدا دے تجھے سو سال کی عمر
اور میں دوں تجھے سو بار مبارکبادی

وہ دن اللہ کرے ہو ترے سر پر سہرا
اور دے مہرِ نکوکار مبارکبادی

مبارکباد جشنِ سالگرہ میری کملا راجہ صاحبہ شہزادیِ حضورِ عالی ہز ہائی نس مہاراجہ جنرل سر مادھو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر والیِ گوالیار

وہ آج کملا کی ہے شاندار سالگرہ
نثار جسپہ ہیں اُسکی ہزار سالگرہ

ہوا ہے بھائی۔تو ماں باپ کی نگاہوں میں
بڑھائے کیوں نہ بہن کا وقار سالگرہ

کریں گے یاد کہ قابل ہے یاد کرنے کے
رہے گی یاد کہ ہے یادگار سالگرہ

کیا تھا اِسکو نومبر میں اس لئے پیدا
کہ ہر خزاں میں دکھائے بہار سالگرہ

گرہ لگائی ہے اِس واسطے کلاوے میں
کہ اِس سے ہوتی رہے گی شمار سالگرہ

یہہ وہ گرہ ہے کہ جسکے لگائے جانے کی
رہی ہے سال بھر اُمیدوار سالگرہ

وہ شاہزادے کے ہونے کا جشنِ شاہی تھا
یہہ شاہزادی کی ہے شاہوار سالگرہ

جو شاہزادے کو جشنِ طرب مبارک ہو
تو شاہزادی کو ہو سازگار سالگرہ

دُعا یہہ مہرِ دُعاگو کے لب پہ جاری ہے
اِسی طرح ہوں الٰہی ہزار سالگرہ

مُبارکبادِ جشنِ سالگرۂ حضورِ پُرنُور مہاراجہ جارج جیواجی راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بہ اَلقابہٖ دامِ اقبالہٗ والیِ گوالیار

آج کا دن ہو مہاراج مُبارک تمکو
اور ہو سالگرہ آج مُبارک تمکو

تخت کے تاج کے مالِک بھی ہوئے ہو تم آج
تخت مسعُود تمھیں تاج مُبارک تمکو

اور اِک لال گرہ آج کلاوے میں بڑھی
اور اِک سالگرہ آج مُبارک تمکو

ہے اِکائی سے دہائی جو سوار تبے میں
ہو یہہ نو سال کی سرتاج مُبارک تمکو

یوں تو کہنے کے لئے سالگرہ ہے دسویں
لاکھ میں ایک ہے یہہ آج مُبارک تمکو

آج اِس راج کے ہیں زیرِ نگیں اور بھی راج
یہہ مہاراج۔ مہاراج مُبارک تمکو

جشنِ جمشید کو اِس جشن سے نسبت کیا ہو
وہ اُسے کل تھا یہہ ہے آج مُبارک تمکو

نذر دے کر تمھیں دیتے ہیں دُعا درباری
ہو یہہ دربار مہاراج مُبارک تمکو

دے رہے ہیں تمھیں سرکش بھی مُبارکبادی
ہو نئے ڈھنگ کا یہہ باج مُبارک تمکو

آج ہیں شہر میں آراستہ بازار و مکاں
رونقِ سالگرہ آج مُبارک تمکو

دشت میں بھی یہہ مسرّت ہے کہ ہنگامِ شکار
کہتے ہیں ضیغم و دُرّاج مُبارک تمکو

تار پر تار یہہ باہر سے چلے آتے ہیں
"ہو مہاراج یہہ جشن آج مُبارک تمکو"

آج زر لوٹکر اُسکا جو کھلے ہیں غنچے
مُلکِ دشمن کا یہہ تاراج مُبارک تمکو

مِلتے ہیں منصب و جاگیر۔ خطاب و انعام
بخشنا اِن کا مہاراج مُبارک تمکو

آج اُمید بر آئی ہے برابر سب کی
کہتے ہیں مُنعِم و محتاج مُبارک تمکو

ق

ہے جو یہہ سالگرہ گرہ کُشائے عالم
اور ہے آج مہاراج مُبارک تمکو

کیا عجب مہر کی قسمت کی گرہ بھی کھُل کر
کہدے یہہ فیض کی معراج مُبارک تمکو

—

جس طرح تخت تھا کل تمکو سعید و اسعد
ہو تمھیں سالگرہ آج مُبارک تمکو

صد وسی سال رہے حکم تمہارا جاری
صد وسی سال ہو یہ راج مبارک تمکو

مُبارکبادِ عطائے تمغا و خطاب "سی۔ آئی" بہ حضُور لامع النُور ہر ہائی نس
مہارانی چنکو راجہ صاحبہ سندھیا دام اقبالہا صدر ریجنسی کونسل آف ریجنسی گوالیار

یہ محفل اور یہ جلسا مہارانی مُبارک ہو
تمھیں "سی۔ آئی" کا تمغا مہارانی مبارک ہو
جو شاہوں کو دیا جائے۔ جو شاہوں سے لیا جائے
مُبارک ہے خطاب ایسا۔ مہارانی مُبارک ہو
خطاب اچھا ہے تاجِ ہند کا۔ یہ تاجِ عزّت ہے
تمھیں یہ تاجِ عزّت کا مہارانی مُبارک ہو
یہ تم پر خوب سجتا ہے کہ تم ہو موتیوں والی
یہ تاجِ ہند کا ہیرا مہارانی مُبارک ہو
زبان دی اِس خوشی نے بے زبانوں کو بھی گلشن میں
کِھلا جو پھُول وہ بولا مہارانی مُبارک ہو
مُبارک ہو مُبارکباد لکھنا قہرِ خادم کا
پھر اللہ رکھا اُسے گانا مہارانی مُبارک ہو

مُبارکبادِ عطائے خطابِ دیوان بہادر بموقعۂ تہنیتِ سالِ نو بہ عالیجناب
رائے جے گوپال صاحب اشٹھانا بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی فائننس ممبر گوالیار گورنمنٹ

یہ دریا دل ہیں عادل ہیں۔ یہ فیض رسانِ زمانہ ہیں
یہ نیک نفس۔ دیوان بہادر جے گوپال اشٹھانہ ہیں

مُسرّت یوں تو سالِ نو کی ہر اک سال ہوتی ہے
مُبارک ہے بہت اُنیس سو چونتیس ١٩٣٤ء کا آنا
یہ وہ سالِ مُبارک ہے کہ اِس میں فضلِ یزداں سے
ہوئے "دیواں بہادُر" رائے جے گوپال اشٹھانا
زمانے میں کیا کرتے ہیں نیکی چار۔ چھ۔ دس سے
یہ ایسے نیک ہیں۔ اِنکا زمانے بھر نے گُن مانا
یہ سب پر لُطف کرتے ہیں۔ سبھی کا ہے خیال انکو
سبھی پاتے ہیں اِنسے فیض ناداں ہو کہ ہو دانا
مٹاتے ہیں یہ زورِ طبع سے ہر طرح کی اُلجھن
کوئی کیسی ہی گُتھی ہو انھیں آتا ہے سُلجھانا
بڑے دانا۔ بڑے منصف۔ بڑے پاکیزہ طینت ہیں
اِنھیں آتا نہیں نا منصفی کو کام میں لانا

صد۱۳۰وسی سال ہو یہ راج مبارک تمکو	صد۱۳۰وسی سال رہے حکم تمہارا جاری

مبارکباد عطائے تمغا وخطاب "سی۔ آئی" بہ حضور لامع النور ہر ہائی نس مہارانی چنکور راجہ صاحبہ سندھیا دام اقبالہا صدر نشین کونسل آف ریجنسی گوالیار

یہ محفل اور یہ جلسا مہارانی مبارک ہو
جو شاہوں کو دیا جائے۔ جو شاہوں سے لیا جائے
خطاب اچھا ہے تاجِ ہند کا۔ یہ تاجِ عزت ہے
یہ تم پر خوب سجتا ہے کہ تم ہو موتیوں والی
زبان دی اس خوشی نے بے زبانوں کو بھی گلشن میں
مبارک ہو مبارکباد لکھنا مہرِ خادم کا

تمہیں "سی۔ آئی" کا تمغا مہارانی مبارک ہو
مبارک ہے خطاب ایسا مہارانی مبارک ہو
تمہیں یہ تاجِ عزت کا مہارانی مبارک ہو
یہ تاجِ ہند کا ہیرا مہارانی مبارک ہو
کھلا جو پھول وہ بولا مہارانی مبارک ہو
پھر اِنْدر کا اُسے گانا مہارانی مبارک ہو

مبارکباد عطائے خطابِ دیوان بہادر بموقعہ تہنیتِ سال نو بہ عالیجناب رائے جے گوپال صاحب اشٹھانا بی۔ اے ایل ایل۔ بی فائننس ممبر گوالیار گورنمنٹ

یہ دریا دل ہیں عادل ہیں۔ یہ فیض رسانِ زمانہ ہیں
یہ نیک نفس۔ دیوان بہادر جے گوپال اشٹھانہ ہیں

مسرت یوں تو سالِ نو کی ہر اک سال ہوتی ہے
یہ وہ سال مبارک ہے کہ اس میں فضلِ یزداں سے
زمانے میں کیا کرتے ہیں نیکی چار۔ چھ۔ دس سے
یہ سب پر لطف کرتے ہیں سبھی کا ہے خیال انکو
مٹاتے ہیں یہ زورِ طبع سے ہر طرح کی الجھن
بڑے دانا۔ بڑے منصف۔ بڑے پاکیزہ طینت ہیں

مبارک ہے بہت انیس سو چونتیس ۱۹۳۴ء کا آنا
ہوئے "دیواں بہادر" رائے جے گوپال اشٹھانا
یہ ایسے نیک ہیں۔ انکا زمانے بھر نے گن مانا
سبھی پاتے ہیں اِنسے فیض نادان ہوں کہ ہوں دانا
کوئی کیسی ہی گتھی ہو انھیں آتا ہے سلجھانا
انھیں آتا نہیں ناانصفی کو کام میں لانا

کیوں نہو آنکھ مری جوشِ طرب سے پُر نم
بڑے ارمان سے دیکھی ہے گھڑی سہرے کی

اِک طرف لالہ و گُل - ایک طرف لعل و گُہر
پتّی پتّی ہے جواہر سے جڑی سہرے کی

کثرتِ گُل سے بنا حاصلِ گُلشن سہرا
قابلِ دید ہے ایک ایک لڑی سہرے کی

فرطِ شادی سے دہیں بڑھکے بلائیں لے لیں
رُخِ نوشاہ پہ جب آنکھ پڑی سہرے کی

یہہ دُعا مہر کی ہے دولت و اقبال بڑھے
سہرے والے کو مُبارک ہو گھڑی سہرے کی

سہرا بتقریبِ شادی چودھری سچّدانند سہائے - بی - اے ایل ایل - بی - ایڈووکیٹ لکھنؤ دامادِ مُصنّف

کہوں کیوں نہ آنکھوں کا تارا ہے سہرا
یہہ پیارا ہے دولہ - یہہ پیارا ہے سہرا

یہہ ہو سچّدانند تمکو مُبارک
بڑی آرزو کا تمھارا ہے سہرا

گُندھے ہیں بہت اِس میں ہیرا زمُرّد
مُرصّع جواہر سے سارا ہے سہرا

چمک کر یہہ پھُولوں سے کہتے ہیں موتی
تمھارا نہیں ہے - ہمارا ہے سہرا

کیا پیش جس وقت مالن نے لاکر
مُبارک - مُبارک پُکارا ہے سہرا

بڑھائے گا یہہ عُمر و اقبال و دولت
سعادت کا روشن ستارا ہے سہرا

نہیں مہر کے پاس اِسکے سِوا کچھ
یہہ نذر اُس نے کہہ کر گزُارا ہے سہرا

سہرا بنا بر تقریبِ شادی بابو بھگوان سُروپ رماسٹھولے خلفِ دُوُم مُصنّف

مُبارک ہو نظر کو دیکھنا بھگوان کا سہرا
بڑے ارمان کی بدھی - بڑے ارمان کا سہرا

نہیں بھُولا سماتا اِن جبینِ حُسن آگیں پر
تمنائی تھا کب سے اِس گھڑی اِس آن کا سہرا

زمیں سے آسماں تک کیوں مچی ہی دھوم سہرے کی
فرشتے دیکھنے آئیں گے کیا انسان کا سہرا

رگِ جاں میں پرو کر غنچہء دل اِسکو گوندھا ہے
نہیں دیکھا کبھی آنکھوں نے اِس سامان کا سہرا

جہانِ حُسن و خُوبی میں یہہ اپنے آپ ثانی ہیں
نہ ہے اِس شان کا طرہ - نہ ہی اِس شان کا سہرا

اِسی نے باندھکر سر پر مقدر اسکا چمکایا
نہو ممنون کیوں نوشاہ کے احسان کا سہرا

دعائے عمر و دولت دے کے اہلِ بزم کہتے ہیں
کہا ہے قہر تم نے یہہ نئے عُنوان کا سہرا

سہرا بتقریبِ شادی بابو گوبند سُروپ رماسٹھولے عُرف منوہر سہائے۔ ایم اے۔ ایم۔ او۔ ایل خلفِ سوم مُصنّف

دُھوم شادی کی مچائی ہے ترے سہرے نے
یہہ گھڑی ہمکو دِکھائی ہے ترے سہرے نے

کیوں گلِ عیش نہ بن جائیں دلِ اہلِ نظر
کہ کلی دل کی کِھلائی ہے ترے سہرے نے

ماہ و پرویں سے زیادہ گُلِ تر ہیں روشن
یہہ ضیا حُسن کی پائی ہے ترے سہرے نے

یوں سَرِ بزم نہ کرتے یہہ چٹک کر باتیں
بات غنچوں کی بنائی ہے ترے سہرے نے

سَر جُھکانا ترے قدموں پہ۔ ترے سَر چڑھنا
یہہ ادا کس کی اُڑائی ہے ترے سہرے نے

تجکو مسعود و مُبارک ہو یہہ گوبند سُروپ
محفلِ عیش سجائی ہے ترے سہرے نے

آرزوؤں سے تمناؤں سے بندھکر سر پر
قہر کو شکل دکھائی ہے ترے سہرے نے

سہرا بتقریبِ شادیِ بابو بدری پرشاد ورماسٹھولے بی کام خلفِ چہارم مُصنّف

کون کہتا ہے کہ ہے یہہ گُلِ تر کا سہرا
دل کا ٹکڑا ہے مرے لختِ جگر کا سہرا

ہو نہ کیوں بزمِ طرب اِسکی ضیا سے روشن
بدر ہے بدری پرشاد کے سَر کا سہرا

جس نے دیکھا نہو دیکھے وہ مری آنکھوں سے
رگِ گُل۔ رشتۂ جاں۔ تارِ نظر کا سہرا

فرقِ نوشاہ پہ کیا خُوب ہے پگڑی کی پھبن،
اور طُرّے پہ ہے طُرّہ گُلِ تر کا سہرا

پہلوؤں میں جو اِدھر ہے گُلِ تر کی بندھی
تو اُدھر فرق پہ ہے لعل و گہر کا سہرا

نگہِ شوق ہے اپنی کہ بندھی جاتی ہے
اور اِک سہرے پہ ہے تارِ نظر کا سہرا

کیوں نہ اے قہر سمائے یہ مری آنکھوں میں
ہے مرے نُورِ نظر۔ لختِ جگر کا سہرا

سہرا بتقریبِ شادیِ بابو جگناتھ پرشاد ورماسٹھولے خلفِ پنجم مُصنّف

باندھکر جب مرا نُورِ نظر آیا سہرا
آنکھ کی راہ سے دل میں اُتر آیا سہرا

غنچۂ خاطرِ احباب کھلانے کے لئے
دیکھکر دیدۂ انجم سے فلک کہتا ہے۔
چاندنی رات جو شادی کے لئے ٹھہرائی
بنکر اِک گلشنِ گلہائے تر آئی بدّھی
تھا جو اسکو نظرِ بد سے بچانا لازم
بنگیا عقدِ ثریا وہیں سر کا طرّہ
کیوں نہ مسعود و مبارک ہو جگن کی شادی
قہر۔ اے قہر یہ ہے شیام بہاری جی کی

بزم میں صورتِ بادِ سحر آیا سہرا
کب زمیں پر کوئی ایسا نظر آیا سہرا
چاندنی رات کا بنکر قمر آیا سہرا
لیکر اِک معدنِ لعل و گہر آیا سہرا
پردہ بنکر رُخِ نوشاہ پر آیا سہرا
مہِ تاباں یہ جو طرّہ نظر آیا سہرا
جاہ و اقبال کی لے کر خبر آیا سہرا
بندرابن میں جو تجکو نظر آیا سہرا

سہرا بنا بر تقریبِ شادی بابو سورج پرشاد ورما سٹھولے خلفِ اصغرِ مصنّف

گلزارِ محبت سارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
ہو کیوں نہ منوّر اِس سے جبیں کیونکر نہ جبیں یہ چمکے
موتی حق اپنا جاتے ہیں گندھکر سہرے کی لڑیوں میں
وہ زیبِ گلو۔ یہ زینتِ سر۔ یوں بھی یہ ہے اُس سے برتر
بکھری ہیں صبا کے جھونکوں سے جس دم رُخ پر اسکی لٹیاں
"ہو عمر بڑی اقبال بڑھے بہ دولت ہو فرزوں خوش حال رہے"
ہے قہر یہ نذرِ شادی بھی شادی کی مبارکبادی بھی

پیارا ہے سورج پیارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
قسمت کا روشن تارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
کلیاں کہتی ہیں ہمارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
کب بار سے بازی ہارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
حوروں نے آکے سنوارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
سر پر بندھکر یہ پکارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
یوں کہنا کام تمھارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا

سہرا بتقریبِ شادی چودھری کشن پرشاد خلفِ چودھری امبکا پرشاد صاحب رئیس بازار جھاؤلال لکھنؤ

سمایا ہر نظر ہر دل میں سہرا
لٹکنے کو چمکنے کو برابر
گھڑی سہرے کی جب ناں باپ دیکھیں

رہا سہرے کے سر محفل میں سہرا
گل و گوہر بنے شامل میں سہرا
کرے گھر کیوں نہ اُنکے دل میں سہرا

تماشائی ہیں اِسکے اہلِ محفل	ق	تماشا بن گیا محفل میں سہرا
کشن پرشاد باندھیں اپنے سر پر		یہہ رکھتا تھا تمنا دل میں سہرا
ہوئی پوری وہ حسرت آج اسکی		نظر آیا ہمیں محفل میں سہرا
ادائیں اِسکی کیا کیا دلنشیں ہیں		کھُبا جاتا ہے کیا کیا دل میں سہرا
مُبارک امبکا پرشاد کو ہو		سرِ نوشاہ پر محفل میں سہرا
عجب کیا قہر زُہرہ گائے اگر		حریم جو دھری منزل میں سہرا

سہرا بتقریب شادی حافظ ریاض احمد صاحب ریاض داماد جناب مولوی محمد نُوح صاحب نُوح تاج الشعرا جانشین حضرت داغ دہلوی رئیس و تعلقہ دار نارہ الہ آباد

زیب دیتا ہے جبیں پر تری کیا کیا سہرا	کیوں نہ پیارا ہو کہ ہے پیارے کا پیارا سہرا
ہو مُبارک تجھے نوشاہ یہہ تیری شادی	ہو مُبارک تجھے نوشاہ یہہ تیرا سہرا
اہلِ محفل بھی کریں سیرِ بہارِ گلشن	خوب مالن نے گلِ تر سے یہہ گوندھا سہرا
اِس سے بڑھکر ہو کوئی تو کوئی دیکھے اُسکو	سارے عالم کی نگاہوں میں سمایا سہرا
رشک پیدا نہ کہیں ہو چمن و دریا میں	گُل و گوہر کا بنا اِس لئے دُہرا سہرا
غنچہ غنچہ کھِلا جاتا ہے نہیں جوشِ نشاط	اپنے جامے میں نہیں پھُولا سماتا سہرا
لڑتی ہیں دیکھنے والوں کی نظر سے لڑیاں	نظرِ بد کا نگہبان ہے کیسا سہرا
رکھکر اِخلاص بنا اور بنی کا باہم	نُوح کی حسرتِ دل پُوری کریگا سہرا
تجکو مسعود دو سزاوار و مبارک ہو ریاض	کس محبت سے لکھا قہر نے تیرا سہرا

سہرا بتقریب شادی قاضی سید بختیار حسن وکیل نُور آباد ریاست گوالیار خلف قاضی سید مقصود حسن صاحب حیرت مرحوم شاہجہانپوری تلمیذِ خاص حضرت داغ

بندھا جو سر پہ دُرِ آبدار کا سہرا	ہزار کا بھی ہُوا سو ہزار کا سہرا
نہ باغبان نے دیکھا۔ نہ جوہری نے سُنا	اِس آب و تاب کا۔ ایسی بہار کا سہرا

برابر اسکے کروڑوں میں ایک بھی تو نہیں،
بلائے تو کوئی اِس سے ہزار کا سہرا

زمرّدیں سرِ دستار ہے اگر طرّہ
تو ہے جبیں پہ گُلِ نو بہار کا سہرا

یہ دَورِ عیش و طرب آج ہے تو وُہ نہیں
پلائے جامِ مے خوش گوار کا سہرا

بنا بنی کی جو شادی رچی ہے ساون میں
بنے نہ کیوں رگِ ابرِ بہار کا سہرا

رواں جو ہے سرِ نوشاہ پر سرِ توسن
سوار دیکھتے ہیں شہسوار کا سہرا

گلے کا ہار بنی ہے اِسی لئے بدّھی
کہ دے سکیگا نہ کچھ کام ہار کا سہرا

بنیں گے آرسی مصحف کے وقت تارِ نگاہ
رُخِ عُروس پہ نوشہ کے پیار کا سہرا

لڑی لڑی جو پرُوئی ہے رشتۂ جاں سے
ضرور ہے یہ کسی جاں نثار کا سہرا

خلوصِ دل سے دُرِ نظم نذر کرنے کو
لکھا ہے قہر نے یہ بختیار کا سہرا

سہرا بتقریب شادی کتخدائی سیّد اقبال احمد نقوی فرزندِ ارجمندِ جناب سیّد حکیم احمد صاحب نقوی۔ بی۔ اے۔ بدایونی سینیر ممبر کورٹ آف وارڈس گوالیار

اگرچہ گُل سے بھی۔ گوہر سے بھی رفعت ہے سہرے کی
سر اقبال احمد پر ہے۔ یہ قسمت ہے سہرے کی

مبارک ہو مرے نوشاہ۔ یہ تجکو مبارک ہو
بڑی چاہت۔ بڑے ارمان کی ساعت ہے سہرے کی

زباں سے تو بیاں اِسکی خوشی کا ہو نہیں سکتا
مگر دل جانتا ہے خُوب جو عشرت ہے سہرے کی

عجب شاداب پھولوں سے اِسے مالن نے گوندھا ہے
مشامِ جاں بھی جس سے تر ہے وہ نکہت ہے سہرے کی

چٹک غنچوں کی لڑیوں میں کہے جاتی ہے رہ رہ کر
کہ اِک منھ بولتی تصویر کی صورت ہے سہرے کی

چُکائے مول دل سے۔ جان سے کیونکر کوئی اِسکا
نہ وہ قیمت ہے سہرے کی نہ یہ قیمت ہے سہرے کی

یہ گُل ہیں شوخ چشم اُنکی تو آنکھیں بند کیا ہوتیں
مگر پردہ رُخِ پُرنور کا حیرت ہے سہرے کی

رُخِ نوشاہ کا آئینہ اپنے پاس رکھتا ہے
نصیبے کا سکندر ہے بڑی قسمت ہے سہرے کی

رہے کیونکر نہ تابِ رُخ سے ہر گُل سرنگوں اسکا
ملائے آنکھ تجھ سے یہ کہاں طاقت ہے سہرے کی

جو سر چڑھکر بھی سر کے بَل سرِ دامن تک آیا ہے
لگے آنکھیں ترے قدموں سے یہ حسرت ہے سہرے کی

بنا عقدِ ثریا طرّہ۔ خطِ کہکشاں بدّھی
یہ دیکھی! آسمان والوں میں کیا عزت ہے سہرے کی

اسی سے چہرۂ سیمیں آج چہرۂ عنبریں میں ہے
رخِ روشن کے پورے چاند پر ظلمت ہے، سہرے کی

اٹھے گا کس طرح پھر آرسی مصحف میں چہرہ دلہن کا
اگر دولہا دلہن کے رخ سے یہ الفت ہے، سہرے کی

بچاتا ہے یہ ایسی ویسی نظروں سے ترے رخ کو
جبینِ حسن آگین پر یہی خدمت ہے، سہرے کی

اسے پا کر بھلا کیونکر نہ دل ماں باپ کا خوش ہو
بڑی دولت ہے سہرا بھی بڑی دولت ہے، سہرے کی

بنا اچھی بنی لائے بنی اچھا بنا پائے
یہی شادی ہے شادی کی یہی بہجت ہے، سہرے کی

حکیم احمد تمھیں فرزند کی شادی مبارک ہو
ملے سہرے سے ہمکو آج جو راحت ہے، سہرے کی

بزرگ اس خانداں کے ہیں جنابِ ذوالفقار احمد
انھیں کے دم سے یہ عزت ہے، یہ حرمت ہے، سہرے کی

تعجب کیا اگر حوریں بھی آکر گائیں یہ سہرا
یہاں بزمِ طرب ہے، خلد میں شہرت ہے، سہرے کی

یہاں ہم کل بھی آئے تھے یہاں ہم اب بھی آئے ہیں
جو وہ دعوت تھی رخصت کی تو یہ خدمت ہے، سہرے کی

کلام اچھا کلیم اچھے۔ یہ مہرِ اقبال منزل ہیں
بہت پیاری۔ بہت بھری ہوئی صحبت ہے، سہرے کی

سہرا بتقریبِ شادی پنڈت کرشن نارائن کول۔ بی۔ اے۔ فرزندِ ارجمند جنابِ پنڈت لاڈلی پرشاد صاحب کول ڈپٹی انسپکٹر جنرل میونسپلٹیز ریاست گوالیار

اسی دن کی دعائیں مانگتے تھے پھول سہرے کے
سمائیں آپ میں کیسے آج پھولے پھول سہرے کے

بندھا ہے کرشن نارائن کے جب سر پر تو محفل میں
پتنگے بن گئے ہیں شمعِ رخ کے پھول سہرے کے

ترے چہرے پہ چمکاتے ہیں۔ مہکاتے ہیں سہرے کو
دہکتے لعل لڑیوں کے۔ مہکتے پھول سہرے کے

نظر آنے لگا حسنِ رخِ نوشاہ سہرے میں
کچھ اس انداز سے مالن نے گوندھے پھول سہرے کے

مہک اٹھے دماغ اہلِ محفل یک بہ یک کیا کیا
صبا نے جب گھڑی آ کر کھلائے پھول سہرے کے

دکھائیں کھل کے کلیوں نے بہاریں اپنی اب دیکھیں
نکالیں کیا نرالے شاخسانے پھول سہرے کے

زباں رکھ کر بنا پہلو نزاکت کا نکالا ہے
کیا کرتے ہیں آنکھوں سے اشارے پھول سہرے کے

اڑی ہیں گلشنِ فردوس تک وہ انکی خوشبوئیں
کہ رضواں کو بھی یہ حسرت ہے دیکھے پھول سہرے کے

جھکا کر ہم نے گردن دل کی آنکھوں سے انھیں دیکھا
نہ جب دم آنکھ کے تل میں سمائے پھول سہرے کے

چمک کر آسماں پر کہہ گئے تارے شبِ شادی
زمیں پر ہم اگر ہوتے تو بنتے پھول سہرے کے

[1] ف - پورا چاند - [2] ف - اندھیری رات -

انھیں کو دیکھتا ہے چشمِ حیرت سے جسے دیکھو،
بنے ہیں آئینہ حیراں بنا کے پھول سہرے کے

یہہ دیکھی بادہ خواروں کی کرامت بزمِ شادی میں
برس کر جب کھلا بادل تو برسے پھول سہرے کے

جو دولہا کے رُخِ پُرنور سے ہر گُل مہِ نو ہے
دُلھن کی بھی جبیں پہ ہیں ستارے پھول سہرے کے

بلائیں لینے والی ماں رُخِ نوشاہ کی۔ دیکھا!
بلائیں لے رہے ہیں آج کتنے پھول سہرے کے

مبارک لاڈلی پر شاد کو ہو دیکھنا سہرا
کہ ہیں اُنکی تمنا کے دعا کے پھول سہرے کے

خوشی سی ہے خوشی اِس بیاہ کی شادی سی شادی ہے،
کھلے جاتے ہیں دل ہی دل میں اپنے پھول سہرے کے

اب اِس پر ایسی ویسی اک نظر بھی پڑ نہیں سکتی
محافظ ہیں رُخِ نوشہ کے سارے پھول سہرے کے

ملے عمرِ خضر۔ بختِ سکندر۔ دولتِ قاروں
یہہ کہکر چمکے موتی۔ اور مہکے پھول سہرے کے

یہہ کی ہے خوب گلکاری۔ تمہارا مہر کیا کہنا
بنائے ہیں گلِ مضموں سے اچھے پھول سہرے کے

نویدِ شادی بابو شیام بہادر خلف منشی پریم نارائن صاحب تحصیلدار نورآباد۔ گوالیار

مئے گلرنگ ہے گلشن ہے۔ گھٹا چھائی ہے
خوب رندانِ قدح خوار کی بن آئی ہے

زینتِ باغ اِدھر ہے گُل و ریحاں کی بہار
رونقِ دشت اُدھر لالۂ صحرائی ہے

اِک طرف دشمنِ ایماں ہے نگاہِ نرگس
اِک طرف توبہ شکن سبزے کی انگڑائی ہے

کیوں نہ ایسے میں بنیں شیام بہادر دولھا
عیش کا وقت ہے عشرت کی گھڑی آئی ہے

صاحبِ جبلِ صلہ جھانسی ہیں جو لکھتے شوخ بھان
اُنکی دختر سے یہ نسبت ابھی ٹھہرائی ہے

اُنکے فرزند وہیں ہیں۔ وہیں جائے گی برات
اِلتجا آپ سے اب یہہ بہ جبیں سائی ہے

آئیے۔ کیجئے یہہ میری تمنا پوری
دل مرا آپ کی شرکت کا تمنائی ہے

آپ آکر جو مرے گھر کو کریں گے گلزار
تو یہہ سمجھونگا مرے گھر بھی بہار آئی ہے

اِس قدم رنجہ کی کیوں قدر نہو گی مجھکو
یہہ قدم رنجہ مری منزلت افزائی ہے

رُباعیات

پایا تو نشاں ہے بے نشانی تیرا
دیکھا تو مکاں ہے لامکانی تیرا

زیبا ہے تجھی کو نازیکتائی پر　　تیرا نہ عدیل ہے نہ ثانی تیرا

ولہٗ

نظروں سے کبھی چھپا نہ دیکھا نہ سُنا　　چھُپنے میں بھی بے ضیا نہ دیکھا نہ سُنا
پردے رہے اور ضونمودار رہی　　اِس حُسن ساخودنما نہ دیکھا نہ سُنا

ولہٗ

دیوانہ ہُوا ہے۔ کب مداراتیں ہیں　　یہہ قہر پریوشوں کی سب گھاتیں ہیں
سر پر بھی نہ چار اُنگلیاں جو رکھیں،　　وہ بات کریں کسی سے؟ یہہ باتیں ہیں

ولہٗ

اِس پردے کی خوب پردہ داری نکلی　　دیکھا تو نہ چھاؤں تک تمھاری نکلی
فرقت میں ہماری جان تڑپانے کو　　نکلی بھی تو دل کی بے قراری نکلی

ولہٗ

ہیں اور بھی تو جہاں میں حسرت والے　　لیکن نہیں دیکھے ایسے اُلفت والے
دیدیتے ہو اپنی جان بھی دل دے کر　　اے قہر ہو تم نئے محبّت والے

قطعاتِ تاریخی

قطعۂ تاریخ وفاتِ حسرت آیاتِ بُلبُلِ ہندوستان دبیرالدولہ ناظم یارجنگ بہادر فصیح الملک نوّاب میرزا خانصاحب داغ دہلوی اُستادِ مصنّف

عید کے دن ماتمِ اُستاد سے　　حشر برپا قہر ہر محفل میں ہے
بیوفائی کیوں نہ کرتی زندگی　　بیوفائی اِسکی آب و گِل میں ہے
اُٹھ گیا دُنیا سے اُستادِ جہاں　　اب جہاں کی شاعری مشکل میں ہے
دُوسرا اُبھرا اب فصیح الملک سا　　کون اِس اُجڑی ہوئی منزل میں ہے
داغ کے مرنے سے دِلّی مرگئی　　داغ دونوں کا دلِ عاقل میں ہے

یہہ تو سب سچ ہے۔ مگر ماتم ہے کیوں؟	یوں زمانہ کیوں غمِ باطل میں ہے!
زندۂ جاوید کی کیسی وفات!	داغ زندہ ہر کسی کے دل میں ہے
اے اجل تو کیا مٹائے گی اُسے	کس لئے اِس سعیِ بیجا صل میں ہے
وہ کہاں تیرے مٹانے سے مٹا	داغ تو اب بھی مہ کامل میں ہے
مصرعِ تاریخ سے ظاہر ہُوا	"دیکھ اجل اب داغ سب کے دل میں ہے"

قطعۂ تاریخِ اِنتقالِ پُرملال عالیجناب منشی کنہیا لال صاحب وکیل ہائی کورٹ، گوالیار پدرِ بزرگوارِ مصنّف

سایۂ قہر پدر جب سر سے اُسکے اُٹھ گیا	رہ گیا زیرِ فلک جب قہرؔ بے مہر پدر
اُس نے رو رو کر لکھا یہہ مصرعِ سالِ وفات	"ذرۂ ناکارہ ہے اب قہرؔ بے مہر پدر" ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخِ رحلتِ پُرحسرت عالیجناب منشی مصری لال صاحب سررشتہ دار پنشنر گوالیار عمِ نامدارِ مصنّف

حیف کیسا صدمۂ جانکاہ ہے یہ مرگِ عم	جس سے عشرت خانۂ دل خانۂ ماتم ہُوا
ہو کے غمگیں لکھدیا یہہ سالِ رحلت قہرؔ نے	"اِنتقالِ عم سے ہمکو آہ بیدا غم ہُوا" ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ وفات منشی چھوٹے لال صاحب زمیندار و رئیس بدایوں و ممبر میونسپل بورڈ شہر۔ برادرِ خالہ زاد مصنّف دیوان حسب فرمایشِ اہلیۂ مرحوم و مغفور بہ صنعتِ توشیح،

۱	آہ چھوٹے لال صاحب یہہ نہ تھی ہمکو خبر	دُور اس دُنیا میں اتنا کم رہے گا آپ کا	۴
۵۰	نام رہ جاتا ہے باقی۔ نام باقی ہو فقط	قدرداں اس نام سے عالم رہے گا آپ کا	۱۰۰
۱۰	یہہ نہ تھا معلوم ہمکو آپ رہنے کے نہیں	ہم رہیں گے اور ہمکو غم رہے گا آپ کا	۵
۵	ہو گیا یہہ عمر بھر کا بیٹنا اب تو ہمیں ؎	کیا کوئی دو چار دن ماتم رہے گا آپ کا	۲۰

۱	اب تو ہم ہیں اور غم ہے ہمارے دم کے ساتھ	دَم میں جب تک دم رہے گا غم رہیگا آپ کا	۴
۴	دردِ دل کس کو سُنائیں۔ سُننے والا کون ہے	آپ ہی سُن جائیں اگر۔ دم رہیگا آپ کا	۱
۸۰۰	ضبط کی تاکید کیوں ہے۔ ضبط سے کیا فائدہ	ضبط کرنے سے تو دل میں غم رہیگا آپکا	۸۰۰
۷	زہراب کیوں دے نہیں دیتے عزادار و نکو آپ	اِس طرح کب تک بھلا ماتم رہیگا آپکا	۱
۹۰	صُنعتِ توشیح میں تاریخ لکھی قہر نے	ہر سرِ مصرع سے پیدا غم رہیگا آپکا	۵
۹۶۸	۱۹۰۸ء		۹۴۰

قطعہ تاریخ ترتیب دیوانِ چراغِ سُخن مصنفہ جناب منشی حُب لال صاحب رعد تلمیذِ خاص حضرتِ داغ دہلویؒ

کیے ہیں کیسے "چراغِ سخن" نے دل تسخیر	کوئی یہ حُب کا عمل ہے کہ سحر سازی ہے
یہ قہر نے سرِ اِخلاص سے کہی تاریخ	"جناب رعد کی اچھی سخن طرازی ہے"

+۱ ۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخِ وفاتِ ابوالخیال نواب ناظم علی خاں صاحب ہجر شاہجہاں پوری تلمیذِ ارشد حضرتِ داغ دہلویؒ

ہجر کو چھین لیا جلد اجل نے افسوس	رہگیا دل پہ جہاں کے سُخنِ ہجر کا داغ
حضرتِ ہجر کی ہجرت کا یہ سالِ ہجری	لکھدیا قہر نے آخر "محزنِ ہجر کا داغ"

۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخِ طبع جلد سوم تذکرۂ خُمخانۂ جاوید مؤلفہ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیسِ اعظم دہلی

طربِ و عیش کا آنکھوں میں سمایا تھا سماں	کھُبی جاتی تھی نظر میں گُل و ریحاں کی بہار
تھا غضب جلوۂ نیرنگیٔ خوبانِ چمن	تھی ستم شیوۂ بدمستیٔ مستاں کی بہار
موسمِ گُل کی ہوا تے وہ ہوا باندھی تھی	کہ اِک اِک برگِ خزاں تھا چمنستاں کی بہار
شاملِ فصلِ بہاری جو ہوئی تھی برسات	تھی عجب روح فزا ابرِ بہاراں کی بہار

کثرتِ عیش سے بدلی تھی یہہ غم کی صورت — وصل کی شب سے سوا تھی شبِ ہجراں کی بہار
دشتِ پُرخار میں بھی دیکھ کے سبزے کی نمود — یاد آتی تھی بہت کوچۂ جاناں کی بہار
پھُول بن بن کے نکلتے تھے شرارے دل سے — پھُلجھڑی جیسی تھی آہِ شرر افشاں کی بہار
دیکھکر اِسکو کلی دل کی نہ کھلتی کیوں کر — اِک نئے ڈھنگ کی تھی اِک نئے عنواں کی بہار
شادو بشاش تھا جی۔ خوش تھی طبیعت میری — اور چہرے پہ کھلی تھی دلِ شاداں کی بہار
پھُول جھڑتے تھے دہن سے مرے ہنگامِ کلام — قابلِ دید مگر تھی لبِ خنداں کی بہار
مجکو حیرت تھی یہہ کیا بات ہوئی بارِ خدا — نظر آئی ہے جو یوں عیشِ فراواں کی بہار
غیب سے آئی وہیں کان میں میرے آواز — دلکش اِس وجہ سے ہے اب کے زمستاں کی بہار
تذکرہ رائے سری رام نے جو لکھا ہے — جسپہ سَو جان سے قرباں ہے گلستاں کی بہار
جس کا خمخانۂ جاوید ہے تاریخی نام — جس کا ہر جام ہے میخانۂ مستاں کی بہار
جسکا ہر غنچہ ہے گلزارِ سخن کی زینت — جس کا ہر پھُول ہے رخسارِ حسیناں کی بہار
جسکا ہر حرف ہے معنی و بیاں کا زیور — جس کا ہر لفظ ہے اُردو کے دبستاں کی بہار
جسکے عنوان یہہ ہے مدحتِ آصف مرقوم — جسپہ ہے خاتمِ محبوب علی خاں کی بہار
تیسری جلد اُسی کی یہہ چھپی اب کے برس — دیکھئے اِس میں ہر اک طبعِ غزلخواں کی بہار
انتخابِ سُخن اِس طرح کیا ہے جس سے — نظر آتی ہے اِک اِک شعر میں دیواں کی بہار
پُوچھنا نظم کا کیا۔ نثر بھی وہ لکھی ہے — جس کا ہر فقرہ ہے نظمِ دُرِ غلطاں کی بہار
کاغذ اچھا ہے۔ چھپائی ہے نہایت اچھی — لَوح رنگیں بھی ہے رنگِ رُخِ خوباں کی بہار
طبعِ رنگیں کا جو لکھنا تھا مجھے رنگین سال — دیکھکر چہرے سے میرے دلِ جویاں کی بہار
مُجھ سے ہاتف نے کہا کس لئے خاموش ہو تم — "یُہہ بنی جلدِ سُوم گلشنِ رضواں کی بہار"

۱۹۱۵ء

دیگر

کیا سری رام دہلوی نے یہہ — تذکرہ لاجواب لکھا ہے!
شاعروں کے کلام کا اِس میں — انتخاب اِنتخاب لکھا ہے
ہیں سوانح بھی زندگی کے درج — عُمر کا بھی حساب لکھا ہے

جلدِ ثالث یہہ اُس کتاب کی ہے
اس میں ہیں جلوہ گر فصیح الملک[1]
کیا ہو اُنکے کلام کی تعریف
اور بھی شاعروں کے شعروں کا
ہو نہ کیوں اسکا یہہ شباب حسن
سب نے جب اس کتاب کو پڑھکر
قہر نے اس کا زُبر دیتن میں

جسکو با آب و تاب لکھا ہے
کیا فصاحت کا باب لکھا ہے
جو لکھا لاجواب لکھا ہے
بیمثال انتخاب لکھا ہے
اس میں حسنِ شباب لکھا ہے
منتخب۔ لاجواب لکھا ہے
سال بھی "انتخاب لکھا ہے" ۱۳۲۳ھ

دیگر

ہیں سری رام ایک دہلی کے رئیس
تذکرہ لکھا اُنھوں نے اِک ضخیم
کی ہے محنت ساہا سال اِس قدر
ہم بھی دیکھیں کوئی اب اِک دُوسری
ہے جو یہہ قہر انتخابِ منتخب

علم میں۔ خلق و کرم میں لاجواب
ہے وہ اُردو نظم کا نادر نصاب
کردیا برباد سب عہدِ شباب
لکھ تو دے اتنی بڑی۔ ایسی کتاب
اِسکی ہے تاریخ۔ "عطر انتخاب" ۱۳۲۳ھ

دیگر

سری رام کا وصف کیا کیا کروں میں
سُخنور نہیں۔ تو سُخن فہم ہیں وہ
لکھا تذکرہ وہ اُنھوں نے کہ جس کا
یہہ ہے تیسری جلد اُس تذکرے کی
اِسے دیکھکر میں دعا دے رہا ہوں
نہ سوچو۔ نہ سمجھو۔ نہ پُوچھو۔ نہ ڈھونڈو
کہو قہر اِنکار کا سر اُڑا کر

وہ عالم۔ وہ فاضل۔ وہ قابل۔ وہ لائق
سُخن سے ہیں یوں بھی تو اُن کے علائق
بڑی مدّتوں سے زمانہ تھا شائق
لکھائی۔ چھپائی ہے سب اِسکی فائق
کہ ہو یہہ الٰہی پسندِ خلائق
اگر مصرعۂ سال کے تم ہو شائق
"سری رام کی کانِ تالیفِ فائق" ۱۳۲۳ھ

دیگر در صنعت نادر

بتائیدِ یزدان و فضلِ الٰہ

چو لالہ سری رام رنگین رقم

[1] خطاب حضرت داغ دہلوی رح۔

رقم کرد خمخانۂ شاعراں
بہ نادر جمل سالِ خمخانۂ قہر
کہ از نشۂ بادہ اش سرخوشم
بدیہہ نوشتم "سُرورِ دلم"
۱۹۱۵ء

قطعۂ تاریخِ وفاتِ منشی عبدالرحیم خلفِ منشی کریم بخش ساکن مرادآباد

جو شد عبدالرحیم از دارِ فانی
بہ فکرِ سالِ رحلت۔ قہر۔ از غیب
دلِ پیر و جواں صیدِ قلق شد
ندا در نادر آمد "جاں بحق شد"
۱۳۳۴ھ

قطعۂ تاریخِ طبعِ دیوانِ چراغِ سخن مصنفۂ منشی حب لال صاحب رعد تلمیذِ خاصِ حضرتِ داغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

معطر ہے اہلِ سخن کا دماغ
سخن فہم سمجھیں نہ اسکو سخن
جو شعر و سخن میں تھا فضل و کمال
کوئی کتنی ہی مدح اُن کی کرے
مبارک ہو اُردو کو اُردو کے سر
لکھی قہر نے اسکی تاریخِ طبع

یہ مہکے ہیں گلہائے بستانِ رعد
یہ نکلا ہے سینے سے ارمانِ رعد
وہ چھوٹا نہ تا حدِّ امکانِ رعد
زیادہ ہے اُس سے کہیں شانِ رعد
رہے گا ہمیشہ یہ احسانِ رعد
"چھپا خوب دلکش یہ دیوانِ رعد"
۱۳۳۴ھ

دیگر ذو قافیتین

کہا ہے یہ رعد نے وہ دیواں کہ جائے اپنا دل اسپے قرباں
عجب ہے یہ حسن کا مرقع غضب نرالے حسین ہیں اسکے
کسی کا سجدے میں سر جھکا ہے۔ تو کوئی زیرِ قدم مٹا ہے
بٹھا کے رندوں کو میکدے میں۔ بلا کے ساقی نہ ہوش کو
فراق کے بعد وصلِ جاناں سے کی ہے یہ بات خوب ثابت
بتا دیا ہے کہ عشق اچھا مگر نہیں اُس میں شرکت اچھی

بیان کی ہے جدائی اچھی۔ بیاں کیا ہے وصال اچھا
کسی نے یہ سب کہی پائی اچھی۔ کسی نے پایا جمال اچھا
کسی نے کی جبہ سائی اچھی کوئی ہوا پائمال اچھا
صراحی گل کی بنائی اچھی بنایا جامِ سفال اچھا
بھلائی سے ہے برائی اچھی۔ اگر ہو اُسکا مآل اچھا
رقیب سے ہے لڑائی اچھی۔ رقیب سے ہے ملال اچھا

ہوئے ہیں خوش شعر کہنے والے۔ ہوئے ہیں خوش شعر سننے والے
یہہ شاعری ہے کمائی اچھی۔ یہہ شاعری ہے کمال اچھا
چھپا یہہ جس دم کلامِ رنگیں ہوا مرا دل بھی فکر آگیں
لکھائی اچھی چھپائی اچھی۔ کہو کوئی قہر سال اچھا
میانِ بزمِ سخن سے فوراً صدا مرے کان میں یہہ آئی
"زبان شیریں۔ صفائی اچھی بیان دلکش خیال اچھا"
۱۹۱۵ء

دیگر

ہو گیا طبع رعد کا دیوان
وقتِ ترتیب تھا "چراغِ سخن"
۱۹۱۴ء
لوگ آنکھوں میں دیں جگہہ اسکو
کتنا شیریں کلام ہے۔ گویا
دلِ حُسّاد و نکتہ چیں کے لئے
حضرتِ داغ اب کہاں باقی
شعر کہنا ہو تو اسے پڑھئے
ایک اک شعر ہے زبانوں پر
مصرعِ سالِ طبع لکھدو قہر

آپ اپنی نظیر اب یہہ ہے
رشکِ ماہِ منیر اب یہہ ہے
نذرِ چشمِ بصیر اب یہہ ہے
خود شکر اور شیر اب یہہ ہے
تیز پیکانِ تیر اب یہہ ہے
اُنکا فیض اخیر اب یہہ ہے
وجہِ نفعِ کثیر اب یہہ ہے
کس قدر دلپذیر اب یہہ ہے
"سخنِ بے نظیر اب یہہ ہے"
۱۹۱۵ء

دیگر

وہ دیوان چھپا حضرتِ رعد کا
جسے دیکھکر سب نے کی واہ واہ
ہوا جب یہہ روشن چراغِ سخن
جلے اپنے دل میں بہت کینہ خواہ
ہوئی روشنی اسکی کچھ ایسی تیز
کہ خیرہ ہوئی حاسدوں کی نگاہ
کہا بکرمی سال یہہ مہر نے
"چراغِ سخن کیا چھپا آج واہ"
۱۹۷۲ ب

دیگر

زمانے کو تھا جس کا شوقِ دیدار
چھپا اب وہ کلامِ رعدِ یکتا
اگر ہے طبع کی تاریخ مطلوب
لکھوائے قہر "نظمِ عالم آرا"
۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخ غسلِ صحت جناب مولوی محمد نوح صاحب نوح رئیس و تعلقہ دار نارہ

ضلع الہ آباد ارشد تلمیذ حضرتِ داغ دہلوی

قہر مہجور تھا بہت غمگیں
دلِ اندوہگیں یہ تھی ہر دم
بھائی وہ نوحِ ناروی جن پر
میر کی سادگی ہوئی ختم
حُسن ہے وہ بیان میں اُنکے
جب سے تکلیف سخت تھی اُنکو
بارے فضلِ حکیمِ مطلق سے
جب سُنا نوح ہو گئے اچھے
اب طبیعت بحال اُن کی ہے
سالِ صحت کی فکر ہوتی کیا
بے سرِ یاس لکھدی یہہ تاریخ
جب سے رنجور اُسکے تھے بھائی
رنج و آلام کی گھٹا چھائی
ہو گئی ختم نظم آرائی
حضرتِ داغ کی زباں پائی
اہلِ دہلی ہیں جسکے شیدائی
کوئی سختی کی تھی گرہ آئی
آگئی راس چارہ فرائی
جان میں جانِ قہر کی آئی
یہہ خبر کر گئی مسیحائی
تھی جو دل میں زبان پر آئی
"حضرتِ نوح نے شفا پائی"
۱۹۱۶ء

قطعۂ تاریخ سرفرازیِ خطاب عالیجناب سید التفات رسول صاحب ہاشمی
تعلقہ دار جلال پور۔ رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی

ہوئے ہیں خان بہادر اب التفات رسول
کہا یہہ قہر نے سالِ نشاط خوش ہو کر
دعائیں دیتے ہیں اقبال و عُمر کی احباب
"ملا ہے خان بہادر کا باشکوہ خطاب"
۱۹۱۶ء

قطعۂ تاریخ ملاقاتِ نوح و قہر در لشکر پایہ تخت گوالیار

وہ گرمی کی شدت وہ بارش کا موسم
سرِ دل سے اے قہر تاریخ لکھدو
کیا ہے سفر کتنی زحمت اُٹھا کر
"ملے قہر سے نوح لشکر میں آکر"
۱۳۳۴ھ

قطعۂ تاریخ عطائے خلعت و مسندِ سرداری وزارت مآب سوائی سرخیل نمست،

چندروجی راؤ صاحب آنگرے سردار ریاست گوالیار

مُبارک ہو سرینت آنگرے صاحب مُبارک ہو
مِلا ہے آپ کو خلعت ۔ ملی ہے آپ کو مسند
یہی تھی آرزو سب کی یہی ارمان تھا سب کا
سُناؤ قہر تم اب سال یہ مسند نشینی کا

عطا کی ہے پھر اب مادھو مہاراجہ نے سرداری
خدا چاہے گا تو جاگیر بھی ہو جائے گی جاری
کہ دیکھیں آپکو پہنے ہوئے پوشاکِ درباری
"ملی پھر آنگرے صاحب کو زیبِ قومِ سرداری"
۱۳۳۵ھ

قطعۂ تاریخِ طبعِ دیوان جناب نوابناظم علی خاں صاحب ہجر مرحوم رئیس شاہجہانپور ارشد تلمیذ حضرتِ داغ دہلوی رح

ہجر کا دیوان کیا اچھا چھپا
قہر لکھدو تم بھی یہ تاریخِ طبع

خود کلامِ ہجر ہے توصیفِ ہجر
"گلشنِ اعجاز ہے تصنیفِ ہجر"
۱۳۳۵ھ

قطعۂ تاریخِ طبعِ دیوان جناب عبدالمجید صاحب ازل اسسٹنٹ دفتر چیف انجینیر انہار پنجاب و تلمیذِ خاص حضرتِ داغ دہلوی نوراللہ مرقدہٗ

واہ کیا کہنا ازل ۔ کیا آپنے دیوان لکھا
مژدہ اسکے طبع ہونے کا سُنا جب قہر نے

جو غزل اس میں لکھی وہ دلکش و زیبا لکھی
طبع کی تاریخ "تنظیمِ انجمن آرا" لکھی
۱۳۳۶ھ

دیگر

ہے وہ معشوقِ معانی آج دیوانِ ازل
عیسوی سن میں لکھو یہ مصرعِ تاریخ قہر

ہر ادا چُبھتی ہے جسکی دل میں مثلِ نوکِ تیر
"بے بدل کیا لُعبت چیں ہے یہ دیوان بے نظیر"
۱۹۱۶ء

دیگر

عبدالمجید ازل کا اچھا چھپا یہ دیوان
اُنیس سو چوہتر ۔ ہے سالِ طبع اس کا

شُہرہ ہو کیوں نہ اسکا ہندوستاں میں گھر گھر
تاریخ قہر لکھدو تم ۔ "بے نظیر ۔ برتر"
۱۹۷۴ب

قطعۂ تاریخ وفاتِ واقفِ فنِ سُخن ماہرِ عَرُوض و قوافی مولوی سیّد عبدالاحد شمشاد لکھنوی منیجر مدرسۂ چشمۂ رحمت غازیپور

خلق میں اے قہر جب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا
بکرمی نکلا اجل کے قلب سے سالِ وفات

آفتابِ آسمانِ نظم و راوی عروض
"چل بسے عبدالاحد شمشاد حادیٔ عروض"
۱۹۷۴ ب

قطعۂ تاریخ انتقالِ پُرملال جنابِ قاضی عزیزالدین رخشاں جیوری شاگرد جنابِ احسان شاہجہانپوری

جا کے رخشاں نے کیا جس دم وطن میں انتقال
حشر برپا گھر میں گھر والوں کے اِن نالوں سے تھا
رو کے اب مُنہ دھوئیں کیا ہم جب عزیزالدین ہی
کیا غضب ہے ساتھ اپنے لے گئے عارف[1] کو بھی
مزرعۂ دل ہیں نہالِ غم ہرا کیوں کر نہ ہو
اپنے بھائی کے لئے پھر کیوں نہ ہو غمگیں ریاض[2]
فرطِ غم سے ہے کہاں احباب کو اپنی خبر
صبر کرنا چاہیئے۔ بے صبر ہونا ہے فضول
یہ سمجھ لو ایک دن ہم سب کو ہونا ہے جُدا
تھی اُدھر تاکیدِ ضبطِ غم۔ اِدھر یہ حال تھا
صبر مشکل تھا مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا
قہرِ غمگیں نے سُنایا اُنکو یہ سالِ وفات

سب عزیز و آشنا مصروفِ ماتم ہو گئے
"ہائے کیسے لُٹ گئے"، "کیسے نصیبے سو گئے"
عُمر بھر کو مُنہ ہمارا آنسوؤں سے دھو گئے
کیا ستم ہے چار دن میں۔ ایک گھر سے دو گئے
مرنے والے مر کے تخمِ غم اس میں جب اُسکا بو گئے
جب ہمیشہ کے لئے وہ زیرِ تُربت سو گئے
وہ لگائیں کھوج کیا اُنکا۔ جو خود ہی کھو گئے
وہ نہیں آتے ہیں پھر کر۔ اِس جہاں سے جو گئے
اُنکو ہونا تھا جُدا ہم سے۔ جُدا وہ ہو گئے
اِنکو سمجھانے جو آئے۔ وہ بھی آکر رو گئے
صبر کر کے صبر کرنے والے گُم صُم ہو گئے
شابرو۔ قاضی عزیزالدین جنت کو گئے
۱۹۱۸ء

قطعۂ تاریخ وفات نعیم النسا زوجۂ سیّد تفضل حسن فسح پوری منیجر لبدر فیکٹری گوالیار

---

[1] نام برادرِ مرحوم۔ [2] ریاض الدین ریاض۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔

چو رفت زوجِ تفضّل حسن فتح پوری
نوشت قہرؔ بہ سالِ مسیح سالِ وفات
از زین جہان و بہ گلزارِ خُلد گشت مقیم
"شُدہ پسندِ نعیم النسا ریاضِ نعیم"
۱۹۱۸ع

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوان شاہ سیّد حامد حسین حامدؔ سجّادہ نشینِ درگاہِ شاہِ ارزال دیوان واقع عظیم آباد پٹنہ و تلمیذ حضرت داغؔ دہلوی رح

شاہِ حامد حسین حامدؔ کو،
زیبِ درگاہِ شاہِ ارزاں ہیں،
حضرتِ داغؔ سے تلمّذ ہے،
خود بھی اِک خوش بیان شاعر ہیں
طبع اُنکا ہُوا ہے اب دیواں
کیا ترو تازہ ہیں گلِ مضموں
یہہ پئے روشنئِ بزمِ سُخن
بادۂ عشق و عاشقی کے لئے
اِسکے چھپنے کی عیسوی تاریخ

فقر میں بھی فراغ اچھّا ہے
یہہ پتا یہہ سُراغ اچھّا ہے
شعر میں رنگِ داغؔ اچھّا ہے
فکر اچھّی۔ دماغ اچھّا ہے
یہہ گلِ باغِ داغؔ اچھّا ہے
شاعری کا یہہ باغ اچھّا ہے
گوہرِ شب چراغ اچھّا ہے
جام اچھّا ایاغ اچھّا ہے
قہرؔ لکھہ "فیضِ داغؔ اچھّا ہے"
۱۹۲۰ع

دیگر

شاہِ حامد کا بہ فضلِ ذُوالمِنَن
سالِ ہجری طبع کا پُوچھیں اگر
چھپ گیا دیوان رشکِ گلستاں
قہرؔ کہدو "باغِ گلبرگ بیاں"
۱۳۳۸ھ

دیگر

چھپ کے حامد حسین کا دیواں
قہرؔ۔ تاریخ سوچتے کیا ہو
عارضِ حُسن کا بنا ہے جمال
"نورِ عارض"۔ ہے اِسکا فصلی سال
۱۳۲۷ف

قطعۂ تاریخ رحلت جناب منشی ونایک پرشاد صاحب طالبؔ بنارسی تلمیذِ خاص حضرتِ داغؔ دہلوی رح

زمزمے اب طالبِ خوش فکر کے باقی نہیں
رہگیا قالب ہی قالب حیف ہے افسوس ہے

قہرؔ اس خاموشیٔ دائم کی یہہ تاریخ لکھ
”ہو قضا لب دوزِ طالبؔ حیف ہے افسوس ہے“
۱۳۳۸ھ

قطعۂ تاریخ وفاتِ منشی عابد علی خوشنویس گوالیار

اُٹھ گیا دُنیا سے فنِّ خوشنویسی یک قلم
ہوگیا عابد علی جادُو رقم کا اِنتقال

قہرؔ کو تاریخِ صُوری معنوی کی فکر تھی
دی ندا ہاتف نے ”ہے تیرہ سو اُنتالیس سال“
۱۳۳۹ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوانِ دُوم طُوفانِ نُوح مُصنفۂ جنابِ تاج الشُعَرا ناخدائے سُخن مولوی محمّد نوحؔ رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع اِلہ آباد۔ جانشینِ حضرتِ داغؔ دہلوی رح

چھپا یہہ دُوسرا دیواں بہت خوب
بہت ہو خُوبصورت اِسکی تاریخ

اِسے تھی اِس میں چھپنے کی تمنا
نکالے اب یہہ حسرت اِسکی تاریخ

مُراد اِسکو یہہ مُنہ مانگی مِلی ہے
منائے اِسکی عشرت اِسکی تاریخ

جنابِ نُوحؔ کا طُوفان ہے یہہ
بڑی ہے در حقیقت اِسکی تاریخ

فصاحت کے بہائے اِس نے دریا
یہہ دیتی ہے شہادت اِسکی تاریخ

کلامِ جانشینِ داغؔ یہہ ہے
بہت پائے گی عزّت اِسکی تاریخ

ہُوا یہہ آپ مشہورِ زمانہ
اِسے کیا دے گی شہرت اِسکی تاریخ

یہہ خود تاریخ حُسن و عشق کی ہے
کہے کیا کوئی حضرت اِسکی تاریخ

یہہ ہے جانِ بیاں۔ کانِ معانی
نہو کیوں بیش قیمت اِسکی تاریخ

کرے آخر کہاں تک قہرؔ تعریف
سُنیں اہلِ بصیرت اِسکی تاریخ

جو ہے یہہ شاعرِ فاضل کا دیواں
تو ہے ”زیبِ فضیلت“ اِسکی تاریخ
۱۳۳۹ھ

قطعۂ تاریخِ طبعِ مجموعۂ نظم موسُوم بہ ”رفیقِ مسلم“ مصنفۂ منشی احمد دراز خان

عاجز تلمیذِ تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی

کلام پُر لطف ہے سرا پا بتائے قہر اسکے حسن کیا کیا
ہوئی ہو فتحِ جہاں جو دیں سے۔ تو اسکا یہ سالِ طبع سُنئے

لکھا ہے اچھا چھپا ہے اچھا۔ نہایت اچھا ہے خوشنما ہے
"جنابِ عاجز۔ رفیقِ مسلم کلامِ قومی جہاں کشا ہے"
۱۳۴۹ھ

قطعۂ تاریخ طبع دیوانِ "برقِ تخییل" مصنفہ جناب ابوالتوقیر منشی منظور احمد صاحب افسرؔ امروہی

کس قدر پُر سوز ہے۔ پُر درد ہے طرزِ بیاں
اِک مرقع ہے نیاز و ناز کا سارا کلام
کیوں نہ سمجھیں پھر اسے ہم اِک کتابِ حسن و عشق
مِل گئی اِسکی زبانِ چاپ سے تاریخ قہر

دردمندانِ محبت کی یہ گویا جان ہے
عاشقوں کا دین معشوقوں کا یہ ایمان ہے
عشق کا سرمایہ اِس میں حسن کا سامان ہے
"خوب افسرؔ کا دُرِ نایاب یہ دیوان ہے"
۱۳۴۲ھ

دیگر

جب سُنا یہ چھپ رہا ہے "برقِ تخییل" آج کل
سالِ فصلی طبع ہی کے دل سے نکلا فی البدیہ

کیا کہے قہر اُسکو کیسا قہر کا جی خوش ہُوا
"خوب افسرؔ کا کلیدِ عقل یہ دیوان چھپا"
۱۳۳۳ فصلی

قطعۂ تاریخِ وفاتِ عبد الغنی فرزندِ ڈاکٹر ریاض الدین صاحب سنبھلی اسسٹنٹ سِول سرجن گولبار

ریاض الدین کو اے مرگِ فرزند
گئے لشکر سے لکھوا کر یہ تاریخ

دیا جب تُو نے غم عبد الغنی کا
"ہُوا ہمکو الم عبد الغنی کا"
۱۳۴۲ھ

قطعۂ تاریخ طبع دیوان "شہرۂ آفاق" مصنفہ منشی غلام حسین خاں آفاقؔ بنارسی تلمیذِ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حضرتِ جلیل مانکپوری

پڑ رہی ہے آج جس پر ایک عالم کی نگاہ
کیوں نہو ہر شعر اس کا غیرتِ شعرِ حزیں

کہدیا دیوان ایسا۔ تھا یہ کام آفاق کا
جانتے ہیں سب بنا رس ہے مقامِ آفاق کا

ہر سخن اپنی جگہہ رکھتا نہیں اپنا جواب
کوئی بندش۔ کوئی پہلو حُسن سے خالی نہیں
جو اسے پڑھتا ہے ہو جاتا ہے دل سے معتقد
پُر ضیا اسکی ضیا سے اِس طرح آفاق ہو
"شہرۂ آفاق" جسکا نام ہی رکھدیں جلیل
قہرؔ اس دیوان کی تاریخ بھی تم یہ کہو

یا رُباعی۔ یا غزل۔ یا ہے سلام آفاق کا
اللہ اللہ رے سُخن میں اِہتمام آفاق کا
جو اسے سُنتا ہے پی لیتا ہے جام آفاق کا
جس طرح آفاق میں روشن ہو نام آفاق کا
وہ سخن کیونکر نہ ہو مشہور عام آفاق کا
"شہرۂ آفاق ہے بیشک۔ کلام آفاق کا"
۱۳۴۳ف

قطعۂ تاریخ وفاتِ منشی ہمّت سہائے صاحب سکسینا بریلوی وکیل و مجسٹریٹ گوالیار

قہرؔ نیکی کا صلہ ہمّت سہائے
وہ نہیں نکلیں گے۔ نکلے گا مگر
خُلد میں پائیں خدائے پاک سے
سالِ رحلت۔ "خاطرِ غمناک" سے
۱۹۲۱ع

قطعۂ تاریخ تعمیرِ خانہ باغ جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی بدایونی بی۔اے۔ سکریٹری جوڈیشل ڈپارٹمنٹ گوالیار

چو سید حکیم احمد این خانہ باغ
مسیحی رقم کرد تاریخ قہرؔ
بنا کرد در رشکِ ریاضِ نعیم
"عدیم البدل خانہ باغ حکیم"
۱۹۲۸ع

قطعۂ[1] تاریخ طبع دیوان "دُرِّ یکتا" مصنفہ منشی شنکر سروپ صاحب مفتون مشکوہ آبادی تلمیذ حضرت نوح ناروی جانشین حضرت داغ رح

کلام اپنا جو چھپوایا کیا احسان "یہ مفتوں" نے
نہ سمجھیں کیوں کسی کی یادگار مرگ وہ اسکو
جناب نوح جو ہیں جانشیں داغِ سخنور کے
نہ ہو پھر کیوں زمانہ اس کے اک اک شعر پر مفتوں
بھلا کیا خاک ہوگی اس سے نسبت گنج قاروں کو

دعائیں دے رہا ہے دل انھیں ہر اُنکے ممنوں کا
کہ ہے اب تو یہی آرام اُنکی جانِ محزوں کا
یہ دیواں ہے دُرِ مکنوں انھیں کے فیضِ مکنوں کا
کہ ہے جو شعر اسکا وہ اثر رکھتا ہے افسوں کا
یہ دولت ہے معانی کی۔ خزانہ ہے یہ مضموں کا

[1] بعد کو معلوم ہوا کہ یہ دیوان ابھی طبع نہیں ہوا ہے۔

سنِ ہجری میں سالِ طبع اسکا قہر یہہ لکھدو
"چھپا ہے دُرِ یکتا" آج یہہ دیوان مفتوں کا
۱۳۴۸ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوان "سوزِ بیدل" مصنفۂ شیخ محمد دلاور بیدل متوطن سہارنپور وخود ساکنِ حال گزرِ گنج پشاور تلمیذِ خاص امیر الکلام حسّان الہند حضرتِ غریب مرحوم ومغفور سہارنپوری

شاعرانِ نغز گو ہیں آجکل
حضرتِ بیدل بھی ہیں اک خوش کلام

یہہ دلیری ہے مگر کس لطف کی
ہیں تو بیدل۔ ہے دلاور اِنکا نام

رہنے والے ہیں سہارن پور کے
اور رکھتے ہیں پشاور میں قیام

ہیں یہہ تلمیذِ غریبِ نکتہ داں
شاعری میں جنکا برتر تھا مقام

مانتے ہیں یہہ فصیح الملک[1] کو
تھے جو فخرِ ہند۔ اُستادِ نظام

اور جو اُن سے ہوئے ہیں فیضیاب
کرتے ہیں اُنکا بھی دل سے احترام

دل سے ہیں دِلّی کی بولی پر فدا
اور ہیں پلّے پر اُس کے صبح وشام

ہیں یہ قادرِ نظم کی ہر صنف پر
ہو غزل۔ یا ہو رُباعی۔ یا سلام

واقفِ فنّ رموزِ شعر ہیں
جانتے ہیں خوبیاں اِسکی تمام

ہیں غرض بیدل نہایت پختہ کار
مانتے ہیں اسکو سارے خاص وعام

"سوزِ بیدل"۔ اِنکا دیوان بے بدل
چھپ رہا ہے اب بہ حسنِ اہتمام

فارسی۔ اُردو۔ جو توام اِس میں ہیں
مثلِ جوزا ہے دو پیکر یہہ کلام

خوب پرکھا ہے اِنھیں صرّاف نے
ہو نہیں سکتے ہیں کھوٹے اِسکے دام

بیٹھکر پردہ نشیں کے دھیان میں
دل سے آنکھوں کا لیا ہے خوب کام

چال سے طاؤس کی دے کر مثال
حُسن والوں کا دکھایا ہے خرام

اُف رے جذبِ عشق کی نیرنگیاں
کُفر دیں رکھتے ہیں اس میں ایک نام

گو یہہ حُسن وعشق کا میخانہ ہے
ہیں مئے عرفاں کے بھی کچھ اس میں جام

یہہ دو رنگی اسکی کرتی ہے عیاں
ہوگا یہہ دیوان مقبولِ انام

[1] خطاب حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم

اِسکے چھپنے کا کہو یہ سالِ مہرؔ	"حضرتِ بیدل کا ہے رفیع کلام" ۱۹۱۱ء

قطعۂ تاریخ انتقال زندہ دل خوش بیاں میاں بنّے خاں متوطن رام پور مقیم لشکر گوالیار

باعثِ تفریح تھا جس کا وجود	اُسکی اب ترکیبِ جسم و جاں نہیں
کہدیا یہ مہرؔ نے سالِ وفات	"آہ غم! موجود بنّے خاں نہیں" ۱۹۳۳

قطعۂ تاریخ طبع دیوان موسوم "مشہورِ آفاق" مصنفہ منشی غلام حسین خاں آفاق بنارسی تلمیذ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مانکپوری

جو نام آفاق کے دیواں کا چھپ کر	ہُوا زیبِ زباں "مشہورِ آفاق"
تو سالِ طبع اُسکا مہرؔ نے بھی	لکھا "مشکورِ جاں مشہورِ آفاق" ۱۳۵۳ھ

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات شاعرۂ یگانۂ زمانہ جناب بیگم فخر النسا صاحبہ حجاب شاہجہانپوری ارشد تلمیذہ حضرت جلال لکھنوی مرحوم و مغفور

جو زندگی میں بل نہیں سکتے کسی طرح	آرام بے حساب وہ ہیں اَمنِ خُلد میں
غمگیں ہو مہرؔ کس لئے تاریخ کہہ کے دیکھ	"فخر النسا حجاب وہ ہیں امنِ خُلد میں!" ۱۹۱۳ء

تقریظ منظوم جلد سوم تذکرۂ "خمخانۂ جاوید" مولفہ لالہ سری رام صاحب ایم اے رئیس اعظم شہر دہلی

ہر بات جہاں میں شعرا کی ہے نرالی	ہو واقعہ کوئی کہ ہو مضمونِ خیالی
جادو کا اثر رکھتی ہے تقریرِ دل آویز	اِنکا کوئی مضموں نہیں تاثیر سے خالی
یارب کوئی ٹکسال ہے یا اِنکی طبیعت	سانچے میں ڈھلی نکلی ہے جو مُنھ سے نکالی
وہ مال ہے پونجی سخنِ نغز کی اِن کے	جس کا بجز اِنکے کوئی وارث ہے نہ والی
آزردہ کسی حال میں اِن کو نہیں دیکھا	جاتی نہیں اِنکے کبھی چہرے کی بحالی
چُپ بیٹھے تو قربان خموشی ہوئی لب پر	کی بات تو ہر بات میں اِک بات نکالی
اِس طرح چہکتے ہیں یہ گلزارِ سخن میں	گویا روشِ بلبلِ خوش لہجہ اُڑالی
سیکھے کوئی اِن لوگوں سے اندازِ تکلّم	رندوں سے جو کی بات تو زہّاد پہ ڈھالی
جو بات یہ کہہ دیں گے پھر اُس سے نہ ہٹینگے	ہٹ جائیں اگر قطبِ جنوبی و شمالی

ہر پھُول سے یہہ گُوندھتے ہیں ہارِ سُخن کے
جب ڈھونڈتے ہیں سُرخیٔ لب کی کوئی تشبیہہ
ہر چشم گُہر بار کے اشکوں سے بنا کر
مرجاتے ہیں اندازِ خموشی پہ کسی کے
اللہ رے نزاکت نہ دہَن ہے نہ کمر ہے
دیکھو تو انھیں پیار کی باتوں میں انھوں نے
جس طور سے چاہیں یہہ کریں صرف زرِ نظم
جی چاہا تو جاگی ہوئی قسمت کو سُلایا
دل میں جو سمایا کوئی اندازِ جُنوں کا
صحرا میں لگی پیاس تو صحرا میں پئے اشک
زاہد کی مذمت سے کیا ہے کبھی جی خوش
یا ہجر کی شب بند کئے دل میں سب ارماں
یا دل ہی میں اک شوخ کو مہمان بُلا کر
جنّت میں بھی دُنیا کے حسیں یاد رہے ہیں
عشق انکا مگر پاک ہے، عاشق ہیں یہہ اسیر
لاتے نہیں یوں چھُپ کے یہہ میخانے سے بوتل
یہہ رندِ سیہ مست ہیں صہبائے سُخن کے
گلرنگ مئے نابِ سُخن پیتے ہیں ہر وقت
خُمخانۂ جاوید سے مے اِن کو پلا کر
دُنیا میں بھی اِنکے لئے اک بحرِ کرم نے
اب اِس میں یہہ سب زندۂ جاوید رہیں گے
خمخانۂ جاوید ہے یا بزمِ سُخن ہے
یہہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جسکے سُخنور

ہے اِنکی طبیعت چمنِ نظم کی مالی
گلشن سے یہہ پھُولوں کی اَکڑ لاتے ہیں لالی
موتی کی پنہا دیتے ہیں یہہ کان میں بالی
جی جاتے ہیں سُنکر لبِ خاموش سے گالی
یہہ سب سے جُدا رکھتے ہیں معشوقِ خیالی
کس پیار سے اُردو کی زباں تھی کبھی پالی
قُدرت نے اِنھیں سونپی ہے اِس گنج کی تالی
بن آئی تو بگڑی ہوئی تقدیر بنالی
مجنُوں کی طرح سر پہ دہیں خاک اُڑالی
رستے میں لگی بھُوک تو ٹھوکر کوئی کھالی
میخانے کی تعریف سے رِندوں سے دُعا لی
یا وصل کی شب حسرتِ دل خُوب نکالی
آئی ہوئی سر پر سے گھڑی ہجر کی ٹالی
اللہ رے اِن لوگوں کی آشفتہ خیالی
ہے دل کے مرقع میں جو تصویرِ جمالی
واعظ کی پڑی آنکھ تو دامن میں چھُپالی
اِنکے لئے آتی ہے گھٹا جھُوم کے کالی
خالی کبھی رہتی ہی نہیں اِن کی پیالی
ساقیٔ ازل نے کئے خُم سیکڑوں خالی
خمخانۂ جاوید کی بنیاد یہہ ڈالی
صُورت یہہ نئی اِن کی بقا کی بھی نکالی
ہیں اِس میں ہزاروں شُعَرا ماضی و حالی
رکھتے ہیں وہ رُتبہ جو ہے اعلیٰ سے بھی عالی

اِس تذکرے میں اب وہ نظر آتے ہیں ہمکو
جن لوگوں کی صورت نہ کبھی دیکھی نہ بھالی

اِنکے لئے دیکھے ہیں کئی ہند کے قصبے
اِنکے لئے چھانے ہیں بہت شہر و حوالی

دَولت بھی مُصیبت بھی اُٹھائی ہے بہت کچھ
جب جا کے مِلے یہ دُرِ مضمونِ خیالی

مشہور سُخنگویوں کے حالات لکھے ہیں
گمناموں کی گُمنامی پہ اِک روشنی ڈالی

شاعر جو گرے جاتے تھے پھر اُنکو اُبھارا
بے قدری نے جو بات بگاڑی تھی بنالی

ایک ایک کے اِس طرح کئے مُنتخب اشعار
جس طرح پرُکھتا ہے کوئی لعل و لآلی

کلیاں جنھیں ہر طرز کی ہر باغِ سُخن سے
ہر رنگ کے پھُولوں سے بنائی ہے یہ ڈالی

حالات دلآویز ہیں اشعار ہیں دلکش
دیکھے اِنھیں اب آنکھ جو ہو دیکھنے والی

اُٹھنے کی اُٹھائے سے کسی کے نہ جہاں میں
یہ پوٹ جو اِحسان کی ہے باندھکے ڈالی

مِٹنے سے بچایا ہے فنِ شعر و سُخن کو
یہ لالہ سری رام کی ہے ہمّتِ عالی

ہیں نیک دل و نیک مَنِش نیک طبیعت
دل اُنکا ہے بُغض و حسد و رشک سے خالی

فاضل نہیں۔ ہیں وُہ رئیس افضال کے وارث
عالم نہیں۔ ہیں مملکتِ علم کے والی

ہے شوق لڑکپن سے اُنھیں شعر و سُخن کا
اِس کام کی بُنیاد اِسی شوق نے ڈالی

اِس کام کا کیا کہنا۔ یہ وہ کام ہے جس سے
مُردوں کو کیا زندہ۔ تو زندوں سے دُعا لی

دیدے کے رُپے سیکڑوں دیوان لئے ہین
ایسوں سے جنھوں نے یہ گراں جنس چھپالی

اُن لوگوں کے دیوان بھی چھپوائے اُنھوں نے
شُہرت کو سمجھتے تھے جو اِک خام خیالی

بالیں پہ گئے اُن کی جو دم توڑ رہے تھے
دَب جاتی جو ساتھ اُنکے وہ دولت بھی نکالی

تلچھٹ سے کیا صاف اِک اِک جامِ سُخن کو
اِک اِک کی پیالی یونہیں آنکھوں سے کھنگالی

چمکایا ہے ہر طرح غرض اہلِ سُخن کو
صورت شُعَرا کی بخدا خوب سنبھالی

ہندو کی مُسلمان کی تفریق نہیں یہ کچھ
ہے قابلِ تعریف یہ آزاد خیالی

یہ تذکرہ مجموعہ ہے اشعار کا نادر
تاریخِ سُخن ہے یہ زمانے سے نرالی

دو جلدیں اِسی تذکرے کی پہلے چھپی ہیں
اب تیسری جلد اِسکی یہ چھپوا کے نکالی

اِس جلد میں جتنے شُعَرا جلوہ نما ہیں
ہے مرتبہ اُنکا مری تعریف سے عالی

یوں اِسکی سفیدی و سیاہی ہے نمایاں — جس طرح کوئی رات ہو اُجلی کوئی کالی
ہے خوب لکھائی۔ تو چھپائی بھی ہے مرغوب — ہے نور کے سانچے میں بہر طور یہ ڈھالی
کیا آب ہے کیا تاب ہے اِس جلد کی واللہ — حسّاد نے بھی دیکھ کے جان اپنی جلالی
ہے دیکھکر اسکو یہ دعا مہر لب پر — اللہ کرے اور بڑھے ہمّتِ عالی

اشعارِ متفرق محاورات

الف

باوفا۔ بے مہر۔ اِتنا کوئی کیوں ہونے لگا — مجھ سا کوئی۔ آپ جیسا کوئی کیوں ہونے لگا
ستم کیا نہ فلک نے۔ نہ جور تو نے کیا — مجھے خراب مرے دل کی آرزو نے کیا
ہم موردِ الم نہیں ہوتے۔ یہ کیا ہوا! — اب وہ ترے ستم نہیں ہوتے۔ یہ کیا ہوا!
کہا جب اس نے لا کھوں داغِ اُلفت ہیں تو وہ بولے — اِدھر آؤ۔ دکھاؤ تم جگر۔ میں یوں نہ مانونگا
نہیں ہوتا ہے جب دل ہی کسی کا — بھروسا کیا کرے کوئی کسی کا
مری اِلتجا سُن کے اُس شوخ نے — عدو سے کہا۔ آپ کو دیکھنا!!
لڑتے ہو غیر سے تم۔ لڑتا ہی غیر تم سے — میری خطا نہیں ہے مجکو نہ سان لینا
میرے پہلو میں تڑپنے سے ملی اُسکو نجات — دل نے تیری زلف میں اپنا ٹھیتا کر لیا
دل تو ہے اپنے کہے کا۔ اُس سے میں کچھ کیوں کہوں — وہ نہ مانا ہے۔ نہ مانے گا کبھی میرا کہا
یونہیں بلا تھا۔ قہر تھا۔ آفت تھا وہ حسین — بانکی ادا نے اور بھی اُس کو اُڑا دیا
وہ کہتے ہیں جب چاہو تصور میں بلا لو — اب اُنکے نہ آنے کا گماں ہو نہیں سکتا
لطف ہوتا جو تجھے دادِ طلب لیجاتے — ڈھونڈتا تیرا نگہباں سرِ محشر پھرتا
پھر اِن میں محبت کے جو مضمون بھرے ہیں — پڑھتے ترے اشعار ہی دیکھا جسے دیکھا
اُلفت میں حسینوں کی اداسکے سوا کیا ہے — دل اپنا فدا کرنا انگشت نما ہونا
یہ شیوہ کیا تری نظروں نے اختیار کیا — کسی کو خوار کسی کو امید وار کیا
اُف رے اُف رے نگہِ ناز کی یہ ہشیاری — دل بھی لینا تو اُسے ٹھوک بجا کر لینا

دے مجھے اب آسماں کچھ اور کھانے کے لئے
نہ کٹتی ہے۔ نہ ڈھلتی ہے۔ نہ جاتی ہے قیامت ہے
کسی پر نہیں زور چلتا کسی کا
اب کیا کروگے نالہ و فریاد کرکے مہر
جب کہا کیا دلنشیں ہے خالِ رُخ۔ بولے چہ خوش
خدا حافظ مرے دردِ نہاں کا
وعدۂ وصل سے انکار نکر ناظالم
دشت میں محفل تری یاد آگئی
اب کرتے دھرتے کچھ بھی بن آتی نہیں اُسے
یہ ایذا دوست ہے اچھا نہونا تھا کبھی اسکو
زخمِ دل کا بندھ گیا انگور جب
وہ تری قہر کی نگاہیں۔ اور
لوٹ کر آرہی ہیں کیوں مجھ پر
جا بھی۔ ہم نے دلِ شیدا تری ہمّت دیکھی!
رات میخانے میں کیا بات ہوئی تھی ساقی
دو ہی دن میں غمِ محبّت نے
وہ برسے تھے جس دم دلِ زار پر
یاخدا۔ اب کون دے میری گواہی حشر میں
رہے گا ہم سے الگ ہی نہ مانے گا
مجھے بو آرہی ہے ہر نفس کے ساتھ کیا باعث
سیکڑوں کا آج تیغِ یار نے
پھیر کر آپ جنسِ دل مجکو
یاد آئے وصل میں ایّامِ ہجر

غم تو کھاتے کھاتے اُلفت میں مرا جی بھر گیا
شبِ فرقت کو آیا بھی تو آیا بے سحر ہونا
مرے دل پہ قابو ہے پھر کیا کسی کا
کیوں صبر اختیار کیا۔ تم نے کیا کیا!
آپ کے دل کا سُویدا ہوگیا تِل کیا ہُوا
کہ اب جی پک گیا ہے راز داں کا
جی کہیں لوٹ نجائے ترے شیدائی کا
یوں ہمیں جنگل میں منگل ہوگیا
دل پھنسکے دامِ زلف میں چکّر میں آگیا
ہمارے زخمِ دل میں کس لئے انگور بھر آیا
ایک چرکا اور قاتل نے دیا
بید کی طرح کانپنا دل کا
کیا بلاؤں کا آج پُل ٹوٹا
تُجھ پہ آفت اِدھر آئی تھی کہ چیں بول گیا!
تیرے رندوں نے بہت شور مچا رکھا تھا
دل کا سب خُون خُورد بُرد کیا
تو اِسکو مناسب تھا دَم کھینچنا
ایک دل تھا وہ بھی اُس کافر کی جانب ڈھل گیا
چڑھی ہوئی ہے ابھی اُسکی رگ نہ مانے گا
سڑا اندر ہی اندر چارہ گر کیا زخمِ دل میرا؟
دیکھتے ہی دیکھتے قتل کر دیا
قصّہ کوتاہ کیجئے میرا
ہائے کیا کرُیال میں غلّہ لگا

اہلِ اُلفت کو ستاتے رہے کیسا کیسا
جب کوئی پھل لگا مرے نخلِ اُمید میں
مجنوں کے تن پہ تھا فقط اک جامۂ حیات
یوں تو کہنے کے لئے تھے وامق و فرہاد بھی
آسماں پھر رہا ہے کیوں دن رات
وہ جو اشکوں پر ہمارے ہنس دیئے
ہم ہوں تری بلا سے سُبکدوش یا نہ ہوں
تلوار ہی جو اُٹھ نہیں سکتی تو کس لئے
توڑا جو دل بھی رند کا ساغر کو توڑ کر
کہہ رہی ہے یہ مرے پاؤں کی گردش مجھ سے
کیا تماشا ہے اُسے بھی وہ بگولا سمجھے
ہے شکر آج اُنکے رُخ سے نقاب اُٹھی
مٹتے مٹتے مٹے گی شرم اُن کی
ہمدردیوں نے اُسکو بنایا ہے دردمند
کریں عشق میں کیا تمنائے خُلد
بلا نازل ہوئی آفت پڑی کیا کیا تعب ٹوٹا
دل ہمارا خمِ گیسو میں پھنسا کر چھوڑا
سُنا ہے آج اُس نے سیکڑوں کو راہ میں لوٹا
دے کے دل جان بھی اُنھیں دیدی
ٹوٹ کر جس دم کسی پر آئے گا
نہ کسی نے مجھے لوٹا نہ کسی نے مارا
گزرا اپنا ہے اُس کے در تک تو
داغ کیا جاتے رہے دنیا سے قہر

آپ نے صبر غریبوں کا سمیٹا کیسا
فوراً ہی برقِ یاس نے اُسکو فنا کیا
آخر کو اُس نے وہ بھی فنا کر کے رکھدیا
نام لیکن عاشقی میں قہر نے پیدا کیا
کیا پڑا صبر خاکساروں کا
آبرو پر صاف پانی پھر گیا
خنجر اُٹھا کے تُو نے تو احسان رکھدیا
تم نے عدو کے قتل کا بیڑا اُٹھا لیا
تو محتسب نے اس میں کمایا ثواب کیا
آج پھر چرخِ ستمگر کوئی چکر لایا
جب مری خاک نے اُڑ کر کوئی چکر باندھا
مدت کے بعد ہم سے اُنکا حجاب ٹوٹا
اُٹھتے اُٹھتے حجاب اُٹھے گا
ناصح بھی کھا کے غم مرا غمخوار ہو گیا
وہاں غم ہمارا غلط ہو چکا
شبِ فرقت دلِ بیتاب عاشق پر غضب ٹوٹا
یہ ستم ہم پہ ستمگار نے آکر توڑا
خدا جانے ہمارے نامہ بر پر کیا ستم ٹوٹا
فیصلہ ہو گیا محبت کا
مجھ پہ یہ دل اک قیامت ڈھائے گا
قہر ٹوٹے دلِ مضطر پہ اسی نے مارا
مگر اُس تک گزر نہیں ہوتا
بلکہ لطفِ شاعری جاتا رہا

جانا یہ ہم نے اِس سے گزرنا محال ہے	جس وقت بحرِ عشق پر اپنا گزر ہُوا
تم نے ستم کیے تو وہ عادت تمھاری تھی	میں نے ستم اُٹھائے یہ۔میں نے ستم کیا
زندہ ہُوں ابھی میں تو۔بالیں سے نجاؤ تم	وعدہ مرا آنے دو۔پھر اُٹھ کے چلے جانا
ہم رہے وعدے کی شب بیتاب جسکے واسطے	وہ تو وعدے پر نہ آیا اور وعدہ آگیا
لازم ہے مجکو پُورا ارمانِ دید کرنا	ظالم گر تجھے تو وعدہ وعید کرنا

ب

جوش پر آچلا ہے اُنکا شباب	کمسنی ہو رہی ہے پا بہ رکاب

پ

کس لیے کہہ کے بیوفا مجکو	صبر میرا سمیٹتے ہیں آپ
جائیں تو بھولے بھٹکے کئی دن میں جائیں آپ	بزمِ عدو کے روز نہ چکر لگائیں آپ

ت

نہو اُس سے کیوں فتنۂ حشر مات	قیامت کا قد ہے۔قیامت کی گات
بناتے تھے باتیں بہت آج ناصح	جو اُس بُت کو دیکھا تو خود بنگئے بُت

ٹ

دل اگر اے شوخ تجھ پر لوٹ ہے	جان ہے تیری ادا پر لوٹ پوٹ

ث

جب کچھ نہو مطلب تو کسی سے اُنھیں کیا بحث	مطلب نہ رہے جب تو کسی سے اُنھیں کیا بحث

ج

تم نظر آؤ تو پھر کیا نظر آئے سُورج	عرقِ شرم میں کیوں ڈوب نجائے سُورج

چ

وصل کے وعدے کئے دو چار بار	کی مگر ہر بار تم نے تین پانچ

ح

جَور پر ہیں جَور ہم پر آسماں	اِس طرح کب تک دئے جائیں طرح

خ

بات کرتے نہیں وہ رُخ دے کر
اِس قدر ہم سے ہو گئے بے رُخ

د

مُسکرا کر میرے آگے تم نے شرمانے کے بعد
اِک قیامت توڑ دی دل پر ستم ڈھانے کے بعد

کیا کہوں گزری قیامت کیا دلِ مہجور پر
آپ کے آنے سے پہلے۔ آپ کے جانے کے بعد

چاند کی ہو دید ہمکو بھی رُخِ روشن کی دید
وہ جو آجائیں تو آجائے ہمارے گھر بھی عید

ڈ

میری بھی آہ تیغِ دو دم سے نہیں ہے کم
اُنکو عبث ہے ابرُوے خمدار پر گھمنڈ

ذ

جو نہ کھائے اُسکو کیا معلُوم ہو
کس قدر ہے یہہ غمِ اُلفت لذیذ

ر

قتل پھر قتل سخت جانوں کا
مُنہ تو بنوا ے آپ کی تلوار

پہلے سے بھی زیادہ وہ ناراض ہو گئے
آیا جو حرفِ وصل ہماری زبان پر

اب ڈرے چرخ میرے نالوں سے
تازہ دم ہیں ہُوا ہُوں دم لے کر

عہد جھُوٹا کیا ہے دل لے کر
ٹھگ لیا ہمکو اُس نے جُل دے کر

دیا پھر دل نہ دل سے ہاتھ دھو کر
کہ انساں سیکھتا ہے کھا کے ٹھوکر

ڈس لیا مارِ زُلف نے دل کو
جھاڑنا پھُونکنا ہے اب بیکار

قہر بیتاب ہو تم کس لئے تم کس کے لئے؟
کون ہے۔ کون ہے۔ جی لوٹ گیا ہے کس پر؟

جان آجائے نہ کیوں پا کر دلِ گُم گشتہ کو
اِس کا مُنہ دیکھا ہے کوڑی کو بس ہم نے دَوڑ کر

گلچیں نے توڑ کر وہیں دامن میں رکھ لیا
جب کوئی پھُول باغ میں آیا بہار پر

نامِ خدا جوان ہو۔ دن ہیں شباب کے
اب حسن آگیا ہے تمھارا بہار پر

بن جائیں بُت جو تو بُتِ کافر نظر پڑے
تصویر ہو گئے تری تصویر دیکھ کر

حیراں ہیں قہر جلوۂ دیدار دیکھ کر
تصویر بن گئے ہیں رُخِ یار دیکھ کر

تصور میں نظر آتی ہے بَل بھرتی ہوئی ہمکو | گماں گزرے گا دل لینے کا اُنکی زلفِ پُر خم پر

ڑ

بلا سے ذکرِ فراقِ عُدو نہ چھیڑ کہ چھیڑ | تری تو چھیڑ سے ظاہر ہے تو نہ چھیڑ کہ چھیڑ

ز

میں چھپاؤں تیری اُلفت کس طرح | دل کے نالے فاش کر دیتے ہیں راز

س

دیکھا جب اُنکو حضرتِ دل سِٹ پٹا گئے | وہ سامنے جو آئے تو اُنکے گئے حواس

ش

وہ کیا آئے یہہ کیا آنا ہے اُن کا | ہمارے تو گئے آئے ہُوئے ہوش

ص

رنج دیتا ہے ستمگر خاص خاص | وہ ستم کرتا ہے مجھ پر خاص خاص،

ض

سُنیں وہ عرض مری اور کیا مری ہو عرض | یہہ التماس کیا ہے۔ یہہ میں نے کی ہے عرض

ط

قول سے۔ عہد سے محبت میں | تم نہ بدلو۔ یہہ پہلے بدلو شرط

ظ

رندوں سے عبث بر سرِ پیکار ہے واعظ | سُرخ آنکھیں تو کہتی ہیں کہ میخوار ہے واعظ
جب بادۂ نخوت ہی سے سرشار ہے واعظ | پھر کیوں یہہ سمجھ لے کوئی ہشیار ہے واعظ

ع

یارب رہے ہمیشہ تمہیں مست و بے خبر | ہو چشمِ یار کو نہ مرے دل کی اطلاع

غ

دل پہ کیا آپ مچلے ہو۔ دل کیا مال ہی | جان بھی کب ہم نے کی تم سے دریغ

ف

وہ نہ آئے گا بلا سے کوئی پائے تکلیف
اسکو کیا ایسی پڑی ہے کہ اٹھائے تکلیف

ق

خیال و وہم۔ گماں رنگ ڈھنگ طور طریق
تمہارے جیسے کہاں رنگ ڈھنگ طور طریق

تم سمجھتے ہو جسے اپنی ادا کا مشتاق
وہی کمبخت تو ہوتا ہے قضا کا مشتاق

آتے رہے ہیں لب پہ یہ کیا کیا شبِ فراق
نالوں کا میرے تار نہ ٹوٹا شبِ فراق

ک

ساغر میں یہ نہیں تو سمجھ لو کہ ہم نہیں
بس اپنی زندگی ہے مئے لالہ فام تک

روز تو مجھ سے نئی چال چلے گا کب تک
میں بھی دیکھونگا ترا وعدہ ٹلے گا کب تک

حال اُن سے بیان کون کرے
ہو رہا ہے یہاں تو جی دھک دھک

گ

یوں بھی رہا ہوں عیش و طرب سے الگ تھلگ
بیٹھا تو بزمِ یار میں سب سے الگ تھلگ

ہنستے ہیں زخمِ دل بھی۔ چراغِ مزار بھی
لیکن ہے اُنکی طرزِ تبسم الگ الگ

ل

جب سے ہے پہلو میں خالی جائے دل
ہے جگر پر ہاتھ۔ لب پر ہائے دل

میں تری بیتابیوں سے تنگ ہوں
غیر کی آئی تجھے آجائے دل

حُسن کی دید سے خوش کون نہیں ہوتا ہے
گُل جو پھولا تو اُسے دیکھ کے پھولی بلبل

رہتی ہیں بلائیں اسکو گھیرے
دانتوں میں زبان ہے مرا دل

آگے تیرِ ناز کے جب اڑ گیا
پھر نہیں سرکا کسی صورت سے دل

م

کیوں پھریں صحرا میں اے جوشِ جنوں
آبرو گھر میں لئے بیٹھے ہیں ہم

آئی مشکل میں ہمارے کام تو آئی یہی
مانتے ہیں آپ کی تلوار کا احسان ہم

ن

اپنے دل پر یہ بڑا جبر کئے بیٹھے ہیں
اہلِ الفت کا وہ کیوں صبر لئے بیٹھے ہیں

نہ نکلتے ہیں۔ نہ نکلے ہیں۔ نہ نکلیں گے کبھی
لگائے رکھتے ہیں دل میں ہم اس لئے اِنکو
غمزہ و نازِ دل آزار نظر آتے ہیں
دستِ وحشت نے گریبان ہیں چھوڑا کیا ہے
کیوں جانتا نہ رسم و زبانِ دیارِ عشق
اُف رے اُف اُنکو یہہ مجھ سے اُجتناب
دل کے گاہک بھی دل کے لینے میں
کئے ہیں سیکڑوں وعدے یونہیں آنے کے اقبالِ صد
صبر کر لے دلِ مضطر تو اسے بھی دیکھیں
اب کیا تمھارے پھول چڑھانے سے فائدہ
نہ بلاتے ہیں وہ۔ نہ آتے ہیں
غم بھی کھانے کو اب نہیں ملتا
کتنی مرغوب ہے اُنھیں یہہ خیر
عرضِ مطلب تو کوئی گالی نہ تھی
ایک کا ہو کے جو نہیں رہتا
پوچھتے ہیں وہ سب سے حال مرا
سیر کرنے کو بھی وہ گھر سے اگر جاتے ہیں
تجھپہ ہوتے ہیں فدا۔ تجھپہ جو مرجاتے ہیں
ارماں جو نکالے بھی نکلیں نہ کبھی دل سے
کیا تیری محبت کے ہاتھوں سر چڑھکے زمیں پہ گرتے ہیں
اُنکی رسوائی سے کیا اشک مرے ڈرتے ہیں
سب زبانی ہے تمھارا جمع و خرچ
دشنام دے نہ ہمکو۔ نہ ہم پر وہ آئے مُنھ

ابھی آخور کی بھرتی ہیں یہہ ارمان دل میں
اُڑاتے تھوڑے ہیں یہہ نالے ہی کام آتے ہیں
آج وہ بر سرِ پیکار نظر آتے ہیں
تار اُلجھے ہوئے دو چار نظر آتے ہیں
پھر اب سے دور تازہ ولایت تو میں نہیں
عید کے دن بھی گلے ملتے نہیں
سیکڑوں توڑ جوڑ کرتے ہیں
نہ آئے ہیں۔ نہ آئیں گے وہ ٹالم ٹول کرتے ہیں
پہلے ہم دوڑ کے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
تم آئے میری قبر پہ جب قبر بھی نہیں
اُنگلیوں پر مجھے نچاتے ہیں
فاقے کرتے ہیں بھوکوں مرتے ہیں
وہ مرے دل پہ جان دیتے ہیں
آگئے کیوں آپ ایسے جوش ہیں
اُسپہ ہم چار حرف بھیجتے ہیں
کس قدر چھان بین کرتے ہیں
سیکڑوں وہم مرے دل ہیں گزر جاتے ہیں
جان سے جاتے ہیں وہ۔ جی سے گزر جاتے ہیں
بیکار سراپا ہیں۔ خوگیر کی بھرتی ہیں
جو گرد سے جگر جلتے تھے وہ دھول اُڑاتے پھرتے ہیں
ایسی غیرت ہے تو کیوں ڈوب نہیں مرتے ہیں
دل میں تو ہرگز مری اُلفت نہیں
پہلے سے آپ کان عدو کے اُمیٹھ دیں

میرے رونے پہ وہ نہیں ہنستے
آپ کے پاس کیا رہا دشمن
غمِ فرقت میں غم کھا کر ہی اپنا پیٹ بھرتے ہیں
دلِ برباد میں عشق و جنوں آباد ہوتے ہیں
تیرا خیال جب سے نہیں سر میں رات دن
منھ میں آتا ہے جو اُنکے وہ کہا کرتے ہیں
تاروں کی چھاؤں آئے وہ بزمِ رقیب سے
تلاشِ یار میں رُکنا کہیں دم بھر قیامت ہے
آپ عُشّاق کا دل توڑ کے کیا لیتے ہیں
نہ نبھے گی رقیب سے اُلفت
ہاتھ پہ ہاتھ مار کر وہ آج
عُدو اُنکے خنجر سے مُنھ موڑتے ہیں
کیا یہہ ہوتا ہے۔ نہ دیکھا کبھی آزردہ جنھیں
فقط کہنے کو گویا اور خوش گفتار ہے قاصد
رکھ رکھ کے میرے دیدۂ گریاں پہ بار بار
حروف اچھے ہیں موزوں نقطہ ہیں مضموں اچھوتا ہے
آکھی یاد آتے ہیں انھیں کس کے دُرِ دنداں
شبِ دیجورِ غم روشن ہے کیوں داغِ جگر میرا
بہ دقت بھی اگر آتے ہیں لب پہ ناتواں دل سے
خو بُرو ناز سے غمزے سے۔ ادا سے ہر دم
کیا غضب ہے اُنکے خط کا کرتے کرتے اِنتظار
ہر روز رات دن ہے۔ ہر روز آج کل ہے
وعدہ لیا۔ زبان بھی لی۔ قول بھی لیا

زخمِ دل پر نمک چھڑکتے ہیں
ناک کا بال بن گیا دشمن
جو کچھ ملتا ہے ہمکو ہم اُسی پر صبر کرتے ہیں
جو دیوانے ہیں ویرانے میں رہکر شاد ہوتے ہیں
انگڑائی توڑنے ہیں پڑے گھر میں رات دن
کہنے والے بھی کہیں بند رہا کرتے ہیں
دیکھا یہہ آج آخرِ شب میں نے خواب میں
ہم اپنے دل کے آنے سے بڑے چکر میں آئے ہیں
دل جو رکھتے ہیں وُہی دل سے دُعا لیتے ہیں
آئیے شرط ہم لگاتے ہیں
ہم سے ملنے کی شرط کرتے ہیں
غضب ہے وہ مجھ پر غضب توڑتے ہیں
ہاتھ مَل کر وہ مری موت کا غم کرتے ہیں
کہے جا کر وہاں کچھ اُنسے یہہ کہنے کی باتیں ہیں
موتی پرُو رہے ہیں وہ زلفِ دراز میں،
لکھا ہے تم نے خط دشمن کو۔ یا موتی پروئے ہیں
کہ میرے دیدۂ تر رات دن موتی پروتے ہیں
جُدائی میں کسی کی کیا مجھے موتی پرونے ہیں؟
مرے نالے مرے سر پر بڑا احسان کرتے ہیں،
جان لے لینے کا سامان کئے رہتے ہیں،
وعدہ آ پہونچا مگر قاصد نہ آ پہونچا یہاں
ہم خوب جانتے ہیں وعدہ وہ ٹالتے ہیں
لیکن مری وفا کا کسی کو یقیں نہیں

و

قرار آئے تو کیا آئے تمہارے بیقراروں کو
جو یوں گزری کسی کے عشق میں یارب تو کیا گزری
ابھی اقرار پر لب بھی اُدھر ملنے نہ پایا تھا
بہر تسکیں کبھی سینے پہ نہ رکھے۔ نہ سہی
بے سبب پیتے ہو کیوں انکو سزا یہہ تو کہو
بیوفا میں نے کہا تمکو تو کیا جھوٹ کہا
دُوں دعائیں تو کہیں تیغِ دو دم دو ہمکو
دیکھو تمہارا پانو کہیں ہے۔ نظر کہیں
کر رہے ہو اِسکی مٹی کیوں خراب
لگاؤ نہ غیروں کو مُنہ اِس طرح
اُنکے غصے سے یہہ ٹپکتا ہے
ظلم کرتے ہو عاشقوں پر تم
خاک میں مجکو ملا یا عشق نے
شامِ غم کے بعد ہے صُبحِ فراق
نہ ہے تُو قول کا پُورا۔ نہ تُو ہے بات کا پُورا
تمہاری انجمن میں وہ بھی ہے مہمان ہم بھی ہیں
وہ شوخ بھی ہے۔ مے بھی ہے صحنِ چمن بھی ہے
جو تم پر جان دیتا ہے۔ فدا ہوتا ہے جو تم پر
خدا جانے نظر آئی ہے کس کی آنکھ کی گردش
وصل کا وعدہ کیا۔ پھر بھی ستم کرتے ہو
ملنے کو جب زباں سے کہو تو بلا کرو

قضا بھی تو نہیں آتی ہو اِن آفت کے ماروں کو
کہ مُجھ سے دشمنوں کو لاگ ہے نفرت ہے یاروں کو
اُمیدیں بندھ گئیں کیا کیا اِدھر اُمیدواروں کو
تم نے اِن ہاتھوں سے مٹی بھی کہاں دی مجکو
کیا ہوئی اہلِ محبت سے خطا یہہ تو کہو
تم نے کی کس سے زمانے میں وفا یہہ تو کہو
داد چاہوں تو کہیں دادِ ستم دو ہمکو
میری خبر کو آئے ہو۔ اپنی خبر تو لو!
دابے وہ میرے دلِ مرحُوم کو
اگر آئیں تو اُنکو دُھتکار دو
گاڑ دیں گے زمین میں مجکو
کیوں غریبوں کا صبر لیتے ہو
خاک میں ملجائے اِسکی آبرُو
ایک آفت ہو تو دل کو صبر ہو
ہمارا پھر کوئی ارمان پُورا ہو تو کیونکر ہو
جلاؤ اب ہمیں تم۔ یا لگاؤ آگ دشمن کو
آجائے اب بہار تو کیسی بہار کو
اُسی نے مُنہ چھپاتے ہو۔ اُسی سے پردہ کرتے ہو
کہ جلکر رات دن آتے ہیں اِس گردُونِ گرداں کو
شاخِ اُمید ہری کر کے۔ قلم کرتے ہو
وعدے کا یہہ مزا ہے کہ وعدہ وفا کرو

ہ

رکھئیں عدو کے عشق کو اپنے ہی دل میں آپ	دُنیا میں اِسکا ڈھول بجانے سے فائدہ

ی

جو بارِ سر اُتارے تن سے وہ شمشیر بھی اچھی
بلا کر اُنکے درباں کو ملیں ہم اُن سے چلو دیں یا
جیسے تم اپنے جرمِ عشق پر تعزیر دیتے ہو
کہا کچھ منھ ہی منھ میں پھر اُٹھایا ہاتھ میں خنجر
کبھی یاد سوزِ فراق میں جو گھٹا بہار کی آگئی
مانا کہ میرے نالے نہ تڑپا سکے تجھے
جس وقت یاد آگئی اُسکی نگاہِ شوخ
قاتل تو چلدیا اُدھر ارماں نکال کر
کیوں رہ گیا خلش کے لئے خارِ آرزو
کبھی غازہ جو مَل لیا اُس نے
عیب کیوں دیکھتے ہو اَوروں کے
کر کے نالے کر دیا ناخوش کسی کو کیا کیا
آنے کو کہہ گیا تھا کوئی مگر نہ آیا
تصویرِ حسنِ رُخ کی مانی بھی گو اُتارے
جب وہ آئے تو کسے تھا ہوش عرضِ مدعا
کان تک اُنکے شبِ ہجر نہ پہونچا کمبخت
جب بٹھایا ہمکو لاکر درس گاہِ عشق میں
اور ناصح سے زیادہ کس کو ہے میرا خیال
تم چھپاتے ہو عبث عشقِ عدو
شبِ ہجر آنکھوں سے برسے جو اشک
کہہ گیا آپ کے منھ پر سب کچھ

جو دل کے پار ہو جائے وہ نوکِ تیر بھی اچھی
یہ ہے تدبیر تو اچھی جو ہو تقدیر بھی اچھی
اُسے زنداں بھی اچھا ہے اُسے زنجیر بھی اچھی
پڑھی یہ تم نے میرے قتل پر تکبیر بھی اچھی
تو نکل کے سینے سے آہِ دل مرے آگے چرخ پہ چھا گئی
کچھ دیر دُھوم تو تری محفل میں رہ گئی
بجلی سی اِک تڑپ کے مرے دل میں رہ گئی
بسمل کی آرزو دلِ بسمل میں رہ گئی
نوکِ مژہ نہ ٹوٹ کر اِس دل میں رہ گئی؟
اور بھی رُخ کی آب و تاب ہوئی
پُشت جب سوجھتی نہیں اپنی
آپ اپنے پانو میں ہم نے کلھاڑی مار لی
یہ تو ہمیں بتائی اچھی اُڑان گھائی
لیکن رہے گی تم سے اُنیس بیس پھر بھی
عقل کے طوطے اُڑے جاتے رہے اوسان بھی
شورِ فریاد نے کیا بات ڈبوئی میری
حرفِ اُلفت کے الف سے ہم نے بسم اللہ کی
کوئی آتا ہے جو تیسوں دِن تو آتا ہے وہی
ابتو اسکی سب میں تالی پٹ گئی
تو برسات کی سی جھڑی لگ گئی
آپ نے غیر کی چھاتی دیکھی!

[illegible]

مانگا نہ زر کسی سے۔ رکھی نہ زر کی یاری
کیوں نہ ہو پھر قہرؔ میرے شعر میں سوز و گداز
اب محبت میں کسی کا بھی سہارا نہ رہا
ایک کے ہو کے کیوں نہیں رہتے
اپنے جینے سے میں ہُوا بے زار
دل کو پھنسالے یا مرے دل میں جگہ کرے
وہ بگڑ بیٹھے سوالِ وصل پر
ستم و جور کا نتیجہ کیا
جس طرف حشر میں اُٹھی وہ نگاہ
اب کیا ہمارے پاس سے جانے کو رہ گیا
دن بھر وہیں رہا۔ وہیں ٹھہرا تمام رات
آئے ہو گزری جب شبِ وعدہ
ملتے نہیں تو ملنے کا اقرار کیجئے
لالے کے پھول کس نے کھلا کر سرِ چمن،
کہوں بھی تو کہوں کس واسطے میں باوفا تم کو
اشک آنکھوں میں۔ آہ لب پر ہو
کرے کیا اثر۔ کیا اثر خاک ہو
کہوں کیا طبیعت جبھی اُن پر آئی
آپ کی راہ میں کس روز نہ اُٹھے فتنے
عدو سے رسمِ محبت ادا نہیں ہو گی

دُنیا میں رہ کے ہم نے دُنیا پہ لات ماری
میں نے جب چلمیں بھری ہیں داغ اُستاد کی
دل کے جاتے ہی ہماری تو کمر ٹوٹ گئی
کیا ہی ڈھلمل یقین ہو تم بھی!
مجھ سے ظالم نے جب قسم کھائی کی
مختار ہے وہ زلف سیاہ و سفید کی
میری اُنکی آج گہری چھن گئی
کیوں سمیٹے کسی کا صبر کوئی
غُل ہُوا۔ شور مچا۔ دُھوم پڑی
دولت گئی۔ کمال گیا۔ آبرو گئی
لُوٹی بہارِ غیر نے کیا بزمِ یار کی!
عید کے بعد ہے یہ ٹرکیسی؟
میرے لئے جو پھول نہیں پنکھڑی سہی،
تصویر کھینچدی ہے دلِ داغدار کی
نکالا کوئی ارماں۔ کوئی حسرت تم نے پوری کی؟
کہیئے کیا غیر کی خبر آئی
ہماری دعا کو دُعا لگ گئی
مرے دل نے کیسی قیامت مچائی
آپ کی چال سے کس دن نہ قیامت اُٹھی
یقیں لائیے اُس سے وفا نہیں ہو گی

ے

فائدہ کیا تجھے ساقی مرے ترسانے سے
کیا کرے بیمارِ اُلفت اب شفا کے واسطے

میں تو چھک جاؤنگا بس ایک ہی پیمانے سے
زہر بھی ڈھونڈے نہیں ملتا دوا کے واسطے

راہ میں روکا ہے عرضِ مدعا کے واسطے
بیٹھا ہوں کی تاب نہیں تھی اگر مجھے
یہہ جانتا ہوں دردِ محبت ہے لا دوا
یہہ تو گماں نہ تھا نگہِ یار پر مجھے
کیا بت یہہ جانتے ہیں کہ میرا خدا نہیں
اُف خوشی قتل کی خنجر کو تیرے تو سمجھا
دیکھا ہے اِدھر تو نے دیکھا ہے اُدھر تو نے
بے حیا غیر بھی اے شوخ ادا کتنا ہے
کیوں لڑکپن میں حسیں ہوش کی باتیں نہ کریں
نہ پتا قہر کا مسجد میں نہ بتخانے میں
وہ قیامت اُٹھائے پھرتے ہیں
ظلم بھی۔ جور بھی۔ جفا بھی ہے
ٹیڑھ کی داد کیا ملے تم کو
نکالوں دل سے کیا میں آرزو کو
اب تو جا کر دیکھ آؤ قہر کو تم اک نظر
اُس بزم میں کسی کی کچھ پوچھ گچھ نہیں ہے
اُنگلی پکڑ کے فوراً پکڑے کہیں نہ پہنچا
سُنتے ہی حرفِ مدعا میرا
وہ بھلا ایسے کہاں کے ہیں غیور
بات کیا اپنے ہات ہوتی ہے؟
جب وہ کہتے ہیں ہم سے کوئی بات
پہلے ہی اپنے ستم پر تھے نہایت نازاں
دیکھ لیں جس دن یہہ کوئی مہ جبیں

اُس بُتِ کافر کو دے دے کر خدا کے واسطے
کیوں شام ہی سے دی نہ دکھائی سحر مجھے
کرنا ہے اِمتحان ترا چارہ گر مجھے
رکھ لے گی آنکھ ملتے ہی تلوار پر مجھے
آزار دے رہے ہیں جو آزار پر مجھے
کاٹ کر اپنا گلا عید منائی میں نے
جب دل پہ مرے ظالم ڈالی ہے نظر تو نے
آنکھ میں آنکھ ملائے ہی چلا جاتا ہے
ہوش آتا ہے تو پھر ہوش کہاں رہتا ہے
اب خدا جانے وہ کمبخت کہاں رہتا ہے
دل قیامت اُٹھائے جاتا ہے
اِس ستم کی کچھ اِنتہا بھی ہے
کج ادائی۔ کوئی ادا بھی ہے
کہ آبادی ہے اِس گھر کی اِسی سے
وہ چراغِ صبح ہے۔ وہ آفتابِ بام ہے
جو اپنے پانو آئے وہ اپنے پانو جائے
اِس ڈر سے ہاتھ بھی وہ دل کو نہیں لگاتے
وہ انگوٹھا دکھا کے بھاگ گئے
بات پر اغیار کیوں مرنے لگے
سب بن آئے کی بات ہوتی ہے
بیچ میں غیر کود پڑتا ہے
کی جفا مجھ پہ تو وہ اور بھی کچھ پھول گئے
عاشقوں کی بس اُسی دن عید ہے

سر سے یوں ٹال دی آئی میں نے
قصۂ غم سُن کے وہ کہنے لگا
بزمِ دشمن میں سوا پہلے سے بھی جلتا ہے
شامِ غم کا تو نہیں کوسوں پتا
مُدّت گزر گئی تجھے دیکھے ہوئے ہیں
پڑ گئی اِن پر اگر اُفتادِ عشق
جن سے رونق تھی وہی باغِ جہاں میں کم رہے
تم سے جو چاہیں وہ کہیں اغیار
ٹھیک تھا گو چہرہ مہرہ۔ رنگ رُوپ
ارماں لُٹا لُٹا کر خلوت کی رات دل نے
کیوں نہ ہوں خوش آج وہ پہلو میں ہے
نظر جب اُنکو آجاتے ہیں کانٹے دشتِ وحشت میں
بدلتے نہیں ہم پلٹتے نہیں
اُنکو ایسا کہیں نہیں ملتا
وہ خلوت ہو کہ جلوت اُنکی باتیں رُک نہیں سکتیں
آسماں کھانے کو دے اِتنا تو غم
دل دیکھتے ہی وہ نگہِ شوخ جھک گئی
نظّارہ حسن کا جو تبسّم کے ساتھ ہے
شبِ فراق بھی میں دل کو صبر دے لیتا
دو چار قدم چل کے وہی کیوں نہ دکھا دیں
شبِ غم اُنکو نیند کیا آتی
میرے اشکوں نے خاک میں ملکر
اپنے دل کو نثار کون کرے

۴ [illegible]

دے کے دل جان بچائی میں نے
بھر گیا جی آپ کی بکواس سے
جب بن آتی نہیں کچھ ہم سے تو جی جلتا ہے
جی دھڑکتا ہے ابھی سے کس لئے
جی لوٹتا ہے جلوۂ دیدار کے لئے
حضرتِ دل چار دن کھانے چت گرے
دو گھڑی بھی تو نہ سبزے پر دُرِ شبنم رہے
میرے آگے تو چوں نہیں کرتے
پھر بھی کیا یوسُف کو نسبت آپ سے
حاتم کی گور پر بھی مار ہی ہے لات دل نے
رات دن تڑپا ہے دل جس کے لئے
ہمارے پانو کے چھالوں کا کیا کیا سر کھجاتا ہے
ڈھلے جس طرف اُس طرف ڈھل گئے
دل ہمارا بھی کیا عجوبہ ہے
رقیبوں سے سرِ محفل بھی گھُس گھُس ہوتی جاتی ہے
مُنہ ہمارا ہر گھڑی چلتا رہے
ہتیار اُس نے ڈال دیے اِس کے سامنے
لُطفِ سخن وہ لطفِ ترنّم کے ساتھ ہے
جو بے قرار نہ کرتا ترا خیال مجھے
مدّت سے بڑی دھوم قیامت کی مچی ہے
دھوم ڈالی تھی میرے نالوں نے
آبرو خاک میں ملائی ہے
اُنکے خنجر کو پیار کون کرے

یہہ انقلاب ہو تو محبت میں آئے لُطف
ڈر ہے کہیں نہ زیرِ زمیں بھی یہہ آسماں
دل کی لگی تو وہ ہے کہ دل کی لگی سے ہم
ایسا تو کُل بجُز دلِ عاشق کہیں نہیں
ہیں یوں تو تُندخُو ہی زمانے کے مہ جبیں
بچاتے ہم اگر اُسکی نظر سے
اُنکی محفل میں پُوچھ کچھ ہی نہیں
لگادی خاک نے خنجر نے قاتل
اگر تم کان رکھتے ہو تو اِک دن
خانۂ یار کا مِلنا نہیں مشکل قاصد
کرے کیا وصل میں فرقت کے شکوے
بتا قاصد یہہ سُنکر ہو تو ہو جی کس طرح ٹھنڈا
میری طرح تو ایک بھی دن اپنی بزم سے
یہہ میں ہیں کہ ہم نے تمھیں دل بھی دے دیا
کسی پر کوئی کیوں آنکھیں نکالے
افسوس ایک دن بھی دکھا نہ تم نے آکے
کیوں کرنے لگے موت کی خواہش شبِ فرقت
آنکھوں میں آگیا ہے دم اب ہو چکا حجاب
ہُوا ہوگا کسی کو نفع شاید عشق و اُلفت میں
کرے معشوق کو رُسوا۔ کرے برباد عاشق کو
مجھ سے درباں نے کہا کیا اُن سے ملنا سہل ہے؟
پھانس کر دل تمھاری کاکُل نے
ہمکو معلوم ہے جہاں وہ تھا

ہیں اُس سے اور غیر سے وہ بدگماں رہے
بنکر ہمارے سوزِ جگر کا دھواں رہے
تفتیدہ دل کبھی تو کبھی نفتہ جاں رہے
جو موسمِ بہار میں برگِ خزاں رہے
وہ مہرباں ہے قہر یہ جو مہرباں رہے
نہ روتے دل کو سر پر ہاتھ دھر کے
آتا آئے وہاں کہ جاتا جائے
تری محنت۔ مری مٹی ٹھکانے
سُنو قصّہ ہمارا کان رکھ کے
پُوچھتے پُوچھتے اللہ کا گھر ملتا ہے!
گڑے مُردے بھی کوئی کیوں اُکھیڑے
وہ میرے پاس آئے جو مرے سائے سے جلتا ہے!
اغیار کو نہ تم نے نکالا گھڑے کھڑے
رکھا کبھی عدُو نے کلیجا نکال کے؟
جو پہلے ہی وہ غصّہ تھوک ڈالے
ہمکو تپِ دُردِ دل نے مارا گھُلا گھُلا کے
مشکل میں بھی ہم اور کا اِحسان نہیں لیتے
آنکھیں ہلا کے دیکھئے پردہ اُٹھائیے
یہاں تو ہم نے دل کھو کر بڑی ٹھوکر اُٹھائی ہے
ازل سے آسمان دن رات اِسی چکر میں رہتا ہے
کوئی دِن پھریئے۔ ابھی کچھ روز چکر کھائیے!
خوب چکر میں اِسکو ڈالا ہے
کیا ہم اتنی خبر نہیں رکھتے؟

کہیں میت ہے، عاشق کی کہیں تربت ہے، عاشق کی
عنبر کے آگے براگندہ نقاب آتا ہے
نیچے کبھی تو اپنی کوئی بات ڈالیئے
جس سے بنتی نہیں اُس سے بھی بناہی ہم نے
دل دینے پر آمادہ ہیں غم سہنے کو تیار
بات کرتے بھی اُن سے ڈرتا ہوں
وہ ملیں گے یہاں کہ محشر میں
کبھی دل ہی میں دیکھیں ہم اُسے تو کس طرح دیکھیں
ابھی اچھی مری قسمت کی بُرائی ہو جائے
اُٹھتے جو غم نہ ہم سے اُٹھانے وہ سب پڑے
درکار کس کو کیف و سُرور و نشاط ہے
اشغلا اشغلے یہ چھوڑا ہے
ترا جھوٹ بھی دل تو سچ مانتا ہے
حاصل ہمیں تو کچھ نہوا بزم ناز میں
یہ کہہ چکے صاف ظلم کیسا اگر تم بھی ہم تجھ پہ کرم کریں گے
زبان دے کے وہ کس دن نہیں نہیں کرتے
غمِ جدائی میں جانِ عاشق اجل کی مشتاق ہو گئی ہے،
اب اس سے مکریں بھی کس طرح وہ کہیں بھی آخر تو کیا کہیں وہ
بُری بلا ہے یہ عشق جس نے انھیں کسی کام کا نہ رکھا
اب اور آئینہ کیا سکھائے گا ہر گھڑی اُسکے آگے رہکر
اسی کا سب نور ہے یہ پھیلا۔ جو یہ نہوتا تو تھا اندھیرا
بتا دو پھر آج ہمکو ساقی پلائے تو کس لئے پلائے؟
حشر کا وعدہ کیا ہے۔ حشر برپا کیجئے
میں اگر جلوے سے بیخود ہوں تو ہوں غم یہ ہے
کہیں دیکھا ہے کوئی قہر سا بھی خوش بیاں شاعر؟

کہیں حسرت ٹپکتی ہے کہیں حسرت برستی ہے
شرم آتی ہے اُسے ہم سے حجاب آتا ہے
یہ کیا کہ بات بات میں حجت نکالیئے
کبھی دشمن کی بُرائی بھی نہ چاہی ہم نے
ہم تم سے کسی بات میں حجت نہیں کرتے
بات کرتے ہی رنج ہوتا ہے
دیکھیں کیا فیصلہ ٹھہرتا ہے
کہ شوقِ دید تو ہر بار آنکھیں کھول دیتا ہے
دل اگر صاف کرو تم تو صفائی ہو جائے
اے دل غضب ہے۔ تجھ پہ خدا کا غضب پڑے
ساقی وہ مے پلا جو مرا غم غلط کرے
قہر پر تم نے قہر توڑا ہے
یہ بندہ یقیں کا یقیں جانتا ہے
لُوٹے نظر نے جلوۂ دیدار کے مزے
جو اب بھی مجھ پہ ستم کریں گے تو وہ نہایت ستم کریں گے
اب انکی بات کا ہم بھی یقیں نہیں کرتے
الٰہی یہ کیسی زندگی ہے کہ زندگی شاق ہو گئی ہے!
ہمارے حق میں عدو کی اُلفت ستم کی مصداق ہو گئی ہے
نہ مر رہے ہیں نہ جی رہے ہیں یہ شکل عشاق ہو گئی ہے
ستمگری میں نگہ ستمگر کی پہلے ہی طاق ہو گئی ہے
ہمارے داغِ جگر سے روشن یہ بزمِ آفاق ہو گئی ہے
جو پی تھی کل قہر تم نے قیمت کب اسکی بیباق ہو گئی ہے؟
ڈھائیے مجھ پر قیامت وعدہ پورا کیجئے
ہوش بکھریں نہ کسی کے مری بیہوشی سے
زباں موتی اُگلتی ہے۔ قلم موتی پروتا ہے!

تمام شد

ضمیمہ نمبر ۱

جانشینِ فصیح الملک عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا لسان العصر حضرتِ قہر مصنفِ دیوان ہذا سے شعری تعلّم کا ذکر اور آپکے چند تلامیذ کے بہم رسیدہ کلاموں کے نمونے

زمانۂ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ فنِ شعر کے مبتدی اپنے کلام پر مشاہیر شعرائے وقت سے اصلاح لیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ اپنی فنّی قابلیت اور مشق بڑھاتے ہیں۔ عمدۃ الشعرا حضرتِ قہر سے بھی وقتاً فوقتاً مختلف مقامات کے اکثر اصحاب نے اصلاح لی ہے۔ لیکن آپنے اپنی شہرت کی غرض سے کسی کو اپنی طرف سے شاگرد بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ہاں آپکے اندازِ سخن کے گرویدہ ہوکر جنھوں نے سچّے دل سے خود آپ کے روبرو زانوئے تلمّذ تہ کیا اور نیکدلی کے ساتھ اصلاح لینے کا سلسلہ جاری رکھا اُنکے شوق و ارادت کا اندازہ کرکے آپ نے انکا کلام جی سے بنایا۔ اور فنّی تعلیم دی جیسا کہ جناب مولوی سید شاہ محبوب الرحمٰن صاحب فائق سجادہ نشین مفتی گنج۔ ضلع پٹنہ عظیم آباد کا قریب قریب پورا دیوان اُنکی خواہش کے مطابق آپنے دیکھکر دُرست کر دیا ہے۔

ہم نے دیوان "شعاعِ قہر" کے دیباچے میں حضرتِ قہر کی دیگر خصوصیات کے ساتھ آپ سے شعری تعلّم کرنے والوں کا ذکر عمداً اس وجہ سے نہیں کیا کہ ہمیں اس میں ایک مفید جدّت کرنی تھی یعنی تلامذہ کے ذکر کے ساتھ ہی آپکے چند شاگردوں کے کلام کا نمونہ بھی پیش کرنا تھا۔ تاکہ آپ کے دیوان کے دیکھنے والے حضرات جہاں آپ کے سہل ممتنع رنگِ سخن۔ اعلیٰ و پُر لطف تخیل۔ صفائیِ روزمرّہ۔ برجستگیِ محاورہ۔ چستیِ بندش۔ خوش آہنگی۔ ندرتِ بیان۔ دل نشینیِ مضمون اور دیگر محاسنِ شعری سے دلی مسرّت حاصل کریں وہاں آپکے چند تلامذہ کے نمونۂ کلام بھی دیکھکر مسرور ہوں۔ مگر انکے اندراج کے لئے دیباچے میں گنجایش ناممکن تھی۔ اس لئے ہم نے دیباچہ تحریر کرنے کے ساتھ ہی آپ سے شعری تعلیم حاصل کرنے والوں کا ذکر اور انہیں سے چند کا کچھ کلام جمع کرکے ایک ضمیمہ علیحدہ تیار کر لیا اور حضرتِ قہر کو مشورہ دیا کہ طبع ہوتے وقت دیوان کے اختتام پر دو ضمیمے اضافہ کئے جائیں جنمیں پہلا یہ ہمارا ضمیمہ رکھا جائے اور دوسرے ضمیمے میں شعرائے مشاہیرِ وقت کے قطعاتِ تاریخِ طبعِ دیوان درج کئے جائیں۔

اب ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے اعجاز۔ پیکرِ خیال۔ جلوۂ یار۔ طوفان۔ وغیرہ رسالوں سے حضرتِ قہر کے چھ سات تلامیذ کی چند غزلیں حاضر کرتے ہیں۔ ناظرین لطف اٹھائیں۔

احسن۔ جناب منشی محمد نذیر احسن خاں صاحب نعمانی۔ کرنیوری۔ پرتاپ گڈھی

الٰہی دیر و حرم ہی نہیں مقام ترا
ہر اک مقام ہر اک دل میں ہے قیام ترا

ہمیشہ لطف و کرم سے رہا ہے کام تجھے
ہمیشہ لطف و کرم ہی رہے گا کام ترا

بقا اگر ہے۔ تو ہے ایک ذات کو تیری
وجود اگر ہے تو ہے دہر میں دوام ترا

کہاں ہے تابِ تجلی کسی کی آنکھوں کو
بجا تھا طور پہ موسیٰ سے وہ کلام ترا

رہے کوئی تری رحمت سے کس لئے محروم
الٰہی لطف و عطا و کرم ہے عام ترا

گناہگار سراسر ہے بخشدے اسکو
نگاہِ مہر کا طالب ہے یہ غلام ترا

تری ہی یاد میں احسن کو موت آجائے
دمِ اخیر ہو اُسکی زباں پہ نام ترا

کوئی میرا نہیں۔ جب تو نہیں جانِ جہاں میرا
جو تو میرا۔ تو سب میرے۔ زمیں میری زماں میرا

مٹے دونوں کے دونوں ساتھ ہی تیری محبت میں
نہ دل کا نام ہے باقی نہ باقی ہے نشاں میرا

مزا آئے اگر ہوں اس طرح آباد دونوں گھر
مرا دل ہو مکاں ترا۔ ترا دل ہو مکاں میرا

نہ کوئی سُننے والا ہے نہ کوئی اسکو سنتا ہے
شبِ غم حال آخر کس سے کہتی ہے فغاں میرا

بھلا میں بھی کہیں ڈرتا ہوں اُنکے تیر و خنجر سے
انھیں ہے امتحاں کرنا تو کرلیں امتحاں میرا

جو کی ہے دوستی میں دشمنی تو دوستی کی ہے
نہ دشمن ہے زمیں میری نہ دشمن آسماں میرا

رہِ اُلفت میں منزل کا پتا ابتک نہیں ملتا
غلط سمجھا تھا میں وہی قسم یہ ہے مکاں میرا

بھلا تشویش کیوں ہو شاخ کی بادِ حوادث سے
وہی ٹوٹے گی ڈالی جسپہ ہوگا آشیاں میرا

تری اُلفت میں ظالم ہڈیاں بھی تو نہ کام آئیں
ہما کھاتا نہیں بس دابے بیٹھے استخواں میرا

مجھے اے ہمنشیں آتا ہے اندازِ بیاں کیا
تجھے دل چاہئے سُننے کو یہ دردِ نہاں میرا

یہی صورت رہی احسن اگر رفتارِ جاناں کی
رہے گا نام کو باقی نہ دنیا میں نشاں میرا

میں انھیں کیونکر بتاؤں انکا پیکاں کیا ہوا
دیکھ لیں خود ہی وہ ہو کر دل میں پنہاں کیا ہوا

حالِ دل کہنے سے پھر حاصل مری جاں کیا ہوا
سُنکے جب ہر مرتبہ کہتے ہو تم۔ ہاں کیا ہوا

اب انھیں یہ فکر ہے اسکو سنواریں کس طرح
خود پریشاں ہوگئے گیسو پریشاں کیا ہوا

پھر گئی مجھ سے یکایک اُس ستمگر کی نگاہ
یا الٰہی آج یہ رنجش کا ساماں کیا ہوا

جب وہ سُنتے ہیں اسے تو آنکھ آجاتی ہے نیند
یہ تو اک قصہ ہوا احسن کا دیواں کیا ہوا

مرے مزار پر اُس بت نے جب خرام کیا
نشاں مٹانے میں نقشِ قدم نے کام کیا

کبھی کچھ اس سے کبھی اُس سے کچھ کلام کیا
گلی میں انکی یہیں ہم نے دن تمام کیا

جو عشق جرم ہے۔ تو جرم ہی کیا میں نے
کلام اسمیں نہیں کچھ۔ یہ لا کلام کیا

نکالتا ہے چھری مجھپہ کس لئے کوئی
مرا تو خنجرِ بیداد ہی نے کام کیا

ملی نہ اور جگہ اسکو جب زمانے میں
تو دل میں آکے غمِ عشق نے قیام کیا

یہ پوچھو تم ہی ذرا اپنے پائمالوں سے
ترے خرام نے کیا کچھ دمِ خرام کیا

پئے ہیں بزم میں ہم نے بھی زہر کے گھونٹ
کسی نے غیر کو جب پیش کوئی جام کیا

ستم کئے ہیں جفا کی ہے ظلم ڈھائے ہیں
یہی کیا ہے کہ تم نے کچھ اور کام کیا

پئیں جو حضرتِ واعظ تو اُنسے یہ پوچھوں
شرابِ ناب کو کیوں آپ نے حرام کیا

بتائیے تو خطا کونسی ہوئی مجھ سے
کہ بند ایک قلم نامہ و پیام کیا

یہ پردہ داری نے کسی شوخ کی تمھیں احسن
اس احتیاط پہ رسوائے خاص و عام کیا

کیسا جلد دورِ عیش ہمارا گزر گیا
[1] جھونکا ہوا کا تھا۔ اِدھر آیا اُدھر گیا

اب فکر کیا تمہیں مرا پیکاں کدھر گیا
دل سے گزر کے وہ تو جگر میں اُتر گیا

لاکھوں ہزاروں خاک میں اُس نے ملا دیئے
نقشِ قدم جو خاک پہ تیرا اُبھر گیا

غیروں سے التفات کا شکوہ غلط نہیں
سُنتے ہی اسکو آپکا چہرہ اُتر گیا

کل تک ترے مریض کو اُمیدِ زیست تھی
یہ کیا ہوا جو آج وہ جی سے گزر گیا

عشقِ عدو نے خود دل میں رکھی تری جگہ
دل دے کے اسکو تو مرے دل سے اتر گیا

کوچے میں اپنے میرے جنازے کو دیکھکر
وہ پوچھتے ہیں غیر سے یہ کون مرگیا!

میں مبتلائے یار۔ نہ دل تھا فدائے یار
وہ دن گزر گئے۔ وہ زمانہ گزر گیا

رکھا جو اُس نے ناز سے سینے پہ دستِ ناز
دل کو سکوں ہوا۔ مرا دردِ جگر گیا

کہتا ہے کوئی مجھ سے یہ صبحِ شبِ وصال
حسرت کہاں گئی۔ ترا ارماں کدھر گیا

احسن ترے کلام میں شوخی بلا کی ہے
سُنکر اسے وہ شوخ بھی تعریف کر گیا

روشنی کا اور کیا اس گھر میں ساماں ہوگیا
داغ ہی دل میں چمک کر ماہِ تاباں ہوگیا

ہر پری پیکر اسکا تابع۔ اسپہ قرباں ہوگیا
خوب اپنے وقت کا دل بھی سلیماں ہوگیا

موسمِ گل باغ میں وحشت کا ساماں کر گیا
غنچہ غنچہ صورتِ چاکِ گریباں ہوگیا

ہمکو دنیائے محبت میں بتائے تو کوئی
نکلی حسرت کس کی پورا کس کا ارماں ہوگیا

پاس ہوں اُنکے تو مضطر۔ دُور ہوں تو بیقرار
کیا غضب ہے مجکو وصل و ہجر یکساں ہوگیا

ہوتے ہوتے ہوگئے سب کشتۂ شمشیرِ یار
رفتہ رفتہ شہر سب شہرِ خموشاں ہوگیا

حضرتِ ناصح یہاں سے آپ اب اُٹھ جائیے
آپکی تقریر سے تو دل پریشاں ہوگیا

میرے دل نے مجھپہ توڑے عشق میں کیا کیا ستم
کیا غضب ہے راحتِ جاں آفتِ جاں ہوگیا

خونِ عاشق تو کیا ہے خنجرِ فولاد نے
خون ہے اُنکو وہ کیوں قاتل کا داماں ہوگیا

ہر گھڑی۔ ہر لحظہ رکھتا ہے یہ انکو سامنے
آئینہ بھی کیا حسینوں کا نگہباں ہوگیا

پھر بھلا احسن نہ کیوں پُر نور ہو میرا کلام
نور افشاں اسپہ مہرِ درخشاں ہوگیا

---

[1] مصرعِ طرح

پیوست دل میں یوں ترا پیکان ہوگیا
گویا کہ وہ بھی اک مرا ارمان ہوگیا
اسکا عدو بہار کا سامان ہوگیا
دستِ جنوں کی نذر گریبان ہوگیا
ٹالا ہے آج وصل کے وعدوں پر اس طرح
اقرار ہوگیا۔ کبھی پیمان ہوگیا
اپنے قیاس بھی نہیں میرا۔ خدا کی شان
لیتے ہی دل کے مجھ سے وہ انجان ہوگیا
ممکن نہیں کہ عشقِ بتاں مجھ سے ترک ہو
زاہد مرا تو اب یہی ایمان ہوگیا
آئی فراقِ یار میں بیٹھے بٹھائے موت
مشکل یہ کام تھا مگر آسان ہوگیا

احسن کے حق میں کم نہ رہا حکم شاہ سے
ارشاد آپ کا اُسے فرمان ہوگیا

بلا سے تھا وہ بُتِ عیار گستاخ
ہمیں ہونا نہ تھا زنہار گستاخ
وہ ظالم بے حیا۔ اغیار گستاخ
اِدھر دربار۔ اُدھر سرکار گستاخ
بھری محفل میں بھی دل چھینتی ہے
غضب کی ہے نگاہِ یار گستاخ
نہ چھیڑ انکو جو پاسِ آبرو ہے
بہت ہیں محتسب میخوار گستاخ
مجھے پاسِ ادب تھا شوق بھی تھا
ہوا سو بار چپ۔ سو بار گستاخ
ملاتی ہے کسی سے آنکھ نرگس
نہو ایسا کوئی میخوار گستاخ
غضب ہے ایک حرفِ آرزو پر
ہوئی کیا کیا زبانِ یار گستاخ
کرے گستاخیاں واعظ جب اپنے
تو پھر کیونکر نہوں میخوار گستاخ
چُرا کر آنکھ دل میرا چرایا
تغافل میں بھی تھا عیار گستاخ
سرِ محفل جو چھیڑا تم نے ہم کو
تو ہم بھی ہوگئے ناچار گستاخ
ہوئے جب وہ لبِ جاں بخش خاموش
ہوا پھر نالۂ بیمار گستاخ

حیا و شرم کے پردے میں احسن
ہوئی ہے دل سے چشمِ یار گستاخ

قتل کرنا اپنا کس بل میرا دم خم دیکھکر
اور اپنی تیغ جوہردار کا دم دیکھکر
غم غلط کرنا تو کیسا غم پہ غم دیتے ہیں مگر
کیا کریں چپ ہیں وہ مجکو خوگرِ غم دیکھکر
یہ تمہارا دل۔ کہ دل ہی دل میں تم مسرور ہو
میرے دل کا سوگ میرے دل کا ماتم دیکھکر
دوستوں کا ذکر کیا۔ دشمن بھی غمگیں ہوگئے
درد میرا دیکھکر۔ دکھ دیکھکر۔ غم دیکھکر
انکا عالم دیکھکر کیا ہوگیا تمکو کہ اب
دیکھتے ہیں انکا عالم میرا عالم دیکھکر
تم کو بھی معلوم ہے کچھ خم ہوا ہے کیوں ہلال
ابروئے خمدار۔ یا گیسوئے پرخم دیکھکر
میں نہیں کہتا کہ اپنا غم نہ دے مجکو کوئی
غم تو دے لیکن مرا دل دیکھکر دم دیکھکر
وہ رہے خاموش جب تک حالِ دل کہتے رہے
جب کھلی انکی زباں چپ ہوگئے ہم دیکھکر
پونچھنے کو اشک جمع آئے دمِ گریہ یہاں
رو دیئے وہ بھی ہماری چشمِ پرنم دیکھکر
غیر پر محفل میں جب چشمِ کرم انکی ہوئی
جی گیا وہ۔ مر گئے لیکن اسے ہم دیکھکر
ہے خوشی میری اسی میں غم دیئے جائے فلک
کوئی خوش ہوتا ہے مجکو موردِ غم دیکھکر
خاکِ کوئے یار برتر ہے کہیں تجھ سے مجھے
خوش نہو اے آسماں رتبہ مرا کم دیکھکر
کر سکے وہ بھی نہ کچھ اسکی دوا اسکا علاج
دنگ تھے آزار میرا ابنِ مریم دیکھکر

بیوفا ہو کہ میں ہوں۔ اُس نے احسن سے کہا
بسترِ غم پر اسے بے جان بے دم دیکھکر

کیا عالم کو مشتاقِ نظارہ سرمگیں ہوکر
قیامت ڈھا گیا جلوہ ترا پردہ نشیں ہوکر
ہزاروں مر گئے آخر اسی غم میں حزیں ہوکر
اُٹھے گا اُنسے کیا خنجر کسی پر نازنیں ہوکر
مزہ آئے انھیں بھی دیکھنے کا خشمگیں ہوکر
ذرا دیکھو تو دشمن کی طرف چیں بر جبیں ہوکر
کرے تو وصل سے انکار تو کیا جانے کیا نکلے
کہاں بھی تو ترے منہ سے نکلتی ہے نہیں ہوکر
اگر منظور ہے چھپنا ہی تمکو چشمِ عالم سے
مری آنکھوں کے پردوں میں ہو پردہ نشیں ہوکر
حیا کیوں مانعِ دیدار ہے چشمِ تمنا کو
چھپائے غیر کو اُنسے نگاہ سرمگیں ہوکر
دکھانے دیکھنے کو حسن ہوتا ہے زمانے میں
ستم ہے تم نظر سے پردہ کرتے ہو حسیں ہوکر
مکاں ہیں اُنکے چشم و دل تو کیوں رہتا نہیں کوئی
کبھی اس میں مکیں ہوکر کبھی اُس میں مکیں ہوکر
یہی فتنے اگر اس سے اٹھیں گے تو قیامت میں
اُٹھے گا آسماں بھی تیرے کوچے کی زمیں ہوکر
اُدھر جانا تھا انکا اور اِدھر موت آگئی مجکو
پھرے وہ میری بالیں سے نگاہِ واپسیں ہوکر
لگایا منہ سے جب ساغر تو پھر زاہد نے کیا چھوڑا
کیا چٹ وہ بھی جو کچھ رہ گیا تھا تہ نشیں ہوکر
تصور میں تمھیں جو چاہتا ہے وہ بلاتا ہے
پھرا کرتے ہو دنیا بھر میں تم خلوت گزیں ہوکر
وہاں بھی چین سے سونے نہ دیگا یہ دلِ مضطر
ہمیں آرام کب آئے گا پیوندِ زمیں ہوکر

جناب قہر کی یہ مہربانی ہے تو اے احسن
رہے گا ایک دن ملکِ سخن زیرِ نگیں ہوکر

کیا کام ہے۔ کیوں جا کے رہیں غیر کے گھر میں
تم دل میں رہو۔ سیر کرو میری نظر میں
پھرتے ہیں جو ہر وقت وہ ہر اک کی نظر میں
گھر بیٹھے رہا کرتے ہیں دن رات سفر میں
دشمن کو کیا دوست محبت کے اثر نے
ہے دل میں وہی دل ہے مرا جسکی نظر میں
عاشق سے ہوا کرتی ہے معشوق کو نفرت
تاثیر نئی ہے یہ محبت کے اثر میں
ہے وصل کا جب لطف کہ شبِ وصل نہ رکھیں
ہم دل میں تمنا کو حیا کو وہ نظر میں
دیکھی ہے ضیا جو رخِ روشن میں تمہارے
ہم نے نہ وہ خورشید میں دیکھی نہ قمر میں
تعظیم اُسے دی ہے دہن میں نے اٹھا کر
آیا کوئی جب تیرِ نظر میرے جگر میں
بیخود ہوں دمِ جلوۂ دیدار کہوں کیا
ہے دل میں نظر انکی کہ دل انکی نظر میں

احسن جو یہی حال ہے گریہ کا تو اک دن
آئے گا نظر خونِ جگر دیدۂ تر میں

تیر آتے ہیں نہ پیکان نظر آتے ہیں
دل میں ارمان ہی ارمان نظر آتے ہیں
دل کے لینے کی ادا سے نہیں واقف ہیں ابھی
ابھی کمسن ہیں وہ نادان نظر آتے ہیں
میری وحشت کے اثر سے نہ بچا گلشن بھی
چاک پھولوں کے گریبان نظر آتے ہیں
کس سے اقرار کیا ہے؟ وہ کہاں جاتے ہیں؟
آج کچھ اور ہی سامان نظر آتے ہیں
جب سے دل کو تری زلفوں کا ہوا ہے سودا
خواب راتوں کو پریشان نظر آتے ہیں
جنکو آیا ہے نظر جلوۂ دیدار ترا
مثلِ آئینہ وہ حیران نظر آتے ہیں
چل گئی نامہ رساں سے۔ کہ عدو سے اُلجھے
آج کیوں آپ پریشان نظر آتے ہیں

کس کے آنے کی خبر مل گئی احسن تجکو
دل سے جاتے ترے ارمان نظر آتے ہیں

نہیں جلوہ دکھا دیتا جو وہ پردہ نشیں ہمکو
تو شوقِ دید لیجاتا کہیں سے کیوں کہیں ہمکو
ہمیں رنج و الم سے واسطہ کیا تھا محبت میں
دلِ اندوہگیں تو نے کیا اندوہگیں ہمکو
بہت چھانا۔ بہت ڈھونڈا۔ بہت بھالا۔ بہت دیکھا
نظر آیا نہ تجھ سا کوئی دنیا میں حسیں ہمکو
اِسے کہتے ہیں سننا کبھی تم سے نہیں ہم نے
اِسے کہتے ہیں کہنا جو کہیں تم نے نہیں ہمکو

دلِ بیتاب نے تربت میں بھی بیتاب رکھا ہے
کب آیا چین احسن ہو کے پیوندِ زمیں ہمکو

آئیں ہمارے دل میں وہ یہاں بھی کبھی کبھی
آباد ہو یہ خانۂ ویراں کبھی کبھی

روکا گیا ہے غیر بھی اُس در پہ چند بار
اُس نے بھی کی ہے منتِ درباں کبھی کبھی

آتا ہے کچھ لہو بھی کبھی آنسوؤں کے ساتھ
کرتا ہے دل یہ دعوتِ مژگاں کبھی کبھی

ٹپکتے ہیں اسمیں جا بجا لائے بھی بعض وقت
لاتی ہے رنگ لغتِ جاناں کبھی کبھی

ہوتا ہے بھولے بسرے جو احسن کا میہماں
کرتا ہے اسپہ بھی کوئی احساں کبھی کبھی

ادھر سے جو اُٹھ کر اُدھر جائے گی
وہ مرنے کی میرے خبر جائے گی

شبِ غم نہ گزرے گی لیکن یہ عمر
یونہیں رفتہ رفتہ گزر جائے گی

خبر کیا ہے نکلے گی جو دل سے آہ
کہاں جائے گی۔ وہ کدھر جائے گی

جو ہے وعدہ کر کے نہ آنے کی خو
وہ کیا اے بتِ حیلہ گر جائے گی؟

خدائی کریں گے یہ بُت کیسے روز
خدائی اگر اُنپہ مر جائے گی

مرے گھر سے تنہا نہ جائے گا تو
ترے ساتھ میری نظر جائے گی

کہاں جائے گی خلق روزِ جزا
اِدھر آئے گی؟ یا اُدھر جائے گی؟

کٹے جس طرح میری عشرت کے دن
مصیبت بھی یونہیں گزر جائے گی

سنائے گا احسن تمھیں حالِ دل
طبیعت جب اُسکی ٹھہر جائے گی

اِس بات کا یقین ہو کیا نامہ بر مجھے
تو آئے اور اُسکی سنائے خبر مجھے

جادو زباں میں۔ نہ فسوں ہے بیان میں
ناصح کی بات کا ہو تو ہو کیا اثر مجھے

رہ رہ کے پھینکتے ہیں وہ تیرِ نظر اِدھر
تھم تھم کے لطف دیتا ہے دردِ جگر مجھے

بیٹھا اسی دعا میں شبِ وصل ختم کی
اِسکی سحر نہ آئے الٰہی نظر مجھے

جاتا ہے بن سنور کے کوئی بزمِ غیر میں
اب دیکھنا ہے نالۂ دل کا اثر مجھے

تو ہی بتا کہ پھر اسے کیونکر نکال دوں
دل سے عزیز ہے ترا تیرِ نظر مجھے

گو جانتا ہوں دردِ محبت ہے لا دوا
کرنا ہے امتحان ترا چارہ گر مجھے

احسن اٹھائے دستِ دعا بھی شبِ فراق
صورت مگر سحر کی نہ آئی نظر مجھے

بیخودی میں ہوش تب آیا ہے مشکل سے مجھے
جب پکارا ہے کسی نے پردۂ دل سے مجھے

یہ ہوا ظاہر نگاہِ نازِ قاتل سے مجھے
ہاتھ دھو لینا پڑے گا ایک دن دل سے مجھے

جان دینی ہے یہیں سوچ کر بیٹھا ہوں میں
اب تو ہے مر کر ہی اٹھنا تیری محفل سے مجھے

میں نے دل مانگا تو اُس نے کس ڈھٹائی سے کہا
کون ہے تو۔ واسطہ کیا ہے ترے دل سے مجھے

کیا بتاؤں ہمنشیں کیا کیا اٹھائے دردِ غم
ہجر کی شب سانس بھی آتا تھا مشکل سے مجھے

اک دم ہی تو کرے گی خون میرا ایک دن
اور کیا امید ہے شمشیرِ قاتل سے مجھے

کیا سمجھ ہے دل تو میرا فتنہ گر نے لے لیا
یہ نہیں سوچا کہ چاہے گا کس دل سے مجھے

ہو گیا کشتہ وہیں ہیں خنجرِ تسلیم کا
موت نے جس دم پکارا کوئے قاتل سے مجھے

حسن بھی تو اس جہاں میں عیب سے خالی نہیں
ہو گیا ثابت یہ داغِ ماہِ کامل سے مجھے

میرے دل سے پوچھ اسکو ہاں اگر یہ پوچھنا
کس قدر الفت ہے ہمدم تیغِ قاتل سے مجھے

کیوں نہ ہو احسن مرے اشعار سے ظاہر کمال
ہے تلمذ مہر سے استادِ کامل سے مجھے

اور بھی ہے ایسی صورت۔ ایسا نقشہ اور ہے
تو تمھیں کہدو جہاں میں کوئی تم سا اور ہے

ایک ہی حسرت ہے کیا مجھکو ترے دیدار کی
دیکھکر پھر تجکو دیکھوں یہ تمنا اور ہے

دیکھنے والے کو تیرے دیکھتا ہے اک جہاں
ہے تماشائی تماشا یہ تماشا اور ہے

دین ہے زاہد غرض عشاق کو دنیا کلام
دین اُنکا اور کچھ ہے اُنکی دنیا اور ہے

اُنکو میرے دل کی خواہش مجکو اُنکی آرزو
اُنکی حسرت اور ہے میری تمنا اور ہے

اِس میں ہے لیلائے عالم اُس میں ہے لیلائے قیس
دل کا پردہ اور ہے محمل کا پردا اور ہے

دیکھکر بھی مجکو ظالم کم ہوئے کب ذوقِ دید تھا
پہلے تھی کچھ اور حسرت۔ اب تمنا اور ہے

دیکھے قابل ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں
دم میں حیرت اور ہے دم بھر میں جلوا اور ہے

تجھ سے کیا ہوگا مریضانِ محبت کا علاج
ہوش میں آ چارہ گر اِنکا مسیحا اور ہے

دیکھ لے احسن ترا دیدار بس اِسکے سوا
اور کیا ہے اُسکی حسرت؟ آرزو کیا اور ہے؟

جو ہمارا دل۔ ہماری جان ہے
اُس کو دل کا۔ جان کا ارمان ہے

اب ہمارا شغل ہے یہ رات دن
نالہ ہر دم ہے۔ فغاں ہر آن ہے

حضرتِ زاہد یہ ہے ایمان کی
اِن بتوں کے ہاتھ میں ایمان ہے

تیسرا غمخوار میرا کون ہو
ایک میں ہوں۔ ایک میری جان ہے

اور میرے دل میں کیا ہے بدگماں
تیری حسرت ہے۔ ترا ارمان ہے

قہر ہے۔ ساری خدائی اُنکی ہو
بُت خدا ہوں۔ یہ خدا کی شان ہے

جس سے احسن ہے عیاں حسنِ کلام
وہ جنابِ مہر کا دیوان ہے

نکلتی دل سے یوں حسرت نہیں معلوم ہوتی ہے
یہ اِس گھر میں مگر گوشہ نشیں معلوم ہوتی ہے

تجھے فرحت نہیں زاہد زمینِ کوئے جاناں میں
مرے دل کو تو یہ خلدِ بریں معلوم ہوتی ہے

جنابِ شیخ کے حصے کی کچھ چھوڑی بھی کیا ساقی
کہ شیشے میں مجھے کچھ تہ نشیں معلوم ہوتی ہے

فروغِ حسن ہے اِس حسنِ صورت کا تو کیا کہنا
مجھے تصویر بھی تیری حسیں معلوم ہوتی ہے

ہے کیا کیا وار کرتی ہے سمٹ کر بھی مرے دل پر
بڑی قاتل تری چینِ جبیں معلوم ہوتی ہے

اُچھل پڑتا ہے مجنوں دیکھکر جوشِ مسرت سے
جھلک کچھ ایسی محمل کے قریں معلوم ہوتی ہے

اِسے پھر روک لیتی ہے خبر اُس بُت کی آ آ کر
نکلتی تن سے جب جانِ حزیں معلوم ہوتی ہے

کہاں جائے نکل کر کوچۂ قاتل سے اب احسن
اُسے تو وہ بڑی دلکش زمیں معلوم ہوتی ہے

تو نے کس قہر کی یہ شکلِ حسیں پائی ہے
جسکو دیکھو وہ ترے حسن کا شیدائی ہے

آئینے میں نظر آتا ہے مقابل اپنا
اُدھر اسپہ تمھیں دعوئے یکتائی ہے

یہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا یہ تجھے ناز و غرور
چاہنے والوں کے دم سے تری رعنائی ہے

جان سے جاتا ہی ہوتا ہے جو تیرا بیمار
کیا مسیحا ہی اعجازِ مسیحائی ہے!

اور کیا کام ہے احسن شبِ غم کا آخر
جان لینے کو مری یہہ بھی یہاں آئی ہے

حاتم جناب منشی حاتم علی صاحب پرتاپ گڈھی

کیا بتاؤں اُسکی کیسی شان ہے
جسکو بے دیکھے جہاں حیران ہے

دل لگانا کیا کوئی آسان ہے
دل لگی میں جان کا نقصان ہے

تجکو دل لینے ہی کا ارمان ہے
تجھپہ میری جان بھی قربان ہے

بیوفا سے عشق کرتا ہے عبث
یہہ دلِ ناداں بڑا نادان ہے

دیکھ لوں اِک بار تجکو اور میں
بس یہی حسرت یہی ارمان ہے

کیا کہوں اے چارہ گر میں حالِ دل
ہے دمِ آخر۔ لبوں پر جان ہے

کوئی ارماں ہی نہو دل میں مرے
میرے دل میں اِک یہی ارمان ہے

اُس ستمگر کو ہے اِسکی کیا خبر
زندگی کیا چیز ہے۔ کیا جان ہے

آجکل حاتم کلامِ دہر سے
شاعری کی اور ہی کچھ شان ہے

خوشتر جناب منشی عبدالرحمن صاحب منگروری

غرض ہمارے دلِ مبتلا نے کام کیا
جو صبحِ ہجر کو رو بیٹھ کر بھی شام کیا

یہہ اُنکی چشمِ فسونگر نے خوب کام کیا
اِسے غلام بنایا۔ اُسے غلام کیا

الٰہی لوٹ گیا سانپ سا مرے دل پر
یہہ کسنے تذکرۂ زلفِ مشک فام کیا

بتوں کے سامنے ہر دم رہے ہیں سجدے میں
نمازِ عشق میں ہم نے کہاں قیام کیا

بُرا نہیں سہی تمھیں بدنام کر دیا میں نے
رقیب نے تو زمانے میں نیک نام کیا!

سحر کے نکلے جو تم شام کو گھر آئے ہو
کہاں کہاں گئے۔ کس کس جگہ قیام کیا

سمجھ لے آپ کو پھر کوئی بیدہن کیونکر
جب آپنے دہنِ تنگ سے کلام کیا

پڑھا ہے گو سبقِ عشق تو ہزاروں نے
مگر کسی نے نہ ابتک اِسے تمام کیا

ہوئے نہ بند دمِ قتل بھی ہم لبِ قاتل
ہمارے ہر دہنِ زخم نے کلام کیا

شرابِ عشق نہ دینا کبھی رقیبوں کو
غضب کیا اگر اِس خاص کو بھی عام کیا

تمھارے وعدۂ فردا کا کیا یقیں آئے
جو عہد صبح کیا۔ کب وفا وہ شام کیا

جو دل دیا ہے کسی کو تو کیوں نہ آئے غضب
کہ جان جانے کا خوشتر یہہ تم نے کام کیا

فائق جناب مولوی سید شاہ محبوب الرحمن صاحب سجادہ نشین مفتی گنج پٹنہ عظیم آباد

الٰہی کیا یہ مرادل بدل نہیں سکتا
کہ اِس سے تو کوئی ارماں نکل نہیں سکتا

زمانہ بدلے۔ زمیں بدلے۔ آسماں بدلے
مگر کسی کا مقدر بدل نہیں سکتا

جب ایکمرتبہ قابو سے دل ہُوا باہر
پھر اُسکو لاکھ سنبھالو سنبھل نہیں سکتا

تم اِن جفاؤں پر اپنی یہ ضبط تو دیکھو
کہ میری آنکھ سے آنسو نکل نہیں سکتا

وہ اور ہو نگے جو اُسکے فریب میں آئیں
رقیب ہم سے کوئی چال چل نہیں سکتا

عدو کا تم سے کچھ ایسا ہُوا ہے دل ٹھنڈا
جلاؤ تم بھی اب اسکو تو جل نہیں سکتا

نکالوں خارِ تمنا کو کس طرح دل سے
نکالنے سے یہہ کانٹا نکل نہیں سکتا

خدا کے سامنے محشر میں کیوں ڈراتے ہو
تمھارے ڈر سے یہاں میں دہل نہیں سکتا

بتوں سے رحم کی اُمید ہے عبث فائق
جو سنگدل ہیں دل اُنکا پگھل نہیں سکتا

وہ ہُوا عشق میں جو تھا ہونا
دیکھئے اور اب ہے کیا ہونا

کبھی ناخوش۔ کبھی خفا ہونا
تم سے اِسکے سوا ہے کیا ہونا

خوبرویوں کو اپنا دل دیکر
رنج میں ہمکو مبتلا ہونا

کوئی ہمدرد میرا ہوتا ہے
دردِ اُلفت ذرا سوا ہونا

دل کو اُس شمعرو پہ محفل میں
مثلِ پروانہ تھا فدا ہونا

دامِ کاکل میں پھنس گیا جو دل
اُسکا آساں نہیں رہا ہونا

جیتے جی کیوں نہ اُسپہ مرجاؤں
ایکدن مجکو ہے فنا ہونا

ہے روا کس کتاب سے واعظ
مئے اُلفت کا ناروا ہونا

دل میں رکھنے کی چیز ہے فائق
قہر ہے غم کا برملا ہونا

وہ گرفتارِ بلا کیا کیا ہُوا
جسکو تیری زلف کا سودا ہُوا

سامنے جب حسن کا جلوا ہُوا
دل مرا عاشق ہُوا۔ شیدا ہُوا

جوشِ گریہ دیکھنا اِس ضبط پر
میری آنکھوں سے رواں دریا ہُوا

اور میرے دل کی الجھن بڑھ گئی
دیکھکر گیسو ترا اُلجھا ہُوا

دیدۂ تر کیوں نہ برسیں ہجر میں
دل پہ غم کا ابر ہے چھایا ہُوا

ہے رہائی دامِ اُلفت سے محال
چھُٹ نہیں سکتا ہے دل اُلجھا ہُوا

شکوۂ آزار گو لاکھوں ہوئے
دل نہ ظالم کا مگر میلا ہُوا

تیرے لب پر ہیں جو آہیں رات دن
عشق اے فائق تجھے کس کا ہُوا

کیا خوشی اسکی جو دم ہمدم رہا
مجھ سے جب تک وہ رہا برہم رہا

ہر بلا ہر رنج میں میرا امام
اللہ اللہ رے ہمارا جذب ضبط

دیکھکر جلوہ ترا۔ دل پر مرے
محتسب نے توڑ ڈالا کیا سبُو

خاک میں کیا کیا ملے سامانِ عیش
در ترا چھوڑا نہ عاشق نے ترے

سامنے محراب ابرو کے ترے

پاس اپنے جب کوئی کم کم رہا
کیا کہوں میں دل کا کیا عالم رہا

دھیان تیرا مونس و ہمدم رہا
اشک جو آنکھوں میں آیا تھم رہا

بیخودیِ طور کا عالم رہا
میکدے میں رات کیوں ماتم رہا

رہگیا خسرو۔ نہ باقی جم رہا
جب تک اسکے دم میں باقی دم رہا

سیکڑوں کا فتنہ گر سر خم رہا

اپنے بیگانے ہوئے اُس سے جُدا
پاس فائق کے نہ جب درہم رہا

پھنسا کے زلف میں موئے کمر کو رام کیا
تڑپ تڑپ کے جو صبح گزاری ہجر کی رات

زباں سے نہ کیا۔ تو کیا اشاروں سے
سُنایا قصۂ فرقت یہ سوچکر اُنکو

جو بیقرار ہیں فتنے تو نقشِ پا بیتاب
بلانہ اور بٹھکانا جو تیر کو تیرے

یہ خوب آپ نے عنقا اسیرِ دام کیا
تو صبح ہجر کو بختِ سیہ نے شام کیا

کلام آپ نے دشمن سے لا کلام کیا
یہ ناتمام رہا۔ یا اِسے تمام کیا

یہ تم نے حشر بپا کیا دمِ خرام کیا
تو بیٹھکر دلِ بیتاب میں قیام کیا

جو بات بھی کبھی فائق سے کی محبت کی
تو اُسکو آپ نے بے دام کا غلام کیا

تیری نظروں کی طرح مجھ سے پھر گیا دنیا کا رخ
دلربائی پر تجھے کہتے ہیں کیا دنیا کے لوگ

کیوں ذلیل و خوار ہوتا کوئی راہِ عشق میں
اے بتِ کافر خدا لگتی کہہ دیتے ہیں صاف

دیکھتے تھے سب تجھے محشر میں یا اُس شوخ کو
ظلم کرنے سے اُنھیں مطلب ستم ڈھانے سے کام

اِن بتوں کے عشق میں بدنام وہ ہوتے نہیں
آپ ہی ناصح بتائیں اُس سے رخ کیوں پھر لوں

اُس طرف پھرتا ہے یہ بھی جس طرف پھرتا ہے تو
پھر کے میری سمت سے میری طرف ہوتا نہیں

کس قدر اے کج ادا ہے کج دلا دنیا کا رخ
اے کے دل دیکھا بھی تو نے دلربا دنیا کا رخ

دیکھ کر چلتا جو وہ اے رہنما دنیا کا رخ
دیکھتے ہیں کب بھلا اہلِ صفا دنیا کا رخ

کس طرف تھا اے خدا تو ہی بتا دنیا کا رخ
کیا غرض ان کو جو دیکھیں جو وہ اچھا بُرا دنیا کا رخ

دیکھتے رہتے ہیں جو صبح و مسا دنیا کا رخ
جب یہ دنیا کی نظر صدقے۔ فدا دنیا کا رخ

تیرے رخ سے کس قدر ہے آشنا دنیا کا رخ
کیا تری بے التفاتی ہو گیا دنیا کا رخ

ہم نے یہ جانا کہ تیری آنکھ اُس سے پھر گئی
جب نظر آیا ہے فائق سے پھرا دنیا کا رخ

غمِ فرقت نے ایسا کر دیا اندوہگیں ہمکو
اگر وہ عدو فا کا بھی کہے وہ بیوفا ہم سے

نہ کچھ جنت میں کھٹکا ہے۔ نہ کچھ دوزخ میں کھٹکا ہے
ہوا ہے جب سے تیرے آستاں پر ناصیہ فرسا

نویدِ وصل سے بھی اب خوشی ہوتی نہیں ہمکو
نہ آئے گا۔ نہ آئے گا۔ نہ آئے گا یقیں ہمکو

مگر تو جس جگہ مل جائے تو سمجھے وہیں ہمکو
بہت اونچا نظر آنے لگا چرخِ بریں ہمکو

ہمارا دل بھی دنیا سے ہوا ہے سرد اے فائق
کیا ہے شوق نے جب اپنا سجادہ نشیں ہمکو

جب سے ہوا ہے عشق بتِ فتنہ گر مجھے
ملجائے اے خدا وہ حبیبِ پیمبر مجھے

پیتا ہوں میں اب تپ فرقت کی پیاس میں
مرنے کا کوئی غم ہے۔ نہ جینے کی کچھ خوشی

کیوں خشک کر رہا ہے مرا خون سوزِ غم
اب گئے وہ لیکے مرا دل کنارہ کش

آتی نہیں ہے چین کی صورت نظر مجھے
اُلفت میں اور چاہیئے کیا سیم و زر مجھے!

پانی سے بھی عزیز ہے خونِ جگر مجھے
یکساں ہیں تیرے عشق میں نفع و ضرر مجھے

پینا پڑے گا یہ تو ابھی عمر بھر مجھے
پہلے سے تو نہیں تھی کچھ اسکی خبر مجھے

اس غمکدے میں اپنے نہ دیکھا اُسے کبھی
فائق خوشی کی شکل نہ آئی نظر مجھے

محمد جناب حافظ محمد علی صاحب مرحوم، جنرل مرچنٹ صدر بازار سرائے ضلع بلیا

پسند جسکو جو آیا وہ اُس نے کام کیا
ستم بھی تجھ پہ کیا۔ تو برائے نام کیا

کب اور اسکے سوا تم نے کوئی کام کیا
تمہارے عشق میں ناشاد ہی رہے ہم تو

الٰہی کیا کوئی آتا ہے فاتحہ کے لئے
انھوں نے ہم سے نہ کی کوئی بات خلوت میں

چلے۔ تو پھرتے رہے وہ ہماری آنکھوں میں
یہ دم پہ خاک نشینوں کے بن گئی کیسی

اگر عدو کے کہے سے کیا سلام مجھے

جفا میں آپکے ہم نے وفا میں نام کیا
عدو پہ لطف و عنایت کا اختتام کیا

ستم ہمیشہ کیا۔ ظلم ہی مدام کیا
وہ شاد ہونگے جنھیں تم نے شادکام کیا

جو میری قبر پہ خلقت نے ازدحام کیا
مگر رقیب سے محفل میں بھی کلام کیا

رُکے تو دل میں ہمارے ذرا قیام کیا
دمِ خرام یہ کیا تم نے خوشخرام کیا

تو اِس سلام کو بھی آپکے سلام کیا

جب عاشقوں نے محمد نمازِ عشق پڑھی
امام تمکو بنایا۔ تمھیں امام کیا

سُنائے غیر کو مُطرب نے بزمِ جاناں میں
نہ دیکھی تیز خنجر میں نہ دیکھی تیغِ بُرّاں میں

ضیا کب اِس قدر رہتا ہے مہرِ درخشاں میں
لگے کیا خاک جی اُسکا الٰہی باغِ رضواں میں

ترے وحشی کو کیا کیا یاد آتی ہے بیاباں کی
نہ دو تحریر تم جسکی۔ نہ لکھو جسکا تم کاغذ

بتائے گا اگر رستہ نہ ہمکو کوئے جاناں کا
دعائے مغفرت کرتا تم اپنے مرنے والوں کی

بُری ہے تو بُرائی سے بھی ذکر ہے کیا معنی
تجھے بھی ہم جلا کر خاک کر دینگے فلک اِک دن

بھلا ایسے ہیں دیوانے کہاں پابندِ زنداں میں
ترے دیوانۂ الفت کی میت پر کفن کیا ہو

قیامت ہے جنوں میں نالۂ زنجیر زنداں میں
قیامت جو نظر آئی نگاہِ نازِ جاناں میں

چمکتی ہے جو بجلی سی کسی کے روئے تاباں میں
بہاریں دیکھ لی ہوں جس نے زنجیر کے زنداں میں

گزر ہوتا ہے جب اُسکا کبھی صحنِ گلستاں میں
وہ کوئی عہد ہیں جو عہد و پیمان ہیں پیماں میں

در جنت یہ ہوگی خوب ہم ہیں اب در رضواں میں
اگر بھولے سے آجائے کبھی کوئے غزالاں میں

خلل ہمکو نظر آتا ہے زاہد تیرے ایماں میں
اثر دیگا خدا جس دن ہماری آہِ سوزاں میں

بہاریں ہیں یہی قبریں کبھی ہیں زنداں میں
جنوں نے تار کب کھا یہاں جیبِ گریباں میں

تمھارے بھی نکالے سے نہ نکلے گا نہ نکلے گا
مری تقدیر کا جو پیچ ہوگا زلفِ پیچاں میں

اُنھیں فکرِ ستم ہے پائیں منشی جفاؤں سے
وہ کیوں بیٹھیں نہ اب آج سر ڈالے گریباں میں

محمدؔ میں سمجھ لوں مل گئی دادِ سخن مجھکو
پسند آئے جو کوئی شعر انکو میرے دیواں میں

جو دل ان بتوں پر فدا کر رہے ہیں
خدا کی قسم وہ خطا کر رہے ہیں

وفا پر وہ ہم سے دغا کر رہے ہیں
ستم کر رہے ہیں۔ جفا کر رہے ہیں

ستم سہہ کے ہم اور کیا کر رہے ہیں
دعا دے رہے ہیں۔ دعا کر رہے ہیں

بھلا ہو نگاہِ کرم اک ادھر بھی
بڑی دیر سے ہم صدا کر رہے ہیں

سزا پر سزا وہ ہمیں دے رہا ہے
مگر ہم خطا پر خطا کر رہے ہیں

دغا اب کرے زندگی اور کچھ دن
وہ پھر مجھ سے عہدِ وفا کر رہے ہیں

کہا مان بھی لو۔ کہا مان جاؤ
ادھر دیکھو۔ ہم التجا کر رہے ہیں

اِدھر دیکھ کر چھیڑتے ہیں عدو کو
کوئی جانے میرا کہا کر رہے ہیں

اُٹھیں اب محمدؔ۔ کریں فکرِ عقبیٰ
پڑے خوابِ غفلت میں کیا کر رہے ہیں

ناطق۔ جناب منشی محمد عبد القدوس، صاحب انصاری۔ رسڑا۔ ضلع بلیا

گل ہو ہمسر کس طرح اس شوخ کے رخسار کا
اسکو کانٹے کی خلش اسکو نہیں غم خار کا

قتلِ عاشق کے لئے پھر کام کیا تلوار کا
کام کر دے جب اشارہ ابروئے خمدار کا

سر بکف ہوں میں ادھر خنجر بکف ہیں وہ ادھر
مجکو حسرت قتل کی ہے انکو ارماں وار کا

خط میں وہ کیونکر لکھوں قاصد سے کیونکر کہوں
ہے غمِ فرقت میں جو کچھ حال مجھ بیمار کا

حضرتِ دل کام ان سے تو چل سکتا نہیں
نالہ و فریاد کرنا کام ہے بیکار کا

آج تو کیوں روٹھتا ہے۔ آج کیوں بیزار ہے
وصل کا دن تو ستمگر دن نہیں تکرار کا

اپنے بسمل کا بھی قاتل تو نے دیکھا حوصلہ
لے لیا بوسہ تڑپ کر خنجرِ خونخوار کا

تیر پے تیرِ عشق نے دل کو بنایا ہے ہدف
رنج کا غم کا۔ بلا کا۔ درد کا۔ آزار کا

تو بھی تو ناطق جنابِ قہر کا شاگرد ہے
کیوں نہ پھیلے نور دنیا میں ترے اشعار کا

دیکھ کر جوہر تری شمشیرِ جوہردار کا
خود بخود خم ہو گیا سر عاشقِ ناچار کا

کیا ٹھکانا ہے غم و دردِ فراقِ یار کا
اب خدا ہی ہے نگہباں اس دلِ بیمار کا

مرغِ دل ہے اور کن کا بس انھیں دو کا شکار
تیرِ مژگانِ صنم کا۔ ابروئے خمدار کا

فیضِ عشقِ عارضِ گلگوں سے جاتا ہے یہاں
دل کے ہر ہر داغ میں عالم ہے اک گلزار کا

سر مرا پہلو پہ رکھکر غیر سے کہتے ہیں وہ
حال آج اچھا نہیں ہے عاشقِ بیمار کا

رہ گیا تسمہ لگا گردن میں حسرت رہ گئی
وار جب اوچھا پڑا قاتل تری تلوار کا

باغ میں بولی یہ بلبل سن کے ناطق کا کلام
اک کھلا گل ہے مجھے ہر لفظ ان اشعار کا

بدلا ہوا ہے طور کسی کی نگاہ کا
اللہ تو حفیظ ہے مجھ بے گناہ کا

کیا ہوگا حال حشر میں کل اس نگاہ کا
انصاف ہو گیا جو کسی دادخواہ کا

ہم دیکھتے نہیں ہیں کبھی چاند کی طرف
جلوہ نظر میں ہے جو کسی رشکِ ماہ کا

چھوڑا ہے دل میں زخم کہ گہرا ہے دیکھ لو
تیر نگاہ کا ہے۔ کہ تیغِ نگاہ کا!

ہے اور کون اس سے زیادہ سیاہ بخت
سودا ہو جسکو آپکی زلفِ سیاہ کا

ڈوبا ہوا ابھر اس کا ابھرتا نہیں کبھی
موزوں ہے نام چاہ حسینوں کی چاہ کا

چھوڑا نہ بیکسی نے مجھے بعد مرگ بھی
پرساں ہے کون قبر میں حالِ تباہ کا

خنجر اٹھا کے پھر نہ کیوں تم نے چھانٹ دی
میدان صاف کر نہ دیا قتل گاہ کا

وعدہ نباہ کا ہے تو یہ بھی بتائیے
دو ایک سال کا ہے۔ کہ دو ایک ماہ کا؟

ناطق تو اس نگاہ کا بھرتا رہا ہے دم
پھر حال کیوں تباہ ہے اس خیرخواہ کا

یہ کس نے خنجرِ بیداد بے نیام کیا
کہ زندگی نے ہماری ہمیں سلام کیا

کھلا کے غم ہی نہ کیوں مجکو تلخ کام کیا
جو آب و دانہ مرا عشق نے حرام کیا

رقیب بیٹھے ہیں۔ عاشق اٹھائے جاتے ہیں
یہ خوب آپنے محفل کا انتظام کیا

دمِ اخیر بھی نکلی نہ حسرتِ دیدار
وہ گھر سے نکلے ہمارا اجل نے کام کیا

الٰہی یوں بھی تو ہم سے رہا حجاب انھیں
وہ آئے خواب میں لیکن نہ کچھ کلام کیا

ہوئی کسی سے تو ہم سے وفا ہوئی ہر دم
کیا کسی نے تو اس نے جفا میں نام کیا

ہر ایک داغِ جگر کے عوض دیا اک دل
یہ قرض انکا ادا ہم نے دام دام کیا

یہ تم نے کسکو بلایا ہے۔ کون آتا ہے
یہ آج کیا ہے یہ کیوں آپکا اہتمام کیا

بتوں کے عشق میں ناطق نے جان تک دیدی
جو کام کرنے کے قابل نہ تھا وہ کام کیا

وصل سے تیرے ترا واصل نہ کیوں ہو باغ باغ
دل کی نکلے آرزو تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ

اسکے ہر انداز میں اک آن ہے اک شان ہے
شکلِ بسمل دیکھکر قاتل نہ کیوں ہو باغ باغ

آنکھ سے جب آنکھ ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے دل
دل سے جب دل مل گیا تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ

یہ تو انکی جان ہے۔ اسیر تو وہ قربان ہے
دیکھکر خنجر ترا بسمل نہ کیوں ہو باغ باغ

بھر کے ساغر تو پلاتا ہے مئے گلرنگ کے
تیرا میکش ساقیٔ محفل نہ کیوں ہو باغ باغ

داغِ دل داغِ جگر کیا کیا دکھاتے ہیں بہار
دل جگر جب ہوں چمن تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ

تیغِ قاتل دیکھکر ہے دل میں یہ بھی شاد شاد
ہو جب آساں تو مری مشکل نہ کیوں ہو باغ باغ

پرتوِ رخ نے ترے اسکو لگائے چار چاند
دیکھکر تجکو مہِ کامل نہ کیوں ہو باغ باغ

عید ملکر اس سے ناطق عید مجکو کیوں نہ ہو
وہ گلے سے جب ملے تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ

شکایت جور کی ترکِ وفا کا شکوہ کرتے ہیں
وہ کھچے خود ہیں لیکن مرے سر الزام دھرتے ہیں

جفا پر ضبط کرتے ہیں ستم پر صبر کرتے ہیں
جو تیرے ظلم سہتے ہیں وہ یوں گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں

نہ انکو صبر آتا ہے۔ نہ انکو موت آتی ہے
جو تم پر مرنے والے ہیں نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ہوا کرتے ہیں جو بدنام دنیائے محبت میں
انھیں کا نام ہوتا ہے وہی کچھ نام کرتے ہیں

فغاں سے آہ سے کیا فائدہ ہوا اے دل مضطر
کہیں وہ بزم دشمن سے ابھارے سے ابھرتے ہیں

پھر انکے وعدۂ فردا کا کیونکر اعتبار آئے
کیا تھا عہد جو کل آج وہ اُس سے مکرتے ہیں

الٰہی کچھ ہماری بیقراری کا ٹھکانا ہے
ہمیں تو رات دن رو رو تڑپتے ہی گزرتے ہیں

کسی صورت ترے بیمار زندہ ہی نہیں رہتے
نہیں آتی ہے جنکو موت وہ بے موت مرتے ہیں

گنگھائے زندگی میں تو نے زلف عنبریں ناطق
وہ اب کس واسطے تربت پہ میری پھول دھرتے ہیں

دکھائے بام سے چہرہ اگر وہ مہ جبیں ہمکو
نظر آجائے شمع طور کا جلوہ یہیں ہمکو

حرم میں دیر میں یا دشت میں لیکر کہاں جائیں
کہیں تو چین سے رہنے دے اے چرخ بریں ہمکو

نہیں ممکن محبت میں ہمارے منہ سے اُف نکلے
ستائے لاکھ گو وہ دشمن ایمان و دیں ہمکو

دل مشتاق کی حسرت ابھی پوری نہیں نکلی
دکھائے پھر جھلک وہ سے ادائے دلنشیں ہمکو

سلامت رہ گیا ہے کون آنسو پونچھنے والا
مبارک ہے شب فرقت ہماری آستیں ہمکو

طریق دشت گردی سیکھ لے آکر کوئی ہم سے
کیا ہے حضرت مجنوں نے اپنا جانشیں ہمکو

ذرا ہم بھی شعاع رخ سے آنکھیں سینک لیں ناطق
اگر وہ غیرت خورشید مل جائے کہیں ہمکو

سکھائی وہ جفا اسکو جو تھی میرے مقدر کی
وہ چشم فتنہ گر اُستاد ہے چرخ ستمگر کی

ہمارے داغ دل کی روشنی کے سامنے کیا ہے
تجلی ماہ تاباں کی ضیا خورشید انور کی

در و دیوار دور مجھ سے بھی پہچانے نہیں جاتے
شب غم جوش گریہ نے بدل دی شکل سب گھر کی

نہ اپنی مجھ سے کہتے ہیں نہ میری مجھ سے سنتے ہیں
بنے بیٹھے ہیں میرے سامنے تصویر پتھر کی

یہ کس کی سخت جانی نے کیا ہے منفعل یارب
نظر نیچی نظر آتی ہے کیوں آج اُس ستمگر کی

بٹھایا اپنی محفل میں مجھے پہلوئے دشمن میں
مری توقیر یہ کی تم نے تو کیا خاک بہتر کی

تمھیں تو ہمنے سُننے کا یقیں مطلق نہیں آتا
رقیب رو سیہ کی بات کیونکر تم نے باور کی

پھرایا کرتی ہے دشت و بیاباں کو وہ صحرا میں
مجھے وحشت کبھی رخصت نہیں دیتی گھڑی بھر کی

در میخانہ پر شاید موذن نے اذاں دی ہے
وگرنہ رند کب سنتے صدا اللہ اکبر کی

ہوا ہے غیرت خلد بریں بیت الحزن میرا
ہوئی ہے تیرے آجانے سے یہ صورت مرے گھر کی

سُنائیں کیوں نہ ہم بزم سخن میں یہ غزل اپنی
سخنور ہی تو ناطق قدر کرتے ہیں سخنور کی

کیونکر نہ رات دن رہے یاد کمر مجھے
کرنا ہے ایک روز عدم کا سفر مجھے

رہتا ہے جب سے اسکے رخ و زلف کا خیال
اک بیکلی سی رہتی ہے شام و سحر مجھے

ناصح نہ چھیڑ۔ مان کہا۔ اپنی راہ لے
تیری نصیحتوں کا نہ ہوگا اثر مجھے

ایسا ہوا ہوں محو جمال رخ حبیب
کس کی خبر کہوں نہیں اپنی خبر مجھے

یا قدح میں چرخ ستمگر کے ہاتھ سے
پینا پڑا ہے ساغر خون جگر مجھے

تم پاس ہو اگر تو جہنم بھی ہے بہشت
تم دور ہو تو باغ ارم ہے سقر مجھے[1]

قاصد پھرا۔ نہ آئی صبا کوئے یار سے
کوئی نہیں جو اسکی سنائے خبر مجھے

ناطق دم نظارہ پڑی جس طرف نظر
جلوہ اُسی کا اُس طرف آیا نظر مجھے

ہمیں تڑپا گئے وہ مسکرا کے
کہاں چلتے ہوئے بجلی گرا کے

ستمگر نے مجھے الجھن میں ڈالا
مرا دل دام گیسو میں پھنسا کے

ہمارے عشق پہ ہنستے ہیں دشمن
ہمیں رونا پڑا ہے دل لگا کے

ترے کوچے سے قاصد کیا پلٹتا
کوئی آیا کبھی ہے جنت میں جا کے

ہمارے بھی مقدر میں ہے کوئی
ذرا دیکھیں تو قسمت آزما کے

وہ جب چلتا ہے تو چلتا ہے کیا کیا
ہماری خاک سے دامن بچا کے

مریض غم تو یوں نہیں مر رہا ہے
چلا ہے تیغ تو کس پر اٹھا کے

نہ ہے ناسخ نہ ہیں شمشاد باقی
نشانہ بن گئے تیر قضا کے

نہ آیا ہے۔ نہ آئے گا یہاں وہ
لو ناطق تمھیں اب اُس سے جا کے

آج اُس شوخ کو پھر یاد مری آئی ہے
مجکو یہ مژدہ نسیم سحری لائی ہے

اب تو جام مے گلرنگ پلائے ساقی
سرد ہے آج ہوا اور گھٹا چھائی ہے

نظر آتا نہیں مجھ سا کوئی تنہا مجکو
میری تنہائی بھی کیا آپکی یکتائی ہے

اس طرح دیر سے کعبے کو چلا ہوں زاہد
آگے میں ہوں مرے پیچھے مری رسوائی ہے

بزم دشمن میں بھی ہے۔ تری محفل میں بھی
بدگمانی بھی مری تیری طرح ہرجائی ہے

کہے دیتی ہیں ستمگر تری نیچی نظریں
آجکل تیری طبیعت بھی کہیں آئی ہے

تیسرا کون ہے ناطق نہیں جسکا ثانی
اُنکی یکتائی ہے۔ یا آپ کی تنہائی ہے

ناظم جناب ابو العاصم منشی محمد اسمٰعیل صاحب انصاری رسر ضلع بلیا

جو تیرے غم عشق کے قابل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

کیوں غیر تری بزم میں شامل نہیں ہوتا
کیا رشک عدو بھی مرے قابل نہیں ہوتا

میرا غم اُلفت میں مرا دل نہیں ہوتا
یہ بھی تو بُرے وقت میں شامل نہیں ہوتا

آمادہ مرے قتل پہ قاتل نہیں ہوتا
پورا یہ کبھی حوصلۂ دل نہیں ہوتا

کب کرتے نہیں غیر مری جھوٹی شکایت
کس روز مرا شکوۂ باطل نہیں ہوتا

آسان ہے مرنا تو مگر ہجر میں ہمکو
مشکل وہی ہوتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا

تڑپاتا ہے کیوں اُسکو تڑپنا مرا یارب
قاتل تو کسی کا کبھی بسمل نہیں ہوتا!

کیونکر تری محفل میں ملا بار عدو کو
ابلیس تو فردوس میں داخل نہیں ہوتا

اک تم ہے بھلایا ہے مجھے تو نے ستمگر
اک میں ہوں تری یاد سے غافل نہیں ہوتا

وہ سر نہیں جس سر میں نہیں ہے ترا سودا
جس دل میں ترا عشق نہیں دل نہیں ہوتا

سُنکر شب فرقت کی کہانی کوئی بولا
کہنے سے کچھ اس قصے کے حاصل نہیں ہوتا

کرتا ہے ستم ہم پہ تغافل میں بھی ظالم
غافل بھی وہ ہوتا ہے تو غافل نہیں ہوتا

محفل جسے کہتے ہیں وہ محفل نہیں ہوتی
جس بزم میں وہ رونق محفل نہیں ہوتا

آتا ہے تصور میں بھی کب وہ بت ظالم
جب تک اثر جذبۂ کامل نہیں ہوتا

[1] مصرع طرح

وہ طفلِ دبستاں ہے، دبستانِ سخن کا
جو قہر سے اُستاد کا قائل نہیں ہوتا

پایا ہے جو ناظم نے محبت میں تری نام
وہ نام کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا

لاکھ وہ دھبا مٹا لیں خنجرِ فولاد کا
دل دہلتا تھا کبھی چرخِ ستم ایجاد کا
بھول جائے مجکو اُسکی نارسائی اے فلک
ہاتھ میں شمشیر اُٹھا کر قتل کیوں کرتے نہیں
تم بیاں کر کرکے حالِ رونقِ بزمِ رقیب
آپکے قطعِ تعلق ہی کہیں مجھ جائے اب
جس پہ آتی ہو نظر حسرت برستی ہر گھڑی
بھیجکر خط ہی میں انکو میں کھاؤں اپنی گلی
تم نے خنجر تو نکالا ہے مگر کھلتا نہیں
آئے آخر وہ ہمارے گھر جگر تھامے ہوئے

خون چھپ سکتا نہیں پھر بھی کسی ناشاد کا
تیر تھا اُسکو بھی نالہ اس دلِ ناشاد کا
ہو رسا تجھ تک اگر نالہ کسی ناشاد کا
خوں کیوں کرتے ہو ارمانِ دلِ ناشاد کا
کیوں قسم کھاتے ہو دل اپنے عاشقِ ناشاد کا
اور تو ارماں نہ نکلا اس دلِ ناشاد کا
ہے یہی مرقد تمھارے عاشقِ ناشاد کا
کھینچ دے مانی اگر نقشہ دلِ ناشاد کا
امتحاں منظور ہے کس عاشقِ ناشاد کا
رنگ لاکر ہی رہا نالہ دلِ ناشاد کا

جز خدا کے ایک جز ذاتِ محمدؐ مصطفےٰ
کون ہوگا حشر کے دن ناظمِ ناشاد کا

اُف رے سوز۔ آہ و فغانِ بلبلِ ناشاد کا
ہو چکے ظلم و ستم۔ اب حکم دے فریاد کا
آجکل مہماں ہیں وہ انجمن میں غیر کی
پایا اپنے عشق سے تمہوں شیریں نے اُسسے
دیکھنا وہ دم مرے قاتل کا میری نبض میں
میرے نالے کو لئے جا ساتھ اپنے نامہ بر
کیوں تڑپتا ہے تڑپتا دیکھ کر بسمل کو تو
داغ تیرے دل میں ہے اے ماہِ کامل کس لئے
یہی بیداد ہے ہم تو اُٹھائیں انکے ظالم
گن رہا ہے مفت کیوں بیداد ہی اپنے جلد

خاک جلکر ہو گیا سارا مکاں صیاد کا
ہے یہی موقع تجھے ظالم مبارکباد کا
اُنکی آنکھوں میں کھٹکا ہے گلستاں شمشاد کا
چیر کر بعدِ فنا دیکھا جو دل فرہاد کا
اور مجھ سے دم چرانا خنجرِ فولاد کا
یہ بتائے گا پتا اُس بانیٔ بیداد کا
دیکھ اے جلاد یہ شیوہ نہیں جلاد کا
داغ اُٹھایا ہے کبھی تو نے بھی کیا بیداد کا
اُنکو مشکل ہو اُٹھانا خنجرِ فولاد کا
کون خواہاں ہے ستمگر تجھ سے تیری داد کا

اب یہ ناظم کی دعا ہے رات دن یہ شام و سحر
حشر تک سر پر رہے سایہ مرے اُستاد کا

کس قدر ہے تیز لوہا خنجرِ جلاد کا
کام کرتا ہے امیدِ چارہ سازی میں تمام
اسلئے سہتا ہوں میں تیری جفائیں اے ستم
تجھ سے نازک سے کہو کیا خاک غم کی اساس
وہ بھی بے معشوق کوئی جو نہ ہو بیداد گر
روزِ مقتل ہیں بپا کرتا ہے لاکھوں کا لہو
وقتِ گلگشتِ چمن اُس سرو قد کو دیکھکر
تو نے ترکِ ظلم سے پیدا کیا اک اور ظلم

بج گیا ہے شور مقتل میں مبارکباد کا
یہ مسیحا کام تیرا ہے کہ ہے جلاد کا
حوصلہ باقی نہ رہجائے تجھے بیداد کا
اسکے سُننے کے لئے دل چاہیئے فولاد کا
وہ کوئی عاشق ہے جو خوگر نہ ہو بیداد کا
پیٹ بھر بھرتا نہیں کیوں خنجرِ فولاد کا
شرم سے کیا کیا نہ سر نیچا ہوا شمشاد کا
اے ستم ایجاد کیا کہنا ہے اس ایجاد کا

جانِ شیریں کے لئے دی سر میں تیشہ مار کر
کیا قیامت ہے کہ مجکو منہ دکھا کر حشر میں
اُف یہ دل فرہاد کا اُف یہ جگر فرہاد کا!
کر دیا منھ بند ظالم نے مری فریاد کا

ہیں جنابِ قہر جو مہرِ سپہرِ شاعری
تو بھی تو شاگرد ہے ناظم انھیں اُستاد کا

حال تم کیا پوچھتے ہو عاشقِ ناشاد کا
بازو کوئے عشق میں وہ تو نہ پھنسے کبھی
جا کر اُس رشکِ مسیحا سے ذرا کہدے کوئی
جانتے ہوتے جو پہلے سے کہ وہ بیرحم ہے
دشمنوں سے رسمِ اُلفت عاشقوں سے دشمنی
پھونک دیگا ایک دن گھر ترا اے صیاد وہ
جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے ہوتا ہے وہی
آؤگے کس کی عیادت کو یہ مر جائے گا جب

لے گا کوئی دم میں وہ رستہ عدم آباد کا
یاد ہوگا جنکو قصہ قیس کا فرہاد کا
اب یہی دن دم ہے تیرے عاشقِ ناشاد کا
عشق ہم ہرگز نہ کرتے اُس ستم ایجاد کا
اور یہی شیوہ ہے کچھ اُس بانیٔ بیداد کا
نالہ کب جائے گا خالی بلبلِ ناشاد کا
ہمکو شکوہ ہے عبث چرخِ ستم ایجاد کا
آکے دیکھو حال تم اب عاشقِ ناشاد کا

خوفِ عصیاں سے ہے ناظم کو بہت ہی انتشار
یا شفیع المذنبیں اب وقت ہے امداد کا

چل کے خرامِ ناز سے حشر اگر اُٹھا دیا
کیوں نہ مجھی کو جلوہ گر جلوۂ رخ دکھا دیا
دولتِ حسن کی زکوٰۃ۔ بوسۂ لب ہی دیجئے
جلوہ نما یہ آج کون رشکِ جمالِ حور ہے
وہ تو چلے تھے ناز سے اسکی خبر ہی کیا انھیں
آج یہ کیا غضب کیا انکو دکھا کر آئینہ
ورنہ کسی کا شوقِ قتل تیغ نہ ہاتھ آئی جب
میرے ہی گھر یہ آئی کیوں غیر کے گھر بھی کیوں نہ

تو ہمیں آپنے نہیں روزِ جزا دکھا دیا
دیدیں کیوں مجھ انکو شریک غیر کو بھی بنا دیا
آپکے کام آئے گا حشر میں یہ لیا دیا
نور نے جسکے گھر مرا رشکِ ارم بنا دیا
کس کو مرے خرام نے زیرِ قدم مٹا دیا
میں نے انھیں کے حسن کا محو انھیں بنا دیا
کھینچ کے خنجرِ ادا۔ میرا لہو بہا دیا
کس نے شبِ فراق کو میرا مکاں بتا دیا

قہر سا ناظم اور اب۔ سحر بیاں بھی ہے کوئی!
چاہا جسے ہنسا دیا۔ چاہا جسے رُلا دیا

یوں اپنی زندگی کا زمانہ گزر گیا
مانا کہ قیس الفتِ لیلیٰ میں مر گیا
شمشیر اُنکی دیکھ کے کس درجہ ڈر گیا
تھا جسپہ ناز آپکو وہ کیا ہوا شباب
تم جسکو کوستے تھے پتا تے تھے جسکو تم
وصلِ عدو کے ذکر پہ ہنسنے سے فائدہ
یہ رات ہجر کی تو نہیں جو بسر نہو
گہوارہ بن گیا جسے گردابِ بحرِ عشق
بعدِ شباب فائدہ یادِ شباب سے
پھر کیا ہوا آہ سے جو نہ تاثیرِ آہ ہو
اقرار جو کئے تھے وہ ابتو وفا کرو

جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا[1]
لیکن وہ نام مرگِ محبت میں کر گیا
میں قتل گہ میں جب گیا سینہ سپر گیا
وہ آپکا اُبھارنے والا کدھر گیا
آخر کو ایک روز وہ جی سے گزر گیا
منہ آئینے میں دیکھئے چہرہ اُتر گیا
روزِ وصالِ یار اِدھر آیا۔ اُدھر گیا
دریائے عاشقی سے وہی پار اُتر گیا
وہ دن گزر گئے وہ زمانہ گزر گیا
کیا کر سکے فغاں جو فغاں سے اثر گیا
آیا شباب رنگ تمھارا نکھر گیا

[1] مصرعِ طرح۔

دیکھی ہے جس نے کوچۂ دلدار کی بہار
ہو اب سخنوری کی زمانے میں قدر خاک

اسکی نظر سے گلشنِ رضواں اُتر گیا
قدرِ سخنوری کا زمانہ گزر گیا

دیکھیے کہ ہجرِ یار میں کب آتی ہے اجل
ناظم اِس انتظار میں بے موت مر گیا

ہے مری جان کے لینے کی یہ تدبیر عبث
اسکو سُنتے نہیں میخوار جنابِ واعظ
جب یہ معلوم ہے دیتے ہی نہیں آپ جواب
کان دھر کر وہ نہیں اسکو یہ اُمید نہیں
آپکی تیغِ نظر اسکے لئے کافی ہے
خود گرفتارِ محبت ہیں گرفتار ترے

دُور سے مجکو دکھاتے ہیں وہ شمشیر عبث
ہے یہ میخانے میں سب آپکی تقریر عبث
پھر کوئی نامہ کرے آپکو تحریر عبث
ہے تری آہ و فغاں عاشقِ دلگیر عبث
آپ اُٹھاتے ہیں مرے قتل کو شمشیر عبث
ہے تری آنکھ میں یہ سُرمۂ تسخیر عبث

ساتھ جاتی نہیں جب دولتِ دنیا ناظم
خواہشِ زر ہے عبث حسرتِ اکسیر عبث

لُٹایا حسرتوں کو کر دیا بے چین ارماں کو
گھٹا چھائی ہو صحنِ باغ ہو صہبا ہو ساقی ہو
کوئی مجھسا بھی یزداں دوست دیکھا ہے زمانے میں
زمینِ کوئے جاناں کی بہاریں جسنے دیکھی ہیں
بُتانِ ماہوش پر ہی فدا ہر ایک کو دیکھا
نہیں ہے جب سے تو پہلو میں اسکو پیار کرتے ہیں
نہیں ہوتے ہیں پورے پھر بھی یہ دل سچ سمجھتا ہے

خدا جانے فسُوں آتے ہیں کیا کیا چشمِ جاناں کو
مگر جب تو نہو تو کیا کریں ہم ایسے ساماں کو
جگہ دیتا ہوں دل میں رنج و غم کو یاس و حرماں کو
نہ دیکھے گا اُٹھا کر آنکھ بھی وہ باغِ رضواں کو
یہودی کو نصاریٰ کو برہمن کو مسلماں کو
کلیجے سے لگا رکھا ہے ہم نے تیرے پیکاں کو
تمھارے عہد کو اقرار کو وعدے کو پیماں کو

قیامت ہر قدم پر پانو پڑتی آئی ہے ناظم
چلا ہے جس گھڑی وہ فتنہ گر گورِ غریباں کو

پسند آئی ہے ایسی کوئے جاناں کی زمیں ہمکو
تعجب کیا اگر دل سے کوئی نالہ نکل جائے
بیاباں میں کبھی ہم ہیں کبھی صحنِ گلستاں میں
ہزاروں ظلم سہتے ہیں ہزاروں غم اُٹھاتے ہیں
ہوا ہے دوست تو جب سے زمیں دشمن فلک دشمن
سوالِ وصل کرتا ہوں تو کہتا ہے کوئی مجھ سے
کسی بے جرم عاشق کا کیا ہے خون کیا تو نے
عذابِ نارِ دوزخ سے قیامت میں بچا لینا

کہ حسرت ہی نہیں اب اُٹھ کے جانے کی کہیں ہمکو
ستانا ضبط پر اچھا نہیں اے مہ جبیں ہمکو
ٹھہرنے ہی نہیں دیتا جنُوں دم بھر کہیں ہمکو
مگر پھر اُف نہیں کرتے ستمگر آفریں ہمکو
نظر آنے لگے دشمن ہی دشمن ہر کہیں ہمکو
تمھاری بس یہی باتیں پسند آتیں نہیں ہمکو
نظر آتی ہے خوں آلودہ تیری آستیں ہمکو
بھروسا آپ ہی کا ہے شفیع المذنبیں ہمکو

ہوئی ہے جب سے اُلفت اُس بُتِ کافر سے اے ناظم
نہ کچھ دنیا کی پروا ہے نہ کچھ پروائے دیں ہمکو

تیری رحمت جو معاصی کی خریدار نہو
گیسوئے یار کا پابند دلِ زار نہو
اور سو طرح کے ہوں رنج و الم درد و محن

تو خطا دار نہو کوئی گنہگار نہو
یہ تو ہے دامِ بلا اسمیں گرفتار نہو
عشق و اُلفت کا کسیکو مگر آزار نہو

تو مرے دل میں ہے اور پھر مری آنکھوں میں
تجکو کیا دیکھ سکے تجھ سے کہے کیا مجکو
اُسکو معلوم ہو کیا حال کسی انساں کا
دیکھکر حال مرا حال بُرا ہے اُس کا
راتدن ہجر میں کیونکر وہ گزارا اوقات
میں تو مر جاؤں جگر تھام کے اے تیر افگن

پھر بھی حیرت ہے کہ مجکو ترا دیدار نہو
تابِ نظارہ نہو طاقتِ گفتار نہو
حال سے اپنے جو انسان خبردار نہو
مجکو ڈر ہے کہ مسیحا کہیں بیمار نہو
پاس جسکے کوئی دمساز نہو یار نہو
ناوکِ ناز کلیجے کے اگر پار نہو

ایسی فرحت ہے کہاں اور کہیں اے ناظم
باغِ فردوس تو یہ کوچۂ دلدار نہو

آئے گا میرے مکاں پر وہ مہ انور کبھی
غیر کے آنے کا اُنکے گھر نہو کیونکر یقیں
اِس قدر بیتاب کیوں ہے صبر سے تو کام لے
میرا ہوتا ہے کہ تیرا دل بجانب دار دل

ہو رہے گا شاد میرا یہ دلِ مضطر کبھی
وہ بھی آتے جاتے ہیں جب غیر کے گھر پر کبھی
آئے گی فصلِ بہار اے بلبلِ مضطر کبھی
آزما لینا اِسے بھی اے مرے دلبر کبھی

دل سے حاضر آپکی خدمت کو ناظم ہے یہاں
حضرتِ قہر آئیے تو اُسکے گھر پر بھی کبھی

حاصل ہے جب سے اُلفتِ خیر البشر مجھے
کرتا نہیں وہ یاد کبھی بھول کر مجھے
خنجر اُٹھا کے ہاتھ میں چُپکے سے رکھ دیا
رکھے گا ایک آن نہ رکھے گی ایک پل
مجھ نامراد وصل کو تھا اور کام کیا
آرام اب تو زیرِ زمیں تجھکو آ گیا
جاتا ہے لے کے حسرتِ دیدار اپنے ساتھ
کرتا ہے مجکو یاد وہ غفلت شعار آج
جب سے گناہ ہونگے وہاں مصطفیٰ شفیع

پھر کیوں ہو روزِ حشر کا خوف و خطر مجھے
بھولی ہے جسکی یاد نہ شام و سحر مجھے
مقتل میں اُسنے دیکھ کے سینہ سپر مجھے
شوخی قرار سے تجھے دردِ جگر مجھے
آہ و فغاں ہی کرتے ہوئی عمر بھر مجھے
آ کر وہ کہہ گئے یہ مری قبر پر مجھے
تم آ کے دیکھ جاتے اگر اک نظر مجھے
دیتی ہیں ہچکیاں یہی ہر دم خبر مجھے
محشر کا خوف ہے نہ سزا کا خطر مجھے

کرتا ہے عرض ناظمِ مہجور اب یہی
"بلوائیے مدینے میں خیر البشر مجھے"

جلوۂ رُخ دکھا دیا کس نے
ہے منور مرا سیہ خانہ
میری کشتی کو بحرِ الفت میں
کس کے یاد آ گئے دُرِ دنداں
اپنی صورت دکھا کے سوتے میں
لے گئے دل وہ میرے پہلو سے
تم تو میرے رقیب سے نہ ملے
پان دشمن کے ہاتھ سے کھا کر
جان لے کر مری شبِ فرقت

مجکو موسیٰ بنا دیا کس نے
رخ سے پردہ اُٹھا دیا کس نے
ڈوبنے سے بچا دیا کس نے
روتے روتے ہنسا دیا کس نے
بختِ خفتہ جگا دیا کس نے
اُنکو اِس کا پتا دیا کس نے
خاک میں دل ملا دیا کس نے
خون میرا بہا دیا کس نے
مجکو غم سے چھڑا دیا کس نے

کھینچ کر ہاتھ قتل سے میرے
تیری برقِ نظر اگر نہ گری

خونِ حسرت بہا دیا کس نے
خرمنِ دل جلا دیا کس نے

زلفِ پُرخم دکھا کے اے ناظم
جوشِ وحشت گھٹا دیا کس نے

کتنا مرا فسانۂ غم دلگداز ہے
سر میرا فرش پر ہے۔ دماغ انکا عرش پر ہے
کیا اعتبار اسکی قسم کا وہ شوخ تو
سجدہ میں بہرِ حورو عائیں ہیں بہر خلد
میں ہوں غریب بندۂ عاجز تو کیا ہوا
تو ہے ستم شعار۔ تجھے اُسپہ ہے غرور
ساحل کی آرزو نے دکھایا یہ دن مجھے
دو روز کی بہار یہ حسن و شباب ہیں
بندہ نواز ایک فقط آپ ہی نہیں
بھرتے نہیں ہیں آپ یکا دم غیر بے سبب
دیدارِ یار کے لئے جائے جو طور پر
یہ تو بتائیے کہ عدو سے ہے ربط کیوں؟

تر آنسوؤں سے چشمِ بتِ حیلہ ساز ہے
ناز و نیاز کا یہ نشیب و فراز ہے
وعدہ خلاف عہد شکن حیلہ ساز ہے
زاہد تری نماز بھی کوئی نماز ہے!
وہ تو غریب پرور و بندہ نواز ہے
میں خوگرِ ستم ہوں۔ مجھے اسکا ناز ہے
گردابِ بحرِ عشق میں میرا جہاز ہے
دو روز کی بہار پہ کیا تجھکو ناز ہے
بندہ نواز اور بھی بندہ نواز ہے
اسمیں بھی کوئی بھید ہے، اسمیں بھی راز ہے
موسیٰ سا اور بھی کوئی نظارہ باز ہے؟
ملنے سے میرے آپ کو کیوں احتراز ہے!

اِس در سے جائے ناظمِ آشفتہ سر کہاں
یہ آستاں ہے۔ اور جبینِ نیاز ہے

مجھ سا الفت میں دوسرا بھی ہے
دوستی ان بتانِ ہوش کی
کیوں مری داستان کیسی تھی؟
فتنہ پرداز فتنہ گر ظالم

اور نے یہ ستم سہا بھی ہے
بے مزہ بھی ہے۔ با مزا بھی ہے
ایسا قصہ کبھی سنا بھی ہے؟
تجھ سا دنیا میں دوسرا بھی ہے

ہمکو کوئی کہے مسیحا کیوں
تھا غمِ ہجر ہی مجھے پہلے

تم نے زندہ کوئی کیا بھی ہے!
اور اب خواہشِ قضا بھی ہے

یوں تو ناظم ہیں اور بھی اُستاد
کوئی اُستاد قہر سا بھی ہے!

اگر کچھ بھی تم وصفِ رخِ دلدار ہو جائے
سبق یہ حضرتِ منصور سے حاصل ہوا ہمکو
وہ ساری عمر پھر اے چارہ گر اچھا نہیں ہوتا
ابھی اچھی طرح ارماں نہیں نکلے ہے بسمل کا
ذرا دم لے مسیحا۔ ہو نہ تو رخصت دمِ آخر
غضب ہے انکی رسوائی ستم ہے انکی رسوائی

تو ہر مطلعِ غزل کا مطلع انوار ہو جائے
جو سر دے اور پرِ عشق میں سردار ہو جائے
بتوں کے عشق کا جسکو کبھی آزار ہو جائے
ابھی بس کر نہ قاتل! ورنہ بھی اک وار ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو رخصت ترا بیمار ہو جائے
جو الفت میں تری رسوا سرِ بازار ہو جائے

نہ آئیں پھر بھی اِس میں سیر کرنے کو وہ اے ناظم
یہ دل فرقت کے داغوں سے اگر گلزار ہو جائے

تم پانچ حرف رکھتے ہو بیداد کے لئے
غیروں کے واسطے تو ہیں لطف و کرم ہا
جب اُس پری جمال کی تصویر کھنچ گئی
تیار ہے قفس بھی۔ بچھائے ہیں دام بھی
یہ ضبط دیکھ جور اٹھائے ترے۔ مگر
سُننے کی اسکے حال کی جسکو نہیں ہے تاب
کافی ہے اک اشارۂ ابرو۔ تو میرا قتل
کرنا اسیر بلبلِ محزوں کو دام میں

ہم پانچ حرف رکھتے ہیں فریاد کے لئے
ظلم و ستم ہیں عاشقِ ناشاد کے لئے
بوسے نگاہ نے ید بہزاد کے لئے
یہ ظلم ایک بلبلِ ناشاد کے لئے؟
کھولی زباں نہ شکوۂ بیداد کے لئے
بیتاب دل ہوا اُس ستم ایجاد کے لئے
موقوف کیوں ہے خنجرِ فولاد کے لئے
یہ بھی تو ایک کھیل ہے صیاد کے لئے

دیکھا ہے کوئی اور بھی ناظم سا جاں نثار
حاضر ہے جان حضرتِ اُستاد کے لئے

تمام شد

ضمیمہ نمبر ۲

قطعاتِ تاریخِ طبعِ دیوانِ "شعاعِ قہر"

از نتائجِ افکارِ چند شعرائے مشاہیرِ روزگار

احسن۔ ناثرِ شیریں بیاں۔ شاعرِ نکتہ داں۔ طوطیٔ شکرستانِ علم و فن۔ شمعِ بزمِ سخن جناب حاجی حافظ سیّد علی احسن صاحب احسنؔ مارہروی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ خاص یادگارِ فصیح الملک حضرت داغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

تاریخِ ترتیبِ دیوان

ہمکو بھی ترتیبِ دیواں کی ہوئی
وہ مقلّد ہیں فصیح الملک کے
جدّتِ ترتیبِ دیواں دیکھکر
کیا غزل، کیا قطعہ، اِس مجموعے میں
کہیئے تاریخ اور احسن دیکھئے

واقفیت اطلاعِ قہر سے
ہے یہ ظاہر اتّباعِ قہر سے
لطف آیا اختراعِ قہر سے
جمع ہیں سب اجتماعِ قہر سے
"ہے دُرخشانی شعاعِ قہر سے"
۱۹۳۶ء

تاریخِ طبعِ دیوان

نہایت حسن و خوبی سے یہ قہرِ نامور نے
ہُوا رنگینی و شادابیٔ اشعار سے ظاہر
نہ کیوں دیواں کو اُنکے شمعِ ایوانِ ادب کہیئے
یہ تاریخِ دُرخشاں طبع کی احسن نے لکھی ہے

کیا مجموعہ شائع اپنی منظوماتِ بہتر کا
کھلا ہے اِک چمن ہر صفحے پر گویا گلِ تر کا
کہ نقطے نقطے سے روشن ہے جوہر طبعِ انور کا
"بہت نادر ہے دیوانِ ادب قہرِ سخنور کا"
۱۹۳۶ء

احسن۔ خوشگوے خوش کلام نخلبندِ گلزارِ سخن جناب منشی محمد نظیر احسن خاں صاحب احسنؔ نعمانی کرنیوری پرتاپ گڈھی تلمیذِ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ قہر مصنفِ دیوانِ ہذا

وہ چھپا دیواں مرے اُستاد کا
جس کا دل طالب جو ہے مطلوبِ دل

قمر صاحب "جانشینِ داغ" ہیں
ان میں حالِ دل ہے وصل و ہجر کا
ہے دُعا احسن کی۔ ہے تاریخ بھی

کیوں نہو اُنکا سُخن محبوبِ دل
قمر کے اشعار ہیں مکتوبِ دل
"یہ شعاعِ قمر" ہو مرغوبِ دل"

اختر۔ شیریں نوا۔ خوش مقال۔ سخن گستر۔ مُحقق و الامعی نظر جناب منشی سید محمد اختر صاحب اختر نگینوی رئیس نگینہ ضلع بجنور خاص یادگار حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور۔

روشن بر آسمانِ سُخن گشت قمرِ ما
دیوانِ قمر جلوہ نمودہ بہ آب و تاب
دیوان کہ ہست مجمعِ اصنافِ شاعری
اختر چہ فکر۔ بے سرِ ابہام سالِ طبع،

برتر بود زمہرِ فلک ارتفاعِ قمر
چوں از گوالیار رسید اطلاعِ قمر
دیوان کہ ہست مخزنِ صد اختراعِ قمر
گو "جلوہ ریز نور فشاں شعاعِ قمر"
۱۹۳۸ء

ارشدی۔ منبعِ لیاقت و ذکا۔ نو بادہ گلزارِ سُخنوری جناب محبوب الحسن صاحب ارشدی صدیقی حمیدی خلفِ اکبر راسخ الکلام حضرت قمر الحسن صاحب قمر بدایونی

والد کے دوست اور مرے عمِ محترم
وہ جانشینِ داغ۔ فصاحت کے آفتاب
اب چھپ رہا ہے اُنکا وہ دیوانِ لاجواب
تھی سالِ عیسوی کی مجھے ارشدی تلاش

مُلکِ سُخن میں جنکی مُسلّم ہے برتری
عالیجنابِ قمر جو ہیں رشکِ انوری
اہلِ نظر پہ فرض ہے جنکی ثناگری
آواز آئی غیب سے "خورشیدِ خاوری"

اطہر۔ رنگیں قلم۔ جواہر رقم۔ سخنورِ جادو نگار۔ شاعرِ نکتہ پرور۔ ناظم الملک جناب مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہر محقق ہاپوڑی وکیل چیف کورٹ ریاست جے پور خاص یادگار حضرت جلال لکھنوی مرحوم

حضرت قمر عمدۃ الشعرا
ناثر الملک بے عدیل و ہمال
بہتر ہیں جانشینِ حضرت داغ
یوں تو شاگردِ داغ اور بھی ہیں

خوش بیاں۔ خوش کلام۔ خوش تقریر
ناظم العصر بے مثال و نظیر
تازگی بخشِ نامِ ذوق و نصیر
رُوے ترکش مگر ہے اک یہی تیر

داغ کی طرز۔ داغ کی ہے زباں
شعر میں بات بات میں ہے اثر
داد حسنِ کلام کی دیتے
بڑھ گئی شعر میں فلک سے زمیں
طبعِ دیواں کا سال لکھ اظہر

داغ کی سی ہے شوخیٔ تحریر
اور اثر میں ہے جادوئے تسخیر
زندہ ہوتے جو آج اسیر و امیر
کہ یہاں قہر ہے وہاں ہے دبیر
کہ۔ "ہے دلکش شعاعِ قہر منیر"
۱۳۵۵ھ ہجری

دیگر

حضرتِ قہر کی ہے طبعِ رواں ابرِ بہار
پختگی اور یہ اسلوبِ بیاں۔ کیا کہنا!
میں نے اظہر یہ کہا مصرعِ سالِ دیواں

کر دیا جس نے گلستانِ سخن کو شاداب
اس طبیعت کا نہیں آج زمانے میں جواب
"چست بندش ہے زباں اچھی ہے مضمون کمیاب"
۱۹۳۶ء

اظہر۔ سخنورِ خوش کلام۔ صاحبِ طبعِ گہربار۔ جامعِ صفاتِ صوری و معنوی۔ خان بہادر جناب میر اظہر علی صاحب اظہر سہسوانی۔ اسپیشل مجسٹریٹ و اسسٹنٹ کلکٹر سہسوان ضلع بدایوں۔ ارشدِ تلامذہ مولانا سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی مرحوم شاعرِ دربارِ بھوپال

واقعی جانشینِ داغ ہیں آپ
جب ہوا چھپکے آپ کا دیواں
سالِ تاریخ کے ہوئے جویا
کیا اظہر نے عرض۔ ادب کے ساتھ

بزمِ معنی میں قہر کاملِ فن،
زینت افزا ہے بزمِ شعر و سخن
اکثر اربابِ فضل و اہلِ فطن
"نامِ استاد کر دیا روشن"
۱۳۵۵ھ ہجری

افسر۔ جادو رقم۔ فصیح البیان۔ بلیغ الکلام۔ نازک خیال سخنور۔ جناب افسر الشعراء ابو التوفیر مولانا منظور احمد صاحب افسر صدیقی امروہی نگرانِ اصول رسالۂ تنویر کراچی ملک سندھ خاص یادگارِ حضرتِ شوق قدوائی لکھنوی مرحوم و مغفور

کہنے کے واسطے ہیں بہت جانشینِ داغ
اللہ رے فروغِ کلامِ جنابِ قہر

لیکن مثالِ قہر ضیا بار کم ہوئے
اربابِ فہم کے سرِ تسلیم خم ہوئے

مُدّت سے تھا اشاعتِ دیوان کا انتظار
افسر اُٹھا کے سر کہو تاریخ عیسوی

شکرِ خدا کہ جلد یہ ساماں بہم ہوئے
"آثارِ قہر جلوہ فردوش رقم ہوئے"
۱۹۳۶ء

انور۔ سخنگوئے بلند خیال۔ بلبلِ شیریں نوا۔ شاعرِ بزم سخن آرائے جناب مسٹر منوہر سہائے صاحب انور۔ ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل۔ سینیئر ٹرانسلیٹر پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی لاہور۔ خلفِ سوم عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ قہر مصنفِ دیوان ہذا

نورُ افشاں آج دیوانِ شعاعِ قہر ہے
یہ سخن اعجازِ کامل۔ یہ سخن سحرِ تمام
یہ دل وجاں سے زیادہ کیوں نہ ہو انکو عزیز
اِس صحیفے کا کسی سے ہو نہیں سکتا جواب
لکھو انور اس کا تم یہ مصرعِ تاریخ طبع

صورتِ خورشیدِ تابندہ تہِ چرخِ کہن،
ہے کلامِ جانشینِ داغ و اُستادِ زمن
اِس کی قیمت جانتے ہیں شاعرانِ سحرفن
معمئی یوں لاکھ ہونے کے لئے ہوں لاف زن
"بے بدل ہے یہ شعاعِ قہر تہیائے سخن"
۱۹۳۶ء

دیگر

آگئی چھپ کر وہ نورانی کتاب
کیوں ہے انور فکر۔ جب تاریخ طبع۔

جلوہ فرما جس میں نورِ قہر ہے
صاف ظاہر ہے "ظہورِ مہر" ہے
۱۳۵۵ ہجری

برق۔ شاعرِ شیریں زبان سخنورِ طوطی مقال جناب بابو شیام سندر لال صاحب برق۔ بی۔ اے، ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ سیتاپور خاص یادگارِ حضرتِ قیس مرحوم

قہر صاحب جانشینِ داغ کا دیواں چھپا
برق لکھو تم سرِ اخلاص سے یہ سالِ طبع

جس سے سب شعر و سخن کی خوبیاں ہیں آشکار
"قہر کے دیواں میں ہر اک لفظ ہے کیا آبدار"
۱۹۳۶ + ۱ = ۱۹۳۷ء

دیگر

اِسکے چھپنے سے ساری دُنیا میں
برق تم سالِ طبع یہ لکھدو

آئینہ ہوگئیں صفاتِ قہر
"چھپ گیا خوب کلیاتِ قہر"
۱۳۵۵ ہجری

بزم۔ سرآمدِ سخنورانِ باکمال۔ ناظمِ نظامی مقال۔ شاعرِ کہنہ مشق و کہن سال۔ سلطان القلم۔ معراج الشعرا جناب میرزا عاشق حسین صاحب بزم آفندی

اکبر آبادی جانشین حضرت منیر مرحوم شکوہ آبادی

نظر نواز کلام جناب مہر ہوا
عجیب مصرعِ تاریخ ہاتھ آیا بزم
اب اِسکے سامنے بلبل کا ہی ترانہ کیا
"شعاعِ قہر سے تاباں ہوا زمانہ کیا"
۱۳۵۶ ہجری

بیخود۔ شاعرِ شیوا بیان سخنورِ اہل زبان فخرِ شعرائے باکمال۔ وحید العصر فرید الدہر۔ امتیاز الشعرا۔ افتخار الملک۔ جناب منشی حاجی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور

اہل سخن کی آنکھیں روشن ہوئی ہیں اس سے
عالم فروز نکلیں کیا قہر کی شعاعیں،
ہے وہ نگار خانہ جو رشکِ آذری ہے
تاریخ اِسکی بیخود۔ خورشید خاوری ہے
۱۹۳۷ء

بیخود۔ شاعرِ بے نظیر فخرِ طالب و اسیر۔ سخن طراز۔ جادو نگار جناب علامہ محمد احمد صاحب بیخود موہانی۔ ایم۔ اے۔ منشی فاضل۔ پروفیسر۔ شیعہ کالج۔ لکھنؤ

دیوانِ قہر میں ہیں غضب کی تجلیاں
مجموعہ ہے یہ جامع اصنافِ شاعری
جوشِ بیان و زورِ طبیعت پہ کی نظر
ہر ایک شعر اپنی حدوں میں ہے لاجواب
چھنتے ہیں جلوے شاہدِ معنی کے بے طرح
موجوں میں جیسے جلوہ دکھاتا ہے آفتاب
دیوان ہے کہ شاہدِ سرمستِ ناز ہے
کہیئے اِسے مجاز و حقیقت کی دھوپ چھاؤں
کیوں دل بڑھے نہ قہر کا۔ دیوان دیکھکر

قرباں ہے ہر ورق پہ ورق ماہتاب کا
ہے مستحق جہانِ سخن کے خطاب کا
دیکھا اُمنڈ اُمنڈ کے برسنا سحاب کا
کیا کام ہے یہاں نظرِ انتخاب کا
عالم ہے لفظ لفظ میں ہلکے حجاب کا
جلوہ ہے حرف حرف میں آب و تاب کا
رگ رگ میں جسکی کیف بھرا ہے شراب کا
بیخود یہ آئینہ ہے جمال و نقاب کا
"جلوہ شعاعِ قہر میں ہے آفتاب کا"
۱۳۵۵ ہجری = ۱۳۵۰+۵

تہذیب۔ سخن طراز خوش نگار جناب سید تہذیب احمد صاحب تہذیب سہسوانی تلمیذ و نبیرہ حضرت معجز سہسوانی

جنابِ قہر کا دیواں چھپا جب
ہوئی مسرور روحِ میر و مرزا

جو کی تاریخ کی تہذیب نے فکر		"مدوّنِ دفترِ اشعار" لکھا	

سنہ ۱۳۵۶ء

ثاقب۔ شاعرِ سخن ساز۔ معنی طراز۔ فرمانروائے اقلیمِ بلاغت۔ سرآمدِ شعرائے دورِ جدید۔ فخرِ عسجدی وطالب جناب میرزا ذاکر حسین صاحب ثاقب قزلباش لکھنوی جانشینِ میر و غالب دہلوی

کھپا جاتا ہے آنکھوں میں بہارِ فصلِ گل بنکر
سماں بہتے ہوئے دریا کا ہو پیشِ نظر جیسے
ہوا ثاقب کو یوں چوتھے فلک سے سالِ طبع القا

جنابِ قہر کیا کہنا ہے اس رنگِ طبیعت کا
وہی انداز ہے ہر نظمِ دلکش میں سلاست کا
"چمکا دوڑا شعاعِ قہر سے میدانِ فصاحت کا"

سنہ ۱۹۳۷ء

جلیل۔ افصح الفصحا۔ ابلغ البلغا۔ سرآمدِ شعرائے زمن جلیل القدر۔ نواب فصاحت جنگ بہادر۔ اُستاد السلطانِ دکن۔ جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانکپوری مقیم حیدرآباد دکن۔ جانشینِ حضرتِ امیر احمد امیر مینائی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

چھپ کے نکلا وہ کلامِ انتخاب
طبع کا ہے سال کیا روشن جلیل

دلکشی میں ہے جو آپ اپنا جواب
"قہر کا دیواں ہے رشکِ آفتاب"

سنہ ۱۳۵۶ ہجری

جوش۔ شاعرِ عدیم المثال سخنور شیریں کلام۔ ابو الفصاحت جناب پنڈت لبھورام صاحب جوش ملسیانی منشی فاضل۔ ادیبِ فاضل۔ مدرسِ اوّل فارسی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول نکودر ضلع جالندھر و مدیر حصۂ نظم و شعبۂ ادبیاتِ رسالۂ رہنمائے تعلیم۔ لاہور۔ پنجاب خاص یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم و مغفور

حضرتِ قہر نے چھپوا کے یہ اپنا دیواں
بزم ہے سوزِ محبت کے بیاں سے مسحور
آبرو و لطفِ زباں حسنِ بیاں کو بخشی
کوئی دیکھے تو بہارِ چمنستانِ سخن
لعل دیا قوت سے بہتر ہیں مضامینِ غزل
جوش یہ مصرعِ تاریخ سُنا دو تم بھی

مشرقِ شعر میں تنویر دکھائی کیا کیا
پردۂ ساز میں کی نغمہ سرائی کیا کیا
سخنِ نغز کی توقیر بڑھائی کیا کیا
گلِ صد رنگ کی ہے جلوہ نمائی کیا کیا
ڈھونڈ لائی ہے طبیعت کی رسائی کیا کیا
"وہ حسنِ معنی کی تجلی نظر آئی کیا کیا"

سنہ ۱۹۹۴ بکرمی

حامدؔ۔ سخنورِ نکتہ سنج۔ شاعرِ بدیع نگار۔ امیرِ طریقت جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامدؔ سجادہ نشینِ درگاہ حضرتِ شاہ ارزاں دیوان۔ قدس سرہٗ پٹنہ عظیم آباد

جنابِ مہرؔ کا دیواں چھپا ہے ۔۔۔ ضیا میں اس کو رشکِ بدر کہیئے
گرامی قدر ہے یہہ سال اس کا ۔۔۔ فقط حامدؔ "عظیم القدر" کہیئے

۱۳۵۵ہجری

دیگر

چھپ کر جناب مہرؔ کا نکلا ہے وہ کلام ۔۔۔ سب پر جسے جہان میں حاصل ہے برتری
حامدؔ نے عیسوی میں لکھا خوب سالِ طبع ۔۔۔ دیوانِ مہرؔ کے لئے "خورشید خاوری"

۱۹۳۷ء

حجابؔ۔ جادو رقم۔ سحر نگار۔ عالی خرد۔ شاعرۂ یگانہ۔ مخفیٔ زمانہ۔ جناب بیگم فخر النسا صاحبہ حجابؔ پردہ نشین شاہجہانپوری تلمیذۂ رشید و خاص یادگارِ حضرتِ جلالؔ لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ

مہرِ روشن طبع کا شائع ہوا ہے وہ کلام ۔۔۔ آفتابِ چرخ جسکو دیکھکر حیران ہے
جلوۂ الفاظِ مضموں کی تجلّی واہ واہ ۔۔۔ ہر غزل کہتی ہے مجھ پر ہر چمک قربان ہے
قدر کی نظروں سے دیکھیں کیوں نہ اِسکو نکتہ داں ۔۔۔ اہلِ فن کا دل ہے۔ اربابِ ہنر کی جان ہے
اِس کا فصلی سن یہ ہے منقوطہ حرفوں میں حجابؔ ۔۔۔ "مہرؔ کا دیوان بھی خورشید سا با شان ہے"

۱۳۴۴ فصلی

حیرتؔ۔ سخنورِ خوش فکر۔ صافی نژاد۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب مولوی سید عنایت احمد صاحب نقوی حیرتؔ بدایونی خاص یادگارِ حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم و مغفور

ہے شعاعِ مہر دیواں بے نظیر ۔۔۔ ہر سخنور کو ہے اِس کا اعتراف
ہے وہی لطفِ زبانِ نغز داغؔ ۔۔۔ ہے وہی طرزِ بیاں بے اِختلاف
مہرِ روشن ہے کلامِ مہرؔ آج ۔۔۔ کون کر سکتا ہے اِس سے انحراف
مصرعِ تاریخ حیرتؔ یہ لکھو ۔۔۔ "ہے شعاعِ مہرِ تاباں پاک و صاف"

۱۳۵۵ہجری

خوشترؔ۔ شاعرِ شیریں زبان۔ سخنورِ خوش بیان جناب منشی عبد الرحمن صاحب خوشترؔ منگرولی تلمیذِ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ مہرؔ مصنفِ دیوان ہذا

جلوہ گر جب ہُوا اُستاد کا دیواں چھپ کر
دیکھ کر لوگ اِسے کیوں نہ منائیں خوشیاں
حضرتِ مہر کا یا ہے یہ کلامِ روشن
اِس کی تاریخ بھی اِک جلوہ گری ہے خوشتر

تیسرے چرخ پہ ناہیدِ سُخن کا یہ چمکا
سامنے جب یہ مہِ عیدِ سُخن کا چمکا
یا یہ اِک بدرِ پئے وِیدِ سُخن کا چمکا
دیکھ لو" دُو بدُو خورشیدِ سُخن کا چمکا"

۱۹۳۷ء

دِل بسر آمدِ شعرائے ذی کمال طلسم آرائے بزمِ خیال جواہر رقم۔ نظیری نظیر جالینوس زماں فخر اطبائے ہندوستاں۔ اعتبار الملک حکیم الشعراء جناب حکیم محمد ضمیر حسن خاں صاحب دِل شاہجہانپوری مقتدر یادگار حضرت امیر مینائی لکھنوی علیہ الرحمہ

مژدہ باد اے دِل چھپا مہرِ سخنور کا کلام
نکہتِ دلکش سے لُطف اندوز ہوں اربابِ ذوق
شاعری میں فخر کے قابل جنابِ مہر ہیں
جانشینِ بُلبلِ ہندوستاں[1] مشہور ہیں
طبعِ دیواں کی یہہ ہے تاریخ اے دِل برمحل

مطلعِ انوار یا مقبولِ بزمِ اہلِ فن
کھِل گیا فرحت اثر گلہائے رنگین کا چمن
جوہرِ قابل کہوں یا اُنکو یکتائے زمن
ہے نمایاں اِنکے ہر ہر شعر سے اِک بانکپن
"نُعمتِ حق۔ ماہِ نو۔ مقبولِ دل۔ مہرِ سُخن"

۱۹۳۷ء

رعد سخنورِ خوش مقال۔ شاعرِ عدیم المثال۔ صاحبِ طبعِ گہر بار۔ فصیح اللسان۔ زُبدۃ الشعراء جناب منشی حبّ لال صاحب رعد۔ صاحب دیوانِ "چراغِ سخن"۔ وکیل و آنریری مجسٹریٹ ضلع بھنڈ۔ ریاست گوالیار۔ خاص یادگار حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور

کس قدر دل خوش ہُوا جب یہہ خبر مجکو ملی
یہہ شگفتہ شعر کر دیتے ہیں دل کو باغ باغ
کیا کلام بے بدل ہے۔ کیا بیانِ دلپذیر
کوئی دیکھے یہہ دُرخشانی "شعاعِ مہر" کی
روز مرّہ ہے نہایت صاف۔ شستہ ہے زباں
چُلبلے اشعار سُن سُن کر تڑپ جاتا ہے دل
دیکھکر یہہ خوشنما دیوان۔ یہہ شیریں کلام
یہہ ندا مجکو سرِ اخلاص سے ہاتف نے دی
+۱

"مہر صاحب جانشینِ داغ کا دیواں چھپا"
کیا پھلا پھُولا چمن ہے شاعرِ بے مثل کا
ہر سُخنور کی زباں پر ہے صدائے حبّذا
کوئی دیکھے یہہ بیانِ مہر کی طرزِ ادا
سادگی نے اور دُونا لُطف پیدا کر دیا
کرتی ہے مضطر جگر کو شوخیِ طبعِ رسا
فکرِ سالِ طبع میں جس وقت میرا سر جھکا
رعد دُو دیکھو خوب دلکش مہر کا دیواں چھپا"
۱۳۵۵+۱ = ۱۳۵۶ سنہ ہجری

[1] خطاب حضرت داغ دہلوی مرحوم۔

دیگر

لعل و گہر میں تو لئے دیوانِ قہر کو
ہاتف سے سالِ طبع جو پوچھا۔ تو یہہ کہا

اے رعد دیکھئے تو سہی یہہ متاعِ قہر
"سارے جہاں میں پھیلی ضیائے شعاعِ قہر"

سنہ ۱۹ — ۹۴ بکرمی

دیگر

قہر صاحب کا وہ پُر نور چھپا ہے دیوان
رُو کشِ مطلعِ خورشید ہے ہر اک مطلع
چُست بندش۔ نئے مضمون۔ نرالی ترکیب
ہے کہیں یاس کا اظہار کہیں ذکرِ ستم
صدمۂ ہجر کہیں۔ اور کہیں لُطفِ وصال
آہ کرتا ہے کوئی۔ واہ کوئی کہتا ہے
اُنکی ہر بات میں اِک بات انوکھی پائی
کاٹ کر پائے عُدو۔ رعد یہ تاریخ کہو

جسکا عالم نے چمکتا ہُوا جلوا دیکھا
صورتِ مہر ہر اک شعر چمکتا دیکھا
کیا بتاؤں سُخنِ قہر میں کیا کیا دیکھا
جذبۂ شوق کا طُوفاں کہیں برپا دیکھا
خوب نیرنگئ اُلفت کا تماشا دیکھا
قہر کی سحر بیانی کا تماشا دیکھا!
اُنکے ہر شعر میں اِک لُطف نرالا دیکھا
"آفتابِ سُخنِ قہر چمکتا دیکھا"

۶ — ۱۹۴۳ — ۱۹۳۷ء

دیگر

خوب ہے رعد قہر کا دیواں
لکھو قلبِ گہر سے یہہ تاریخ

یہہ تخیُّل کا اِک مُرقّع ہے
"ہر غزل قہر کی مرصّع ہے"

۵ + ۱۹۳۲ = ۱۹۳۷ء

دیگر

چھپ گیا دیوانِ قہرِ خوش بیاں
چُٹکیاں لیتا ہے دل میں یہہ کلام
لوٹ ہو جاتے ہیں سُنکر نکتہ سنج
فکر جب تاریخ لکھنے کی ہوئی
رعد تمکو تھا نہایت اشتیاق

داد اب اِسکے سُخن کی دیں بصیر
اور چُبھتا ہے جگر میں مثلِ تیر
لُطف دیتا ہے بیانِ دلپذیر
مُجھ سے یہ کہنے لگا میرا ضمیر
"دیکھ لو اب یہہ کلامِ بے نظیر"

۱۳۵۶ ہجری

دیگر

جو قہرِ سُخنور کا دیواں چھپا

تو آیا زباں پر مری بے تأمُّل

کہ اے رعدؔ تم اسکی تاریخِ طبع — لکھو "واہ واہ یہ نرالا تخیّل"

۱۳۵۶ ہجری

ساحرؔ۔ شاعرِ کہن سال سخن گستر بلند خیال۔ شمعِ بزمِ سخن۔ جناب پنڈت امرناتھ صاحب مدن۔ ساحرؔ دہلوی پنشنر تحصیلدار کیتھل۔ لال حویلی دہلی۔

روشن سوادِ خاک شدہ از شعاعِ مہر — ہر ذرّہ تابناک شدہ از شعاعِ مہر
برکردہ سر گلے چو زپائے ادب حمید — "آن گُل زخار پاک شدہ از شعاعِ مہر"

+۲
۱۹۳۵ + ۲ = ۱۹۳۷ء

سائلؔ۔ بلبلِ گلزارِ شیوا بیانی۔ طوطیِ شکرستانِ شیریں زبانی۔ ثانیِ داغؔ۔ سلطانِ قلمروِ فصاحتِ اہلِ زباں عالیجناب نواب ابوالمعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی داماد فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی مغفور و نبیرۂ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیرؔ رخشاںؔ دہلوی مرحوم جاگیردار لوہارو۔

مہرؔ بھائی نے لکھا دیواں ہے میرا زیرِ طبع — ملتجی اُسکے لئے ہوں قطعۂ تاریخ کا
آنکھ سے دیکھا۔ سُنا بھی کان سے اُنکا کلام — چُستیِ بندش سے ہے ہر شعر سانچے میں ڈھلا
اور یہ لطفِ زباں بھی شوخیِ مضموں کے ساتھ — اِسکو اندازِ بیاں کہیئے فصیح الملک کا
دید کے قابل ہے گلہائے معانی کی بہار — خوب فیضِ بلبلِ ہندوستاں ہے واہ وا
لکھا سائلؔ نے یہ سالِ طبع آخر در جواب — "مہرِ حق ہیں جانشینِ داغؔ کا دیواں چھپا"

۱۹۳۷ء

سخنؔ۔ سخنورِ نکتہ داں۔ ناثرِ رنگیں بیاں۔ نقّادِ جواہرِ سخن جناب منشی رام نارائن صاحب جوہری تخلص سخنؔ وکیل لشکر خلفِ دوم جناب ٹھاکر گوری پرشاد صاحب متوطن بھونگاؤں ضلع مین پوری۔ و تلمیذِ خاص معراج الشعراء حضرت بزمؔ آفندی اکبرآبادی

سخنورانِ نکتہ سنج نیکو دانند کہ شاعر تا صد تیشۂ فکر جانفرسائے بر پہلوئے دل نہ زند و بالماسِ اندیشہ جگر را لخت لخت نہ خراشد یا قوتِ مہر تابِ سخن کہ مستوجبِ اجابتِ دشوار پسندانِ معنی شناس تواند شد حاصل نشود۔ و تا ہزاراں غوطہ در بحرِ ناپیدا کنارِ فکر نخورد۔ یک گوہرِ آبدارِ معنی کہ شایستۂ قبولِ خاطرِ خطیرِ جوہریانِ جواہرِ خرد آید بکف نہ اُفتد۔ الا درین ولا محبِ صادق عمدۃ الشعراء۔ ناثر الملک افضل الشعراء ممبر خصوصی و تنقیدی انجمنِ خاصانِ ادب لکھنو پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہرؔ جانشین فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ ایں دیوانِ لاجواب شعاعِ مہر را کہ گوہریست نایاب بہ کمال

جگر کاوی و دلسوزی چناں از بحرِ فکر بر آوردہ کہ ہر ورقے ازیں کتاب عاشقے است جانباز و ہر صفحۂ ازیں اوراق معشوقیست طنّاز بمطالعۂ ایں دیوان بالضرور ستانِ رحیق حمکدۂ نظمِ اُردو را سرورِ تازہ خواہد بخشید۔

قطعۂ تاریخ

چو دیوانِ جنابِ قہر شد طبع ‌— رسید آوازہ اش در طولِ عالم
سُخن تاریخِ طبعش گفت از "ماہ" (۴۶) — "شعاعِ قہر شد مقبولِ عالم"

۱۳۰۹ + ۴۶ = ۱۳۵۵ ہجری

سُروش۔ مہرِ سپہرِ نکتہ دانی۔ ماہِ منیر شیریں زبانی جناب سید اختر حسین علی صاحب نقوی سُروش مچھلی شہری ہیڈ ماسٹر انگلش اسکول مچھلی شہر ضلع جونپور۔ خویش و جانشین حضرت شہیر مچھلی شہری مرحوم و مغفور

شعاعِ قہر کہ ہے کلّیاتِ حضرتِ قہر — کسی طرح نہیں تابش میں آفتاب سے کم
جو لفظ ہے وہ ہے روشن جو حرف وہ تاباں — غرض چمکتا ہے اسکا ہر اک ورق چم چم
کلامِ قہر سے جو اسم بامسمّیٰ ہے — اُجالی رہتی ہے دُنیائے شاعری ہر دم
جو ہے یہ پُر گلِ خوبی سے۔ خارِ عیب سے پاک — تو اس سے اہلِ نظر کیوں نہوں خوش و خرّم
کسی جگہ سے کوئی حرف اُٹھ نہیں سکتا — ڈھلے ہوئے ہیں سب اشعار بندشیں محکم
جو خوبیاں ہیں وہ سب اس میں ہیں بہ حدِّ کمال — جو حُسنِ شعر ہیں وہ اس میں ہیں بحدِّ اتم
سُروش لکھیے یہ تاریخِ طبعِ دیواں کی — "شعاعِ قہر سے روشن ہے ساحتِ عالم"

۱۹۳۶ء

دیگر

چھپ گیا شکرِ خدا دیوانِ قہر — ہے جہانِ شاعری میں آج عید
اسکی تاریخ اور کیا لکھیے سُروش — جسکی ہے تاریخ "تاریخِ سعید"

۱۳۵۵ ہجری

شوخ۔ شاعرِ نازک خیال۔ ناظمِ شیریں مقال۔ اکملِ زمان۔ افصحِ دوران۔ واقفِ رموزِ سخنوری جناب ڈاکٹر سید سخاوت علی صاحب جعفری۔ شوخ اکبرآبادی جانشین حضرتِ رئیس مرحوم اکبرآبادی و نبیرۂ میرزا فصیح مرحوم

خدا کا شکر کہ دیوانِ قہر طبع ہوا — فلک پہ دھوم ہے چمکا زمیں پہ اخترِ قہر
نہ کیوں ہوں اہلِ سخن اس کلام کے شیدا — فصاحت اور بلاغت ہیں دونوں جا بہ کرِ قہر

اِسی لئے سندِ جانشینِ داغ ملی
زبانِ داغ کا سہرا ہے شوخ برسرِ قہر

مجھے یہ حکم ہوا تاریخِ طبع کہہ تو بھی
کہاں یہ ہیچ مداں اور کہاں وہ دفترِ قہر!

اشارہ پا کے سرِ چرخ سے کہا آخر
"شعاعِ قہر کو دیوان۔ کلام کو زیرِ قہر"

۳ + ۱۳۵۲ = ۱۳۵۵ھ ہجری

شیدا۔ سخنورِ عدیم المثال۔ شاعرِ خوش خیال۔ صاحبِ طبعِ وقاد۔ ذہنِ نقاد نادر الشعرا جناب منشی چنڈی پرشاد صاحب شیدا دہلوی خاص یادگارِ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ

کیفِ سخن سے مست ہوں میں جھوم جھوم کر
دیوانِ قہر سامنے رکھتا ہے چوم کر

دیوانِ قہر نکلا ہے اُس آب و تاب سے
ثابت ہے جس سے آپکی شعرا میں برتری

کامل ہے دستگاہ انہیں فنِ شعر میں
یہ جانشینِ داغ ہیں یہ رشکِ انوری

پیدا کیا ہے خوب متانت میں بانکپن
ہر شعر سے ٹپکتی ہے آداب گستری

بندش ہے صاف و شستہ مضامین بلند ہیں
مقبولِ عام کیوں نہو پھر یہ سخنوری

نیرنگ وہ دکھائے ہیں اک شاخِ کلک سے
گویا دھری ہے میز پہ ڈالی ہری بھری

ہر شعر نقش بندِ معانی ہے سر بسر
فکرِ بلند میں ہے مضامین پروری

ہر لفظ یوں عروس کی صورت ہے جلوہ گر
جیسے دلھن بنی ہوئی ہو قاف کی پری

اب معترض کے واسطے ہر راہ بند ہے
ہے فنِ شعر آپ کا سدِّ سکندری

توحید سے کلام ہوا ہے وہ ہمقراں
حاصل ہے مُلکِ شعر میں شانِ پیمبری

روشن کیا ہے نام وہ حسنِ کلام سے
امین کا نور آپ کی ہے سحر گستری

شیدا عیاں "تجلی" تاریخِ طبع ہے
لکھیئے شعاعِ قہر ہے "خورشید خاوری"

۱۹۳۶ء

طالب۔ سخن طراز۔ خوش فکر۔ نونہالِ گلزارِ شیریں زبانی جناب منشی شاہد علی صاحب طالب صدیقی المنصوری امروہی مقیم کراچی۔ مؤلف شعرستانِ ہنود و تلمیذ جناب علامۂ عصر حضرت ابو التوفیر آفسر صدیقی امروہی

جنابِ قہر نے لکھا وہ بے بدل دیواں
جو مرتبے میں ہے رُوئے کلام کا غازہ

کہو یہ مصرعِ تاریخِ عیسوی طالب
"شعاعِ قہر ہے ماہِ سخن ہُوا تازہ"

۱۹۳۷ء

عطا۔ نقشبندِ گلزارِ معانی۔ عندلیبِ بوستانِ شیوا بیانی۔ سرتاجِ سخن جناب ممتاز الشعرا حاجی عطا محمد صاحب عطا بدایونی وکیل و نامینیٹڈ میونسپل کمشنر و چیرمین کمیٹی حفظانِ صحت میونسپل بورڈ تلہر ضلع شاہجہانپور۔ یو۔پی۔

یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

"شعاعِ مہر گردارِ ضیا ہے"
"شعاعِ مہر میں ہے نورِ فرخ"
۱۹۳۷ء

"شعاعِ مہر خورشیدِ لقا" ہے
"شعاعِ مہر مشکل خورِ عطا ہے"
۱۹۳۷ء

دیگر

"جگری باغ ہے شعاعِ مہر"
"خوُ اوستاد ہے و قوعِ عطا"
۱۹۳۷ء

"جبلِ راغ ہے شعاعِ مہر"
"گوہرِ داغ ہے شعاعِ مہر"
۱۹۳۷ء

دیگر

جس روز سے ہے باغِ جہاں میں بہارِ داغ
اُستاد کے ہنر کا زمانہ ہے مدح خواں
سائل۔ عطا و احسن و بیخود کہ نوح و مہر
فیضِ جنابِ داغ سے روشن دماغ ہے
گویا زبانِ داغ عطا ہے۔ زبانِ مہر

دنیا میں جب سے کوئی نہیں ہم وقارِ داغ
ہر اہلِ فن ہے حسنِ رقم پر نثارِ داغ
سب ورثہ دارِ داغ ہیں۔ سب یادگارِ داغ
لطفِ زباں سے مہر کا دل ہے دیارِ داغ
"دیوانِ مہر جادرِ فصلِ بہارِ داغ"
۱۹۳۷ء

عیش۔ شاعرِ بے نظیر۔ سخنورِ پرتاثیر۔ خوش فکر۔ خوش خیال۔ جادو رقم۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب مولوی شفیع احمد صاحب عیش بریلوی خاص یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

"جلوہ گر ہونے کو دیوانِ شعاعِ مہر" عیش
تم لکھو یہ اُس کلامِ نغز کی تاریخِ طبع

"چھپ رہا ہے آجکل" یہ اطلاعِ مہر ہے
"بے نفادت مہر کا دیوان شعاعِ مہر ہے"
۱۹۳۷ء

عزیق۔ شاعرِ سخن ساز۔ معنی طراز سخنگوے صاحبِ تحقیق۔ جناب حافظ شیخ محمد نبی بخش صاحب عزیق سہارنپوری خاص یادگارِ حضرتِ قیس جھونوی مرحوم

جانشینِ داغ والا مرتبت

مہرِ انوارِ سخن عالیجناب

شاعری کی خوبیوں سے آپ نے
چھپ گیا وہ آپکا دیواں عزیق
کس قدر نایاب ہے یہہ سالِ طبع

کر دیا اُردو زباں کو کامیاب
ہے جو دُنیائے سُخن میں لاجواب
"قہر کا دیواں ہے رشکِ آفتاب"
۱۳۵۶ ہجری

دیگر

وہ لکھے ہیں نُور کے مضموں جنابِ قہر نے
لکھدو تم بھی اِسکی یہہ تاریخ روشن اے عزیق

جلوہ گر ہیں جن سے انوارِ مَعانی بَرملا
"عرش کا تارا بنا دیوانِ دلکش قہر کا"
۱۹۳۷ء

دیگر

قہر صاحب جانشینِ داؔغ کا
لکھ یُر انور سے سالِ طبع عزیق

چھپ گیا دیوانِ مقبولِ انام
قہر خوش گو کا ہے کیا زیبا کلام
۱۳۵۵+۱ = ۱۳۵۶ ہجری

فائق - صاحب طبع معنی آفریں - جوہر قابل - سُخنگوئے لائق - جناب مولوی سید شاہ محبوب الرحمٰن صاحب فائق - سجادہ نشین مُفتی گنج - ضلع پٹنہ عظیم آباد - تلمیذ عمدۃ الشعرا - افضل الشعرا
حضرت قہر مصنف دیوان ہذا

چھپ گیا قہر سُخنور جانشینِ داؔغ کا
میں بھی ہُوں شاگرد اُنکا - میرے بھی اشعار پر
ہے شعاعِ قہر شمعِ محفلِ اہلِ ادب
پھر بھی اِسکے سامنے ہے جہل کی ظُلمت بہت
کہکے سالِ طبعِ دیواں دیجئے فائق صدا

آج دیوانِ شُعاعِ قہر جانِ شاعری
اُنکی اصلاحیں ہُوئی ہیں نردبانِ شاعری
ہے شُعاعِ قہر ماہِ آسمانِ شاعری
نور میں اِسکے دکھائی ہے جوکانِ شاعری
"یہہ شُعاعِ قہر روشن لے جہانِ شاعری"
۱۹۳۷ء

قمر - سُخنورِ ماہرِ فن - نقادِ جوہرِ سُخن - راسخ الکلام جناب مولٰنا مولوی قمر الحسن صاحب صدیقی حمیدی بدایونی مقتدر یادگارِ حضرتِ راسخ دہلوی مرحوم و مغفور

اب طبع ہو رہا ہے وہ دیوانِ لاجواب
فیضِ جنابِ داؔغ کی روشن مثال ہے

جسکا ہر ایک شعر ہے ہر عیب سے بری
کیوں اِس کلام کی نہ مُسلّم ہو برتری

آئینۂ کمالِ کلامِ جنابِ قہر
ہے رہروِ سخن کے لئے شمعِ رہبری
تاریخ کا خیال جو آیا مجھے قمر
بولا سروشِ غیب "ریاضِ سخنوری" ۱۹۳۰ء

کیفی - عالمِ بے عدیل - فاضلِ نبیل - علامۂ عصر فضیلت مآب - کمالات انتساب - صاحبِ فکرِ لطیف - شاعرِ شیریں سخن - جنابِ پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی - بی اے مقیم ماڈل ٹاؤن پنجاب

عاشق ہیں شعر اور ادب کے جنابِ قہر
اُن کا بہت بلند ہے ذوقِ سخنوری
دیوان اُنکا دیکھ کے کیفی نے یہ کہا
کہئے شعاعِ قہر کو "خورشیدِ خاوری" ۱۹۳۰ء

محشر - شاعرِ بدیع نگار - خوش گفتار - ناظمِ خوش خیال - سخنورِ عدیم المثال - کانِ فصاحت - جانِ بلاغت - سخن طراز - جادو نگار - صاحبِ کلامِ متین - عالی خرد - سخن گستر جنابِ میرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

قہر کا چھپ گیا دیوان یہ اللہ کی مہر
قہر ہیں شاعرِ اُستاد و ادیبِ کامل
ایک اِک شعر میں جذباتِ سخن کے جوہر
سننے والے جسے سنتے ہی ہوئے ہیں بسمل
ایک اِک لفظ ہے یا آئینۂ حسنِ بیاں
کہ جسے دیکھ کے بیتاب ہیں اہلِ محفل
غیب سے طرزِ بیاں میں یہ ہوا حسنِ قبول
اہلِ باطن جسے سننے کو ہیں دل سے مائل
سلسلہ بندیِ مضموں کا نہ پوچھو احوال
لطفِ تخیل جو دریا ہے تو معنی ساحل
قہر کی طبعِ سخن سنج کا اللہ رے زور
ہوئی ہر صنف پہ تقدیر سے قدرت حاصل
قہر کی روشنیِ طبع شعاعِ خورشید
کہ ہر اک شعر ہے گویا کہ چراغِ منزل
شوخیِ نظم میں تاثیر بھری ہے ایسی
دیکھیں خوبانِ زمانہ تو پھڑک جائے دل
قہر اِس دَور میں کیونکہ نہوں فطری شاعر
کاملِ فن بھی جنہیں کہتے ہیں شاعر کامل
چاہنے والے پہ سو جان سے ہو مائلِ رحم
آپ کے درد بھرے شعر جو سن لے قاتل
کلکِ محشر نے رقم کر دیا یوں طبع کا سال
"حضرتِ قہر کا دیوان ہے زیبِ محفل" ۱۹۳۰ء

معجز - شاعرِ نازک خیال - رنگین مقال - سخنورِ بے مثال حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی مولوی فاضل و منشی فاضل (پنجاب) سیکنڈ ماسٹر مدرسۂ وثیقۂ عربی فیض آباد

ہے فصاحت کا بلاغت کا نمونہ یہ کلام
دلکش و نازک معانی ہیں بیاں بالکل سلیس
قہر ہیں اِک شاعرِ جادو بیاں روشن خیال
ذہنِ عالی اُنکا ہر دم عقلِ کُل کا ہے انیس
ہے وطن قہرِ سخنور خوش بیاں کا سہسوال
ہموطن معجز ہے اُنکا وہ عطارد کے جلیس
جب ہوا دیوان مرتب قہر کا باآب و تاب
اور لکھکر اُس کو فارغ ہوگیا کاپی نویس

خامۂ معجزؔ نے لکھا مصرعِ تاریخِ طبع … جانشینِ داغؔ کا دیوان اُردو ہے نفیس
۱۹۳۷ء

دیگر

چمن در جیب دارد ہر گلِ تر … زہے گلزارِ قہرِ نکتہ پرداز
بہر لفظش نہاں گنجِ فصاحت … زہر بیتش عیاں تاثیرِ اعجاز
پئے تاریخ دیوان گفت معجزؔ … "شعاعِ مہر روشن مایۂ ناز"
۱۳۵۶ھ ہجری

مفتوںؔ۔ صاحبِ فکرِ لطیف۔ شاعرِ شیریں سخن جناب منشی شنکر سروپ صاحب مفتوںؔ شکوہ آبادی مقیم سکندر آباد۔ ضلع بلند شہر تلمیذِ رشید فصیح العصر۔ ناخدائے سخن تاج الشعرا حضرتِ نوحؔ ناروی جانشین حضرتِ داغؔ دہلوی

دیوان کا وصف کیا ہو مفتوںؔ … اللہ رے شان و شوکتِ قہرؔ
اِس فردِ جہاں کی عیسوی ہیں … تاریخ ہے "فردِ حضرتِ قہرؔ"
۱۹۳۷

دیگر

چھپ کر ہُوا جہان میں صورت نگارِ مہر … دیوانِ قہرؔ آئینۂ وارداتِ عشق
فصلی میں سالِ طبع کی مفتوںؔ نے کی جو فکر … آئی صدائے غیب "نقوشِ حیاتِ عشق"
۱۳۴۵ف

لمہؔ۔ شاعرِ باکمال۔ ناظمِ شیریں مقال فخرِ شعرائے دورِ جدید۔ ماہرِ فن جناب پنڈت آنند نارائن صاحب لکھنوی لمہؔ۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ چیف کورٹ لکھنؤ۔ خلف جناب ڈاکٹر پنڈت جگت نارائن صاحب لکھنوی۔ ایل ایل ڈی ایکس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی و ایکس منسٹر۔ یو۔ پی۔ گورنمنٹ

بادہ نوشانِ خُمِ شعر و سخن کے واسطے … مئے کا ساغر قہرؔ کا دیوان شعاعِ مہر ہے
ہم نے لکھا اس کا یہ فصلی منوّر سالِ طبع … "بزمِ انور قہرؔ کا دیوان شعاعِ مہر ہے"
۱۳۴۶ فصلی

مولاؔ۔ نونہالِ گلزارِ شیریں نوائی۔ سخنورِ خوش بیان۔ خوش فکر۔ جناب منشی مولا بخش صاحب مولاؔ سہارنپوری خلف و تلمیذ حضرتِ عزیزؔ سہارنپوری

اے جزاک اللہ کیا دیوان لکھا قہرؔ نے … جسکے اِک اِک لفظ سے ظاہر ہے حُسنِ دلربا
لکھیئے مولاؔ اِسکے چھپنے کا یہ سالِ عیسوی … "یہ جنابِ قہرؔ کا دیوان خوشخط اب چھپا"
۱۹۳۷ء

دیگر

قدر دانو جس کا مدت سے تھا تم کو انتظار … طبع وہ دیوان ہوا با شوکت و باشان آج
لکھو مولاؔ سالِ ہجری تم زرُو دِ یئے احتشام … "مہر کی صورت چھپا کیا قہرؔ کا دیوان آج"
۱۳۵۶ ہجری

ناطقؔ۔ سخنورِ یکتا۔ شاعرِ بے ہمتا۔ ماہرِ باکمال۔ مشاقِ عدیم المثال۔

مُرشدِ خمخانۂ سُخن جناب مولٰنا مولوی سیّد محمّد ابوالحسن صاحب ناطقؔ گلاؤٹھوی مقیم ناگپور مصنفِ "نطقِ ناطق"۔ خاص یادگارِ حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم

جنابِ مہرؔ کا دیواں ہُوا ہے
جہانِ شاعری کا مہرِ تاباں
لکھو تم طبع کی تاریخ ناطقؔ
"یہہ نکلا شان سے مہرِ درخشاں"
۱۹۳۷ء

ناطقؔ۔ نخلبندِ گلزارِ خوش بیانی۔ سُخنورِ خوش کلام۔ جادُو طراز۔ سحر پرداز۔ جناب ابوالعاصم منشی محمّد عبدالقدّوس صاحب ناطقؔ رسراوی۔ بلیاوی۔ مقیم نیر پر سوہنت۔ مُلکِ برآرہ۔ تلمیذ عُمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ مہرؔ مصنّفِ دیوان ہٰذا

نہیں ہے زمانے میں ہمسر کوئی
فصیحِ زماں حضرتِ مہرؔ کا
کمالات ہیں داغؔ کے آپ میں
جبھی جانشینی کا رُتبہ ملا
فصاحت وُہی ہے۔ بلاغت وُہی
کلام آپ کا ہے اُسی طرز کا
بلاغت کی دُنیا میں بے مثل ہیں
فصاحت میں ثانی نہیں آپ کا
تلطّف کا جوہر طبیعت میں ہے
اِسی سے زمانہ ہے اُنپر فدا
مرے حال پر بھی ہے شفقت بہت
نہیں اُنکے الطاف کی اِنتہا
کیا ہے غلاموں میں یوں سربلند
مری حد سے رُتبہ بڑھایا مرا
کھُلا گوہرِ گنجِ معنی کا راز
ہُوا طبع دیوان جب آپکا
مُبرّا معائب سے ہے یہہ سُخن
محاسن کی دُنیا ہے اِس پر فدا
نہ حشو و زوائد۔ نہ ایطا کہیں
نہ ہے شائبہ اِس میں تعقید کا
زباں صاف و شُستہ۔ عبارت فصیح
سلاست ہے سوجاں سے شیفتا
سراپا مرصّع یہہ دیوان ہے
نہیں دخل اِس میں ذرا عیب کا
لکھا اِس کا ناطقؔ نے یہ سالِ طبع
"کمالِ فصاحت کا منظر کھُلا"
۱۹۳۷ء

دیگر

جانشینِ داغؔ مہرؔ اُستادِ من
نکتہ دان و نکتہ پرور نکتہ سنج
دوست می دارند اُو را خاص و عام
طبع اُو دارد مرنجان و مرنج

کلیاتِ قہر چوں گردید طبع سالِ طبعش کلکِ ناطق زد رقم	شُد نثارِ شش گنجِ معنی مثلِ گنج "یک ہزار و سہ صد و پنجاه و پنج"

۱۳۵۵ھ ہجری

ناظم۔ شاعرِ شیریں سُخن۔ ناظمِ فخرِ زمن۔ صاحب طبعِ رسا۔ سخنورِ خوش کلام جناب ابوالعاصم محمد اسمعیل صاحب ناظم متوطن رتسر ضلع بلیا۔ تلمیذ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرت قہر مصنّفِ دیوان ہذا

یہ بدھائی طبعِ دیوانِ شعاعِ مہر کی !	گونج اُٹھا ہے جہاں شورِ مبارکبادسے
کھینچ دیں اشعار میں وہ صورتیں جذبات کی	جو کسی صورت نہ کھنچتیں مانی و بہزاد سے
جانشینِ داغ قہر اُستاد کا ہے یہ کلام	اِس کا کوئی شعر بھی خالی نہیں ہے صاد سے
لوگ تاریخیں کہا کرتے ہیں اکثر بیشتر	فکر سے۔ ذہنِ رسا سے۔ عقل کی امداد سے
اور سالِ طبع اِس کا ناظمِ شاگرد کو	ہاتھ آیا ہے "بیانِ حضرتِ اُستاد" سے

۱۹۳۶ء

نکہت سُخن گُسترِ خوش مقال۔ شاعرِ سراپا کمال۔ ماہرِ فن۔ صاحبِ طبعِ عطیۂ فطرت۔ سُخنورِ باگیاست۔ جناب مولوی شاکر حسین صاحب صدیقی نکہت، سہسوانی خلفِ حضرتِ صابر حسین صاحب ضیا سہسوانی مرحوم و برادرزادۂ حضرتِ انوار حسین صاحب تسلیم سہسوانی مغفور۔

چوں شعاعِ مہر راقہر از فروغِ نورِ فکر	جلوہ آرائے مضامینِ لطافت بہر کرد
از کمالِ دلفریبہا در اندازِ بیاں	نوعروسانِ سُخن را روکشِ گلچہرہ[۱] کرد
سالِ تاریخ سیحیؔ نکہتِ شیوا بیاں	گُفت "روشن صبحِ معنی را شعاعِ مہر کرد"

۱۹۳۶ء

دیگر

تابِ شعاعِ مہر ہے مژدہ رساں کہ دیکھ لو	نظم کی کائنات میں صبحِ کمال کا ظہور
ہے ہمہ گیر کس قدر حُسنِ مقال کی ضیا	دیکھو جدھر اُٹھا کے آنکھ پھیلا ہوا ہے ایک نور
حُسنِ بیاں کے ساتھ ساتھ لُطفِ زباں کا اوپر	خوبیِ صحتِ مذاق۔ قابلِ داد ہے ضرور
سوچ رہا تھا سالِ طبع۔ راہ نوردِ دشتِ عجز	معترفِ قصورِ عقل نکہت از صلاح دُور
وادیِ قُدسِ فکر سے آئی ندا یہ ناگہاں	"حُسنِ کلامِ قہر ہے جلوہ طرازِ شمعِ طور"

۱۳۵۵ھ ہجری

[۱] نام معشوقۂ عجم۔

دیگر

سرزمینِ نظم کو کس درجہ بخشی روشنی
کردیا ہمرنگِ گلزارِ ارم دیوان کو
فکرِ سالِ طبع کا کسکو تھا لے نکہت دماغ
فرقِ ترک و اخذِ مدّ سے ہے سنِ آغاز و ختم

آسمانِ شاعری پر ارتفاعِ قہر نے
گل کھلا کر تازہ حسنِ ابتداعِ[1] قہر نے
کردیا بے بس مگرامر مطاعِ قہر نے
"حاسدوں کی آنکھیں خیرہ کیں شعاعِ قہر نے"

۱۹۳۶ء – ۱۹۳۷ء

نوح۔ سخنورِ سراپا کمال۔ شاعرِ نازک خیال۔ نقّادِ سخن۔ واقفِ رموزِ شیریں کلامی
تاج الشعرا۔ فصیح العصر۔ ناخدائے سخن جناب مولنا محمد نوح صاحب نوح ناروی
رئیسِ اعظم نارہ ضلع الہ آباد۔ جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

جنابِ قہر جو ہیں جانشینِ حضرتِ داغ
جہانِ شعر و سخن کا نرالا عالم ہے
زہے بہار۔ زہے گل۔ زہے نشاطِ چمن
بلا و نوح کہ بلجائے سالِ طبع تھمیں

چھپا ہے انکا یہ دیوانِ بے بہا اچھا
یہ ہے زمین الگ۔ یہ ہے آسمان جدا
بہار بھی نئی۔ گل بھی نئے۔ چمن بھی نیا
"شعاعِ قہر" میں جزوِ "عروسِ مہر فزا"

۱۳۵۵ ہجری

دیگر

قہر کا دیوان چھپ کر بن گیا برقِ کلام
نوحِ ساغر نوش نے لکھا چمکتا سالِ طبع

بڑھ گیا مے خانۂ شعر و سخن میں ساز و سوز
"بادۂ نو۔ آفتابِ قہر۔ مہرِ نیم روز"

۱۳۵۵ ہجری

دیگر

چھپا قہر کا وہ منوّر کلام
مگر نوحِ خوش فکر نے سالِ طبع

کہیں بدر جس کو سب اہلِ نگاہ
یہ لکھا "یہ ہے غیرتِ مہرو ماہ"

۱۹۳۷ء

دیگر

دیوانِ جنابِ قہر شد طبع
ایں ست ز نوح عیسوی سال

عالم ہمہ گشتِ لطف اندوز
"خورشیدِ سپہرِ نور افروز"

۱۹۳۷ء

نوشہ۔ سخنورِ شیریں کلام۔ گلدستۂ ذہانت و ذکاوت جناب منشی
محمد خلیل الدین صاحب عباسی نوشہ بدایونی برادر زادۂ حضرت حیرت بدایونی

[1] حسبِ اصطلاح فنِ معانی و بیان مضمون آفرینی۔ نئی بات پیدا کرنا۔ [2] الف مقصورہ = ۱، الف ممدودہ = ۱+۱/۲

کلامِ مہر چرخِ شاعری پر
جو اختر لفظ سطریں کہکشاں ہیں
نظر کا خوب ہے دلکش تماشا
اگر تاریخ کی ہے فکر نوشہ

دُرِ رخشاں ہے مثالِ مہرِ زریں
تو ہیں اوراق کے صفحے نگاریں
بیاں ہیں صاف مضموں بھی ہیں رنگیں
کہو "پاکیزہ نظمِ ماہ و پروین"
۱۳۵۵ ہجری

یگانہ سخنورِ بےمثال۔ شاعرِ بلند خیال۔ ماہرِ فن۔ نقّادِ سخن۔ واقفِ عروض و قوافی۔ جادو رقم جناب میرزا واجد حسین صاحب معروف بہ عُرفِ میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی پیرو حضرت آتش لکھنوی مرحوم

جواب میں ہوئی تاخیر۔ آہ کیا کیجے
"شاعِ مہر" کے چھپنے کا قلبِ صاف ہے سال
+۱

یگانہ آجکل اچھا نہیں ہے مشفقِ من
اندھیرے کا ہے اُجالا "نہ ہے چراغِ سخن"
= ۱۹۳۶+۱
۱۹۳۷ء

—— ۰۰۰۰ ——

تقریظ دلپذیر اثرِ خامہ جناب منشی بشیر احمد صاحب صبر حدی

منشی کتب خانہ مطبع محمدی بمبئی

دیوان ہے کہ شمس ہے نصف النہار پر
یا گلشنِ سخن ہے یہ خنداں بہار پر

معز ز ناظرین و بالغ نظر شائقین کو مژدہ ہو کہ نازک خیالی کا آئینہ، معاملہ نگاری کا صحیفہ، رنگِ عاشقانہ کا لطیفہ، تجسّمِ ظاہر نازنینوں کا تذکرہ بہ نگاہِ حقیقت دستور العملِ شعرا، معانی آفرینی کا مجموعہ، مجموعۂ سخن کا شیرازہ یعنی **دیوان شاعِ مہر** جو اس وقت راقم الحروف کے پیشِ نظر ہے اُس کے مطالعے سے جس قدر میں مسرور و ممنون ہوا ہوں اگر اُس مسرتِ دلی کا ذکر اور شکریہ نہ کروں تو کفرانِ نعمت ہے، سبحان اللہ، کیا کیا نور دیدگانِ بانیِ آغوشِ الفاظ میں بازی کر رہے ہیں اور کیسے کیسے پریزادانِ معانی بہ نگاہِ دُزدیدہ نظم کے جھروکے سے جھانک رہے ہیں، شاہدانِ نزاکتِ بیان کی کمریں بارِ الفاظ سے جھکی جاتی ہیں۔ مہوشانِ شوخیِ مضامین آب از دیدہ رفتہ ہو کر اور بند شونکی چلمن سے سر نکالکر گلبانگ سرفروشی کر رہے ہیں، آشیانۂ الفاظ پر طیورِ معانی کا باقرینہ بیٹھنا مکاں و مکیں کا ربط ہے، اِس دیوان کو گلشنِ گلہائے راز و نیاز اگر کہئے تو بجا ہے یا میخانۂ صہبائے ناز و انداز قرار دیجئے تو نہایت زیبا ہے۔ کلام ہے کہ ایک دریائے زخّار کی طرح جوش میں رواں ہے، ایک ایک

زمین میں کئی کئی غزلیں اور ایک سے ایک بڑھ کر پھر مضامین آفرینی اور نازک خیالی جس سے مصنفِ دیوان حضرت قہرؔ کی جودتِ طبع اور علمی استعداد کا سرمایہ ظاہر ہوتا ہے۔ ہر سطر ایک دلفریب نخل ہے خیالاتِ رنگین کا اور ہر صفحہ ایک تازہ بہارِ گلشن ہے بلندیٔ مضامین کا۔ دیوان ہذا میں از اوّل تا آخر ہر مقام پہ تازہ و کرشمہ سرگرم جلوہ فروشی اور ہر انداز و عشوہ مشتاقِ ہم آغوشی ہے ؎

	زفرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم		کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست	

علاوہ بریں، شوخیٔ مضامین، چستیٔ بندش، خوبیٔ بیان، لطفِ عتاب، وضعِ استعارہ، اُسلوبِ کنایہ ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ۔ باایں ہمہ حضرت قہرؔ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعریف و توصیف نہیں کیونکہ اس سے جہانِ فصاحت و بلاغت کو اپنی رسائی پر ناز اور علم و لیاقت کو فخر و اعزاز ہے۔ جب سحر بیانی اور آتش زبانی خود شاہدِ حال ہوں تو کسی کی ثنا و صفت کی کیا ضرورت ہے۔ اگر صاحبِ دیوان حضرت قہرؔ کی شان میں یہ کہا جائے کہ وہ اپنے زمانے میں یکتا ہیں تو امید ہے کہ اسے شاعرانہ مبالغہ نہ تصور کیا جائیگا، اس عہد میں اگر دلّی کا بادشاہ شاہِ ظفر سا قدر دان ہوتا تو مصنّفِ دیوان جانشینِ فصیح المُلک حضرتِ داغ دہلویؒ جنابِ قہرؔ کے کلام کی کیا کیا قدر و منزلت نہ کرتا۔ جائے غور ہے کہ قطرے کو دریا اور ذرّے کو آفتاب بنانا ہر شخص کا کام نہیں۔ سخن سنجان دانشمند اور دانش ورانِ انصاف پسند اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں تو گو اعجاز میں گفتگو کریں تاہم اِنکے کلام کو سحرِ سامری قرار دینے میں کچھ تامل نہیں کر سکتے۔ غرض جو جو باتیں محاسنِ شعری کے لئے ضروری ہیں وہ سب اس کلام میں موجود ہیں، اگر دامنِ نگاہ گردِ کدورت اور کینے سے پاک و صاف ہو تو جس جگہ سے دیوان کو دیکھئے ایک جلوہ ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ میں اہلِ بصیرت سے توقع رکھتا ہوں کہ میری یہ باتیں مبالغے پر محمول نہ فرمائی جائیں۔ البتہ میں اس مقام پر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ دیوان بیشک دیدہ بدبیں اور نگاہِ حاسدیں کے لئے خار ہے مگر منصف مزاجوں کی نگاہوں میں پھلا پھولا گلزار ہے میں آخر میں دست بدعا ہوں کہ الٰہی جب تک دریائے سخن موجزن ہے تیرے فضل و کرم سے یہ دُرِّ شاہوار سرمایۂ آبروئے سخن سنجاں رہے اور یہ گوہرِ آبدار مطبوعِ طبائعِ جہان و مقبولِ خاطرِ خاص و عام ہو۔

آمین ثم آمین، الحمد للہ رب العالمین۔

بمبئی۔ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء

نوٹ۔ آگے جو قطعات خلافِ سلسلۂ حروفِ تہجی درج ہیں وہ بعد ترتیبِ ضمیمہ نمبر ۲ آئے تھے۔

عقیلؔ۔ نوبادۂ گلزارِ لیاقت و گیاست۔ گلدستۂ ذہانت و ذکاوت محمد عزیز اللہ خلفِ اصغر مولانا مولوی محمد اے ایم عبد الباسط برقیؔ طاب ثراہ مدیرِ رسالۂ پیکرِ خیال و اخبارِ مسلم و مالکِ مسلم پریس کنٹونمنٹ بنگلور

قہر کا دیوان شایع ہوگیا
ایک نکلا۔ سال چھپنے کا عقیلؔ

جو زمانے کو بہت محبوب ہے
"قہر کا دیوان خوش اسلوب ہے"
۱۳۵۷ھ

نذیرؔ۔ بزم آرائے خوش بیانی مشّاقِ بے نظیر حامیٔ کلامِ پُر تاثیر جناب مرزا نذیر حسین صاحب نذیرؔ۔ بنگلوری

جنابِ قہر کے دیوان کی تعریف کرنے کو
ادا کے ساتھ کہیے کیوں نہ تاریخ اے نذیر اسکی

زباں خود بول اُٹھتی ہے غزل ہر اک مرصّع ہے
"تجلّیٔ قہر کی یا مہ جمالوں کا مرقّع ہے"
۱۳۵۱ + ۶ = ۱۳۵۷ھ

نفیسؔ۔ سخنورِ نفیس خیال۔ شاعرِ شیریں مقال بخلبندِ گلستانِ معانی واقفِ رموزِ خوش بیانی جناب محمد یوسف صاحب نفیسؔ بنگلوری تلمیذِ نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیلؔ جانشین حضرت امیرؔ مینائی لکھنوی

سپہرِ طبع پر یا قہر کا دیوان چمکا ہے
نفیسؔ اک نے کہی تاریخ قرباں ہو کے دیواں پر

نظر آیا ہے جلوہ دفعتہً یا مہ جبینوں کا
"شعاعِ قہر ہے یا یہ مرقّع ہے حسینوں کا"
۱۳۵۷ – ۱ = ۱۳۵۶ھ

دیگر

اللہ رے جلوہ ریزیٔ طبعِ جنابِ قہر
از رُوئے وصفِ طبع کی تاریخ ہے نفیسؔ

پر تو ہر ایک شعر میں ہے ماہتاب[ع] کا
"جلوہ شعاعِ قہر میں ہے آفتاب[ع] کا"
۱۳۵۰ + ۶ = ۱۳۵۶

دیگر

دیوان قہر کا ہے، کہ ہے مہرِ نیم روز
ترتیب کا ہے سال یہ منقوط میں نفیسؔ

ہیں شعر یا شعاعیں ہیں یہ آفتاب[ع] کی
"دیوانِ قہر میں ہے ضیا ماہتاب[ع] کی"

ذائقؔ۔ سخنورِ لائق منشی ابراہیم ذائقؔ بنگلوری تلمیذِ حضرتِ فائق الشعرا یادگارِ حضرت فصاحت لکھنوی

اِس کے سب اشعار رنگینی میں ہیں گلہائے خلد
وسعتِ فکرِ مصنّف کا بیاں کیا کیجئے۔
سایہ پروردِ جنابِ داغؔ ہیں افکارِ قہر
عیب بین و نکتہ چیں ہیں ہَول کھاکر دم بخود
واہ رے حسنِ زباں۔ اللہ رے طرزِ بیاں
کیف آور ہیں مضامیں شعر ہیں ذوق آفریں
قہر جبتک ہے رہے زندہ نہ کیونکر نامِ قہر
ترجمانِ وارداتِ قلب ہیں ایسے کہاں
عیسوی میں لکھوائے ذائقؔ تم اسکا سالِ طبع

قہر کا دیوان ہے یا ہے خیابانِ سخن
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے اک بیابانِ سخن
اِن کا ہر اک شعر پھر کیونکر نہو جانِ سخن
قہر کے ہاتوں میں ہے وہ تیغِ بُرّانِ سخن
یہ سخن آنِ سخن۔ ایسا سخن شانِ سخن
ہے بجا اِسکو اگر کہیئے خمستانِ سخن
اِن کو قدرت سے مِلا ہے آبِ حیوانِ سخن
خود سرِ دش اِن کا رہے ممنونِ فیضانِ سخن
"یہ شعاعِ قہر ہے یا ماہِ تابانِ سخن"
۱۹۳۷

[ع] ماہتاب و آفتاب سے دیوان ماہتاب داغ و دیوان آفتاب داغ مراد ہیں۔

شائقؔ معنی طراز۔ فائق حکیم منشی بشیر احمد شائقؔ بنگلوری تلمیذ حضرت فائق الشعرا و حضرت لسان الاسرار علامہ احسن لکھنوی

ہے صلائے عام اب اربابِ سوز و ساز کو ۔۔۔ وقف اُن کے واسطے ہے گنجِ ساز و سوزِ مہر
کیا ہی روشن ہیں مضامیں مہر کے دیوان میں ۔۔۔ اے جزاک اللہ فروغِ فکرِ جاں افروزِ مہر
ہر نکیلا شعر جب چُبھتا ہے دل میں بیطرح ۔۔۔ پھر نہ کیوں اُسکو کہیں ہم ناوکِ دلدوزِ مہر
خوبیٔ مہر و وفا کا ہے بیاں جس شعر میں ۔۔۔ اُس سے خود معشوق ہوتے ہیں طپش اندوزِ مہر
اِس سخن سے کتنے ہی ہیں توشہ گیرِ انتفاع ۔۔۔ فن سکھانے والی ہے طرزِ سبق آموزِ مہر
جانشینانِ فصیح الملک سے ہیں آپ بھی ۔۔۔ درخورِ نازش نہو کیوں طالعِ فیروزِ مہر
تم بھی اے شائقؔ لکھو دیواں کی یہ تاریخِ طبع ۔۔۔ "ہے شعاعِ مہر یا ماہِ جہاں افروزِ مہر"

۱۳۵۶ھ

سلیمؔ۔ شاعرِ بے نظیر۔ خوش تقریر۔ سخنورِ فہیم۔ جناب محمد شرف الدین صاحب سلیمؔ بنگلوری تلمیذ حضرتِ جگرؔ و حضرتِ دلؔ یادگارِ حضرتِ امیر مینائی لکھنوی رح

اِک گلستاں ہے مہر کا دیواں، ۔۔۔ گُل ہیں اِس پھول باغ کے اچھے
ساری غزلیں کرشمہ سازِ سخن ۔۔۔ سب تخیّل دماغ کے اچھے
مہر کا رُتبہ اُن سے برتر ہے ۔۔۔ جو ہیں شاگرد داغؔ کے اچھے
لائے ہیں مہر عرش سے مضموں ۔۔۔ ہیں طریقے سُراغ کے اچھے
داغؔ کے دل سے کہئے سال سلیمؔ۔ ۔۔۔ "پھول گلزارِ داغؔ کے اچھے"

۱۳۵۵ھ

زعیمؔ۔ طوطیٔ سروستانِ سخن۔ ناظمِ یگانہ۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب محمد خلیل صاحب زعیمؔ بنگلوری

کرامت ہے یہ حضرتِ داغؔ کی ۔۔۔ ہُوا چھپ کے تیار دیوانِ مہر
زعیمؔ ایک نکلا ہے سن طبع کا ۔۔۔ "ہُوا ہے ضیا بار دیوانِ مہر"

۱۳۵۶ھ

شمشیرؔ سخنورِ خوش مقال۔ اے۔ کے محمد صالح شمشیرؔ بنگلوری تلمیذ حضرت ذائقؔ بنگلوری

"شعاعِ مہر" سے دُونی نہ کیوں ہو شانِ ادب ۔۔۔ کہ شعر روحِ ادب ہے غزل ہے جانِ ادب
"شعاعِ مہر" ہُوا نُور بار ہر جانب ۔۔۔ وہ جگمگانے لگا دیکھیئے جہانِ ادب
کلام مہر کا کیا ہے۔ جنابِ مہر ہیں کیا ۔۔۔ یہ باغبانِ ادب ہیں۔ وہ بوستانِ ادب
یہ وہ ادیب ہیں جنکی ادب نوازی پر ۔۔۔ ہزار جان سے قرباں ہیں صاحبانِ ادب

ملا ہے دل سے یہ شمشیرؔ اِسکے طبع کا سال
"شعاعِ مہر سے تاباں ہے کیا جہانِ ادب"

۱۳۵۶ھ

تمام شد

ضروری اطلاع

ہمارے کتبخانہ مطبع محمدی

مین جملہ اقسام کے قرآن مجید و حمایل شریف عربی

و مترجم نہایت صحیح و خوشخط. اور ہر علم و فن کی عربی، فارسی، اردو

وغیرہ کی تمام کتابین بفضلہ تعالیٰ کثرت سے موجود ہین جو بہت ہی

رعایتی نرخ سے فروخت ہوتی ہین۔ مدارسِ اسلامیہ و طالبانِ علم کے ساتھ

بالخصوص اور متفرق خریدارون کے لئے بالعموم نرخ مین خاص

امکانی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ بیرونجات کے تاجرون کے ساتھ جو خاص

رعایت کیجاتی ہے اسکا صحیح حال ایک مرتبہ مال منگانیسے بخوبی معلوم ہو سکتا

ہے۔ مقامی حضرات دُکان پر تشریف لا کر اس رعایت و کفایت سے

فائدہ حاصل کرین

ملنے کا پتہ

علی بھائی شرفعلی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی

بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳